مذاہب عالم کا
انسائیکلوپیڈیا
www.KitaboSunnat.com
لیوس مور
مترجم : یاسر جواد ، سعدیہ جواد

مذاہبِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا

مصنف : لیوس مور

ترجمہ : سعدیہ جواد' یاسر جواد

نگارشات

24- مزنگ روڈ ○ لاہور فون:0092-42-7322892

E-mail:nigarshat@yahoo.com nigarshat@wol.net.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہتمام اشاعت

آصف جاوید

نام کتاب: مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا

ترجمہ: سعدیہ جواد' یاسر جواد

ناشر: آصف جاوید

برائے نگارشات پبلشرز' 24- مزنگ روڈ' لاہور

مطبع: المطبعۃ العربیہ' لاہور

سال اشاعت: 2003ء

قیمت: 200 روپے

"میں نے بھائیوں سے کہا: سورج جس سے
روشنی ہے قریب ہے، لیکن اس کا ملنا بعید۔"

(حسین بن منصور حلاج)

فہرست

دوسرا حصہ: مشرق وسطیٰ

تیسرا حصہ: ہندوستان

چوتھا حصہ : چین اور جاپان کے مذاہب

پیش لفظ

"مذہب" کا لفظی مطلب راستہ' طریقہ اور سونے کا ملمع کیا ہوا ہے۔ انگریزی لفظ Religion کا مادہ لاطینی لفظ *religio* یعنی امتناع' پابندی ہے۔ ویبسٹر کی انگریزی لغت میں Religion کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے ملتا جلتا مفہوم مقتدرہ قومی زبان کی انگریزی اردو لغت میں بھی دیا گیا ہے' جو یوں ہے:

> مافوق الفطرت قوت کو اطاعت' عزت اور عبادت کے لیے بااختیار تسلیم کرنے کا عمل; اس قسم کی مختار قوت کو تسلیم کرنے والوں کا یہ احساس یا روحانی رویہ اور اس کا ان کی زندگی اور طرز زیست سے اظہار; متبرک رسوم و رواج یا وظائف کے سرانجام دیئے جانے کا عمل; خدائے واحد و مطلق یا ایک یا ایک سے زائد دیوتاؤں پر ایمان لانے اور اُن کی عبادت کا ایک مخصوص نظام۔

بہ الفاظ دیگر کسی مخصوص علاقے کی مذہبی روایات کی تہہ میں وہاں کے لوگوں کا کائنات کو دیکھنے اور سمجھنے کا انداز کارفرما ہوتا ہے۔ مثلاً زراعتی معاشروں میں بارش کا دیوتا موجود ہوتا ہے تو خانہ بدوش معاشروں میں شکار کا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ مذہب اپنے سے متعلقہ علاقہ کے لوگوں کی روحانی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ کہنا چاہیے کہ کسی خطہ کے لوگ اپنے روحانی تقاضے پورے کرنے کے لیے جو امتناعات' پابندیاں' اُصول و قوانین' ضوابط' وغیرہ عائد کرتے ہیں اُن کا مجموعہ مذہب

کہلاتا ہے۔ بلاشبہ دنیا کی تاریخ یا اپنی تہذیب کی ابتداء میں دلچسپی رکھنے والا ہر شخص مذاہب کے مطالعہ کو ناگزیر پائے گا۔ اگر ہم مختلف تہذیبوں کے مذہبی موضوعات سے ناواقف ہیں تو عالمی تہذیبوں کے 90 فیصد آرٹ اور ادب کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر ہمیں لیونارڈو داونچی اور مائیکل اینجلو کے فن پاروں کی تفہیم حاصل کرنا ہے تو پندرھویں صدی کی عیسائیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ بھگوت گیتا' برمن ہیسے کا "سدھارتھ" اور فلپ راتھ کی تحریریں بالترتیب ہندومت' بدھ مت اور یہودیت کو جانے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ اس دنیا میں کون شخص ایسا ہو گا جو ابن رشد' ابن عربی' غزالی وغیرہ کا فلسفہ سمجھنے کا دعویٰ کرے اور اسلام سے نابلد ہو؟

مگر یہ موضوع جتنا زیادہ اہم ہے اِسے اُتنا ہی غیر اہم بنا دیا گیا ہے۔ اکثر یہی سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے کہ مذہب ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور دوسروں کا مذہب ہمارے لیے کوئی وُقعت نہیں رکھتا۔ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ مذاہب زیادہ اثر نہیں ڈالتے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ مذاہب' مسالک' عقائد وغیرہ کی بنیاد پر دنیا میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ وہ تاریخ میں جنگیں کروانے کے ذمہ دار رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی مذہب بھی انسان کو انسان کے خلاف نہیں اُبھارتا۔ کیتھولک عیسائیوں کی پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے خلاف لڑائی' مسلمانوں اور مشرقی آرتھوڈوکس عیسائیوں کا تنازعہ' ہندو مسلم کشمکش' بودھوں اور عیسائیوں کی جنگ' اور مسلمانوں و یہودیوں کا مسئلہ بہت سے سیاسی مسائل کی تہہ میں موجود ہے۔ بے شک ان مسائل کے دیگر پہلو بھی ہیں' مگر مذہبی پہلو غالب ہے۔ خود ہمارا ملک مذہبی کشیدگی کے نتیجہ میں حاصل ہوا۔ تو کیا ہم اب بھی مذہب کو ذاتی مسئلہ قرار دے کر رد کر سکتے ہیں؟

اوپر ہم نے مذاہب کی بنیاد پر لڑائیوں اور تضادات کا ذکر کیا۔ ہمارا کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے لوگ پرامن طور پر اکٹھے رہ ہی نہیں سکتے۔ بلکہ اگر امن قائم کرنا ہے تو مذہبی اختلافات کو جاننا اور احترام دینا ہو گا۔ جب تک ہمارے خیالات' نظریات اور مقاصد دوسرے انسانوں کے بھی ذمہ دار نہ بن جائیں تب تک ہمارے اردگرد امن ممکن نہیں۔

جب ہم مذاہب کے بارے میں مطالعہ کرنے نکلتے ہیں تو مختلف آوازیں سنائی دیتی

ہیں: کہ ہمارا اپنا مذہب (جو بھی ہو) سچا ہے' اس لیے دوسرے مذاہب کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے اور سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی؟ کہ مذاہب کا مطالعہ کرنے کی بجائے کوئی ٹیکنیکل کورس کرنا زیادہ بہتر ہے' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں پر غور کو اس وقت تک موخر کر دیں جب تک کہ محض حصول علم کو مقصد بنا کر مختلف مذاہب کی چھان بین نہ کر لیں۔ نصابی کتب سے حاصل کردہ تعلیم اور کبھی کبھی تعصبیت ہمیں غیر مذاہب کو سمجھنے اور پرکھنے سے روکے گی۔ لیکن یہ کتاب اسی مسئلے کو حل کرنے کی ایک کوشش ہے۔

راقم نے چند سال قبل "فلسفہ مذاہب" کے نام سے امولیہ رنجن مہاپتر کی ایک کتاب ترجمہ کی تھی جو ایک تو متوازن نہیں تھی اور دوسرے اُس میں مذاہب کے بارے میں تفاصیل ناکافی تھیں۔ زیر نظر کتاب سے یہ کمی دور ہو جائے گی۔ اس میں فلسفہ کم اور مذاہب کے متعلق معلومات زیادہ ہیں۔ مصنف نے اس میں بہاء ازم کے بارے میں بھی ایک باب شامل کیا تھا جو غیر اہم ہونے کی بناء پر خارج کر دیا گیا۔ نیز مذاہب کو چار مختلف تہذیبی اکائیوں میں رکھا گیا ہے جس سے اُن کی مماثلتوں کی وجہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اِس کتاب کو مطالعہ مذاہب کے راستے پر پہلا قدم سمجھنا چاہیے۔

سعدیہ جواد' یاسر جواد
ستمبر 2000' لاہور

پہلا حصہ

بنیادی مذاہب

تاریخ کے ایک موڑ پر انسانی مذاہب میں مخصوص عناصر مشترک تھے جو اس وقت دنیا پر غالب مذاہب میں دکھائی نہیں دیتے۔ بعض قدیم تہذیبوں کے آثار کے تجزیہ سے مذاہب کا طالب علم ابتدائی ترین مذاہب کی تفہیم حاصل کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی قاری ماضی اور حال کے بنیادی قرار دیئے جانے والے ان مذاہب کا مطالعہ کر کے اُن بنیادوں کو بھی معلوم کر سکے گا جن پر موجودہ غالب مذاہب کی عمارت قائم ہے۔

پہلا باب

بنیادی مذاہب کی خصوصیات

ما قبل تاریخ کے لوگوں کے مذاہب' مجموعی ثقافت اور تیکنیکی طور پر مہذب نہ قرار دیئے گئے جغرافیائی علاقوں میں مروج وظائف "قدیمی" کہلاتے ہیں- بد قسمتی سے لفظ "قدیم" اپنے اندر پسماندہ' جاہل' سادہ حتیٰ کہ بیگانہ کا مفہوم لیے ہوئے ہے- لہٰذا عیسائی' مسلمان یا یہودی شاید ان مذاہب کو توہماتی یا غیر مہذب سمجھتے ہوں- تاہم آسٹریلیا کے شکاری یا امریکہ میں بسنے والے انڈینز کے مذاہب اپنی رسوم اور اسطوریات (Mythology) میں شاید اتنے ہی پیچیدہ اور اپنے پیروکاروں کے لیے اتنے ہی تسلی بخش ہیں جتنا کہ کلیسیا کے اُسقفی نظام کے پیروکار کے لیے اُس کی عبادت-

مذاہب عالم کے مطالعہ میں ہم کسی ارتقائی پیمانے کو فرض نہیں کر سکتے جو بنیادی مذاہب سے شروع ہو کر زین بدھ مت یا اس نام نہاد مہذب دنیا کے کسی دوسرے اعلیٰ ترقی یافتہ مذہب کی طرف جاتا ہو- ہر مذہب میں تسکین اور خوبصورتی موجود ہوتی ہے اور ہر ایک میں بدصورتی اور پستی بھی پائی جاتی ہے- بایں ہمہ' چونکہ زمانہ قبل از تاریخ اور دنیا کے کم ترقی یافتہ علاقوں کے لوگوں کے مذاہب میں بنیادی مذہبی عناصر پائے جاتے ہیں اس لیے بنیادی مذاہب کی اصلاح غیر موزوں نہیں-

چنانچہ ہم دنیا کے تمام مذاہب میں سے اُن بنیادی مذاہب کے متعلق بہت کم علم رکھتے ہیں کیونکہ وہ قبل از تاریخ یا دُور افتادہ علاقوں سے نکلے جہاں تہذیب داخل نہیں

ہوئی تھی۔ تاہم' ان مذاہب کا مطالعہ نہایت اہم ہے کیونکہ انہی سے دنیا کے تمام دیگر مذاہب ماخوذ ہوئے۔ بنیادی مذاہب کے عناصر زیادہ یا کم حد تک سبھی مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم ان عناصر اور ان کی کارفرمائی کے انداز سے واقفیت حاصل کریں۔ دوم' بنیادی مذاہب کا مطالعہ اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ وہ انسانی تاریخ کے طلوع سے لے کر اب تک کے مجموعی انسانی مذہبی تجربہ کے تقریباً پچھتر فیصد حصے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بنیادی مذاہب سے متعلقہ معلومات کے ذرائع

انسان دس لاکھ یا زائد سال سے کرۂ ارض پر سرگرم عمل ہے۔ تاہم' ہم انسانی تاریخ کے بہت چھوٹے جزو سے واقف ہیں۔ گزشتہ صرف پانچ یا چھ ہزار سال کے عرصہ میں انسان نے تحریر سے استفادہ کیا ہے' جبکہ غیر تحریر کردہ ذرائع مثلاً غاروں میں بنائی گئی تصاویر' قبرستان' مذہبی مجسمہ سازی اور آثار قدیمہ انسانی ثقافت اور مذہبی تجربات کی نشاندہی کرتے ہیں' جبکہ ہمارے علم کا بہترین ذریعہ تحریر شدہ ریکارڈ ہے۔ ہم نے کرۂ ارض پر انسان کے مجموعی عرصہ میں سے غالباً ایک فیصد کے نصف کو تحریری شکل میں محفوظ کیا ہے۔ اس ریکارڈ کے ذریعہ ہم لوگوں کی ثقافت اور مذہبی تجربات کو کافی حد تک جان لیتے ہیں لیکن ایک بہت بڑے حصے کو ہم نہیں جان پاتے۔

بنیادی مذاہب کے بارے میں معلومات کے دو بنیادی ذرائع ہیں۔ اول' عصر حاضر کے بنیادی مذاہب ہیں۔ ماہر بشریات ایک معاصر بنیادی ثقافت کا جائزہ لیتا اور اس کے مذہبی عقائد اور وظائف کا مطالعہ کرتا ہے۔ پھر اس مطالعہ سے وہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ بہت سے یا تمام بنیادی اور قبل از تاریخ مذاہب شاید ایک جیسے رجحانات اور مذہبی وظائف کے حامل ہیں۔ لہٰذا پادری کاڈرنگٹن نے انیسویں صدی میں ملینیشا والوں کا مطالعہ کیا اور بتایا کہ وہ فطرت میں ایک غیر مرئی قوت "مانا" کا ادراک رکھتے ہیں۔ اُسے اور دوسروں کو ماننا پڑا کہ "مانا" جیسی ہی کسی قوت سے آگاہی انسان کا حقیقی مذہبی محرک رہی ہوگی۔

معاصر بنیادی مذاہب کا مطالعہ خواہ کتنا ہی دلچسپ ہو' لیکن قبل از تاریخ بنیادی مذاہب سے آگاہی کے لیے کسی ذریعہ کی خواہش تشنہ رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ انیسویں صدی کے ملینیشائی' مہذب لوگوں یا حتیٰ کہ انیسویں صدی سے قبل کے ملینیشوں سے بہت مختلف ہوں اور ان کا مذہبی شعور اور رسوم انیسویں صدی ہی میں بدل گئے ہوں۔ انہوں نے شاید حال ہی میں "مانا" پر عقیدہ اختیار کیا ہو یا وہ باقاعدہ مبلغین' تاجروں یا ماہرین بشریات کے دوروں سے متاثر ہوئے ہوں۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ اگر کوئی ماہر بشریات وہاں پہنچا ہو اور اُس نے قبل از تاریخ جیسا ایک خالص قدیمی معاشرہ تو پایا ہو مگر اُس کے مشاہدات اور مطالعہ شاید مکمل طور پر درست نہ ہوں۔ ماہر بشریات کو چاہیے کہ زیر مطالعہ لوگوں کی زبان ضرور سیکھے اور ان کی رسوم اور مذہب سے کامل شناسائی حاصل کرنے کے لیے کافی عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ سرداروں اور رابطہ کیے گئے پروہتوں کی قابل اعتباری کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کوئی عنصر بھی غائب ہو تو ماہر بشریات کے جمع کردہ ڈیٹا پر اعتراض اٹھایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ معاصر بنیادی مذاہب کا مطالعہ خواہ کتنا ہی مددگار ثابت ہو لیکن یہ بنیادی مذاہب کی اساس کی مکمل عکاسی نہیں کرسکتا۔

معلومات کا دوسرا ذریعہ علم آثار قدیمہ ہے۔ اگرچہ بنی نوع انسان نے ہمیشہ اپنے ماضی میں دلچسپی لی ہے اور یقیناً ہمیشہ اس ماضی کے قدیم طبعی آثار کی جانچ پڑتال کرنے کی کوشش کی ہے' پھر بھی ان کا سائنسی تجربہ دو سو سال سے کم ہے۔ درحقیقت آثار قدیمہ سے متعلقہ زیادہ سنجیدہ کام بیسویں صدی میں ہی ہوا ہے۔

ماہر بشریات باریک بینی سے کام کرتے ہوئے ماضی کی تہذیبوں کے قدیم طبعی آثار کو سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے' اور ان کی ثقافتی تاریخ اور زندگی کو ازسرنو تعمیر کرتا ہے۔ نسبتاً حالیہ تقاضوں (مثلاً رومن اور مایائی) کی جانچ پڑتال میں ان کا کام ان تہذیبوں کی باقی ماندہ عمارات' مقبروں' سکوں اور دیگر صنعت کاریوں کے باعث آسان ہوگیا۔ جب زیر مطالعہ ثقافتوں کا مطالعہ کیا گیا تو اُن کے ادب' طوماروں (Scrolls)' مٹی کی لوحوں اور کندہ کیے گئے کچھ نقوش نے اُن کے لیے مزید آسانی پیدا کردی۔

بعیدی قبل از تاریخ کی ثقافتوں کے معاملہ میں کام نسبتاً زیادہ مشکل ہے۔ ادھر

معلومات کا بنیادی ذریعہ مقبرے' ہتھیار اور اوزار ہی ہو سکتے ہیں اور ماہر بشریات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِن ذرائع کو احتیاط سے استعمال کرے۔ تاہم' معاملہ خواہ قدیم ثقافت کا ہو یا موجودہ کا' آثار کی تحقیق سے اخذ کردہ نتائج کا انحصار محقق کے بیان کی وضاحتوں پر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ماہر بشریات کسی چیز کو معبد قرار دے تو دوسرا اصطبل۔ اس سلسلے میں اختلافات اور غلطیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم' ہمیں آثار قدیمہ کی تحقیق کو اس کی مناسب اہمیت دینے کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ کچھ ماہرین بشریات شاید ہمیں یقین دلائیں کہ نینڈر تھل لوگ ریچھ کی پُوجا کرتے تھے کیونکہ ریچھ کی کھوپڑیاں ان کے قبرستان کے اطراف میں پائی گئیں۔ ایسا ہونا یا نہ ہونا مسئلہ نہیں ہے۔ شاید ریچھ کی کھوپڑیوں کو ان قدیم لوگوں کے ساتھ ہی دفن کر دیا جاتا ہو کیونکہ وہ ان کی پرستش کرتے تھے' یا ریچھ کو وہاں شکار کے انعام کے طور پر دفن کیا جاتا ہو۔ جب تک نینڈر تھل کے انسان نے کسی طرح اپنی بات کہنا نہیں سیکھا تھا اس سے پہلے ہم ان کے مذہب کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بنیادی مذاہب کی قبل از تاریخ ابتداء

نینڈر تھل مذاہب:

بہت شروع کی نسل انسانی میں سے ایک نام نہاد نینڈر تھل لوگ تھے جن کا دور تقریباً ایک لاکھ سے پچیس ہزار سال قبل مسیح تک تھا۔ نینڈر تھل لوگوں کے بارے میں ہمیں بہت کم علم ہے۔ ماسوائے اس کے کہ وہ موجودہ انسانوں کی نسبت چھوٹے تھے اور غالباً شکار اور خوراک اکٹھی کرنے کے سبب کٹھن والی فضا میں آباد تھے۔ بلاشبہ نینڈر تھل لوگوں نے اپنے معاشرے یا مذہب سے متعلق کوئی تحریری ریکارڈ نہیں چھوڑا۔ ان کے مذہبی ہونے کی شہادت صرف علم بشریات سے ملتی ہے اور درحقیقت یہ قطعی شہادت ہے۔ مختلف علاقوں میں نینڈر تھل لوگوں کے قبرستانوں سے ماہرین بشریات نے جانوروں کی ہڈیاں اور پتھر کے اوزار حاصل کیے ہیں۔ کچھ کی رائے میں یہ

آثار ظاہر کرتے ہیں کہ مُردوں کو خوراک اور اُن کے اوزاروں اور ہتھیاروں سمیت دفن کر دیا جاتا تھا' غالباً دیوتاؤں کی نذر کی غرض سے یا مُردوں کی دنیا میں ضروری اشیاء بھجوانے کی خاطر۔ مزید یہ کہ ماہرین بشریات نے ریچھ کی ایسی کھوپڑیاں پائی ہیں جنھیں نینڈر تھل لوگوں کے قبرستان میں بظاہر احتیاط سے ترتیب دیا گیا تھا' اور اس سے ریچھ کے لیے عقیدت مندانہ رویہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نینڈر تھل مذہبی تھے' یا اُن میں حیات بعد الموت کا کوئی تصور بھی موجود تھا۔

کرومیننی مذہب[1]:

نینڈر تھل لوگوں کے بعد منظرعام پر آنے والی نسل کرومیننی انسان تھے جو تقریباً پچیس ہزار سال قبل سامنے آئے۔ کرومیننی جسمانی اعتبار سے اور ذہنی صلاحیتوں کی بناء پر نینڈر تھل لوگوں سے بڑے تھے۔ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر غاروں میں رہنے کی وجہ سے کرومیننی انسان شکاری کے طور پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب ہم غار میں بسنے والے انسان کا عمومی ذکر کرتے ہیں تو غالباً کرومیننی انسان کے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں۔ نینڈر تھل کی مانند کرومیننی انسان نے بھی اپنی ثقافت اور مذہب کے متعلق کوئی تحریری ریکارڈ نہیں چھوڑا۔ ایک بار پھر ماہرین آثاریات کے کام کے ذریعہ ہی ہم تک معلومات پہنچتی ہیں۔ نینڈر تھل لوگوں کی طرح ہی کرومیننی انسان بھی بظاہر اپنے مُردوں کو اوزاروں اور ہتھیاروں سمیت دفن کر دیا کرتے تھے۔ قبروں سے زیور بھی برآمد ہوئے ہیں جن کے ساتھ مُردوں کو دفن کیا گیا۔ مزید برآں کچھ کرومیننی قبروں سے ایسی ہڈیاں بھی ملی ہیں جن پر سرخ رنگ کیا گیا تھا۔ ماہرین آثاریات نے ان عناصر کو حیات بعد الموت سے متعلق بیان کیا ہے۔

کرومیننی لوگوں کے ساتھ وابستہ نہایت عمدہ مصنوعات میں غاروں کی دیواروں پر بنائی گئی مشہور تصویریں شامل ہیں۔ ان تصاویر کو' جو مدخل سے بہت دُور تاریک جگہوں پر بنائی گئی تھیں "کرومیننی" کے طور پر شناخت کیا گیا تھا۔ انہیں بظاہر غیروں کی

---

[1] فرانس کے ایک غار کرومینن کے نام پر۔

پہنچ سے دور رکھنے کے لیے ایسی مشکل جگہوں پر رکھا گیا تھا۔ ان کی جائے وقوع نے نادانستہ طور پر انہیں ہزاروں سال تک خراب ہونے سے محفوظ رکھا۔ ان میں سے بہت سی تصاویر شکار کے دوران مارے جانے والے جانوروں کی عکاسی کرتی ہیں۔ جانوروں' مثلاً جنگلی بھینسے' گھوڑے' جنگلی سئور اور ریچھ کو تیروں اور نیزوں کے ساتھ دکھایا گیا ہے جو اُن کے جسموں میں نازک مقامات پر داخل ہو رہے ہیں۔ جانوروں کو حقیقی زندگی کے تصور پر بنایا گیا ہے' جبکہ انہیں شکار کرنے والے انسانوں کو محض بے لچک کے انداز میں دکھایا گیا ہے۔ ان تصاویر کے بارے میں سب سے عام بیان یہی ہے کہ انہیں شکار سے قبل کرومینینی لوگوں کے پروہت یا جادوگر غاروں کی مخفی دیواروں پر لگایا کرتے تھے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ شکار ہوتے ہوئے جانوروں کی تصویر بنانے یا ان کی نقول ان کی نقول تیار کرنے کے ذریعہ پجاری ایک کامیاب شکار کے واقعہ کی پیش بینی کرنے کی توقع رکھتے تھے۔ معاصر بنیادی مذاہب کے ساحر بھی اسی قسم کے طریقے اپناتے ہیں' خواہ وہ گرافک آرٹ کی شکل میں ہوں یا کھیل کی صورت میں' جس میں قبیلے کے ارکان شکار کے دوران مارے جانے والے جانوروں کا کردار ادا کرتے ہیں۔

مزید برآں' غاروں کی تصاویر' جو شاید مذہبی تاثر رکھتی ہوں' میں کرومینینی لوگوں نے پتھر سے کندہ کردہ سجاوٹی تصاویر اور مورتیاں بھی چھوڑی ہیں۔ ان میں سے بہترین سمجھی جانے والی چھوٹی مورتی نام نہاد وینس آف ویلن ڈروف ہے جس میں ایک نسوانی شکل کی عکاسی کی گئی ہے۔ جبکہ اس شکل کا کوئی چہرہ نہیں۔ اس کی چھاتیوں' چوتڑوں اور پیٹ میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ شبیہ زرخیزی کے مسلک (Fertility cult) کا حصہ تھی جس کا تعلق شاید کرومینینی مذہب کے ساتھ رہا ہو گا۔

نوحجری مذہب (Neolithic Religion):

جب سے نینڈرتھل اور کرومینینی معاشروں نے ابتدائی طور پر پتھر کے اوزاروں اور ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا' انہیں آثار قدیمہ کے اعتبار سے پتھروں کے زمانہ کی ثقافتیں قرار دیا گیا۔ کرومینینی عرصہ کے بعد آنے والے دور میں بھی پتھر کے ہتھیاروں کو استعمال کیا گیا مگر وہ دور دیگر لحاظ سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ نوحجری یا پتھر کا آخری

زمانہ تقریباً سات تا تین ہزار قبل مسیح سے شروع ہوا اور تہذیب میں کئی اضافوں سے عبارت ہے۔ ایک بہت نمایاں پیش رفت جس نے مذہبی ترقی کو بہت زیادہ متاثر کیا وہ زراعت کی بطور زندگی ترقی تھی۔ جب ابتدائی لوگوں نے جان لیا کہ وہ بیج بونے اپنی فصلوں کو کاشت کرنے اور مستقبل کی بھوک کے لیے اناج ذخیرہ کرنے سے زندگی گزار سکتے ہیں تو ان کی زندگیاں یکسر بدل گئیں۔ ابتداء میں لوگ جنگلی شکار کی تلاش میں مسلسل نقل مکانی نہیں کر سکتے تھے' وہ زمین کی بارووری تک ایک ہی جگہ پر رہ سکتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب انہیں زیادہ مستقل رہائش کی ضرورت تھی اور وہ نسبتاً بڑے گروہوں میں رہ سکتے تھے۔ یہ ضرورت شہروں کی ترقی کا باعث بنی جو زرعی علاقوں کے قریب واقع تھے۔

مصر میں زراعت کی ترقی کی بناء پر زمین کی ملکیت کی ترقی شروع ہوئی۔ سیاحت اور ریاضی کے علوم کو دریائے نیل کے ڈیلٹا میں سالانہ طغیانی کے بعد کھیتوں کی ملکیت داری قائم کرنے کی خاطر ترقی دی گئی۔ ان سب سے زیادہ زراعت کی ترقی نے لوگوں کو پہلے سے زیادہ فارغ وقت مہیا کیا۔ اس کے نتیجے میں وہ اس قابل ہو گئے کہ فارغ بیٹھے رہیں اور مٹی انہیں غذائی ضروریات مہیا کرتی رہے۔ اس حلقے کے لوگ پہلی مرتبہ اس قابل ہوئے کہ اپنا پورا وقت مذہب کے اسرار کے لیے وقف کر سکیں۔ ایک زرعی معاشرے سے پہلے حقیقی پادریت کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ مزید برآں زرعی معاشرہ پہلی مرتبہ فطرت کی زرخیزی پر انحصار کرنے لگا۔ لوگوں کو اس بات سے آگاہی ہوئی کہ ایک سال بہترین کاشت کا سال ہو گا جبکہ اگلا شاید قحط اور خشک سالی کا سال ہو۔ وہ موسموں کی باقاعدگی' مدوجزر' چاند کے مدارج اور ستاروں کی حرکات سے آگاہ ہوئے۔ ان میں سے ہر عامل سبب بنا کہ نو حجری لوگ ان مذاہب کو ترقی دیں جن کی بنیاد زمین کی زرخیزی اور اسی طرح انسانوں اور حیوانوں کی پیداواری صلاحیت پر ہے۔ یہ عوامل ان کی اسطوریات کی ترقی کا باعث بنے جس میں معبود سورج' چاند' ستاروں اور موسموں کی تجسیم بن گئے۔

نو حجری عرصہ کے آثار قدیمہ اس وقت کے مذہبی رویوں کے متعلق کچھ اشارات دیتے ہیں۔ اس علاقے میں پائے جانے والے بڑے قبرستان مُردوں' عورتوں اور

جانوروں کی ہڈیوں پر مشتمل ہیں جن کے ساتھ مدفون ہتھیار اور زیور میں کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے کہ نو حجری لوگ اپنے سرداروں کو ان کی بیویوں' غلاموں اور دل پسند حیوانوں کے ساتھ دفن کرتے تھے تاکہ وہ اگلی دنیا میں اس کی خدمت کر سکیں۔ یہ عمل کئی ثقافتوں میں دہرایا گیا اور انیسویں صدی میں بھی بھارت میں ستی کا عمل جاری رہا جس کا مطلب تھا کہ بیوی اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی یا خود کو اس کی قبر میں زندہ دفن ہو جانے کی اجازت دے دیتی۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نو حجری معاشروں نے دنیا کے کئی علاقوں میں بڑے پتھر نصب کیے۔ اس عمل کی دو بہترین مثالیں برطانیہ میں سٹون ہینج (Stonehenge) کے مقام پر نصب کردہ پتھر کی عظیم یادگاریں اور فرانس میں برٹانی (Brittany) کے میدانوں میں قائم کردہ سینکڑوں بڑے پتھر (Megaliths) ہیں۔ بظاہر ان دیو قامت پتھروں کو دور دراز پہاڑوں سے کھود کر (لایا گیا اور) ان مقامات پر انتہائی کوشش کے ساتھ لے جایا گیا جہاں وہ نصب ہیں۔ چونکہ نو حجری معاشروں نے ان پتھروں کے بارے میں کوئی تحریری ریکارڈ نہیں چھوڑا' اس لیے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ جزوی طور پر ان کا مقصد مذہبی تھا۔ لیکن اسے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

بنیادی مذاہب کے عمومی عناصر

مندرجہ ذیل عناصر سب مروجہ مذاہب میں عام طور پر پائے جاتے ہیں یا کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی میں جب ماہرین آثاریات نے ان کا مطالعہ شروع کیا تو یہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہے ہوں گے۔ یہ عناصر اُن تاریخی مذاہب جن سے ہم آگاہ ہیں میں بھی موجود رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے عناصر نام نہاد ترقی یافتہ مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں عیاں ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر قربانی تقریباً ہر موجود مذہب کی ابتدائی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ نتیجتاً کچھ عناصر' جو مذاہب کا رائج الوقت حصہ نہیں ہیں' جدید تقاضوں کے تحت الشعور میں پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند ترقی یافتہ مذاہب تسلیم کریں گے کہ سحر ان کی الہیات کا حصہ ہے' خوش قسمتی کے سکے پر

یقین' بدقسمتی کے دن' تیرہ کے ہندسے سے گریز اور اسی طرح کی کئی مثالیں عام ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی کے بہت جدید معاشروں میں بھی ایسی مثالیں عام ہیں۔

ارواح پرستی:

ٹیلر (Tylor) بتاتا ہے کہ ابتدائی لوگ دنیا کو روحوں اور بد روحوں سے معمور تصور کرتے تھے اور فطرت کی اس ہم آہنگی سے مذاہب پروان چڑھے۔ درحقیقت فطرت کو حساس اور قابل گفت و شنید روحوں سے معمور سمجھنے کا عقیدہ انسانی مذہبی تجربے کے بہت عام عقائد میں سے ایک ہے۔ بہت سے بنیادی مذاہب کے لوگ یہ یقین کرتے نظر آتے ہیں کہ صرف وہی روح نہیں ہیں بلکہ حیوان' درخت' پتھر' دریا' پہاڑ' آسمانی مخلوق' سمندر اور زمین بذات خود بھی روح رکھتے ہیں اور یہ روحیں لوگوں کے ساتھ گفتگو کر سکتی ہیں' انہیں خوش یا ناراض کر سکتی ہیں اور ان کی مدد یا انہیں اذیت پہنچا سکتی ہیں۔ بنیادی مذاہب ان قوتوں کو یا تو ذاتی سمجھتے ہیں' جیسا کہ حقیقی ارواح پرست کے معاملہ میں ہے; یا وہ انہیں غیر ذاتی مبہم قوتیں سمجھتے ہیں جنہیں بشپ کاڈرنگٹن اور دوسروں نے "مانا" قرار دیا ہے۔ فطرت میں زندگی کی مشابہت کی بنیاد پر بنیادی مذاہب فطرت کا احترام کرتے ہیں جس طریقہ سے جدید مذاہب نہیں کرتے۔ پہاڑ پر گھر تعمیر کرنے سے قبل شاید قدیم لوگ پہاڑ سے اجازت طلب کرتے ہوں' درخت کاٹنے سے پہلے شاید درخت کی اجازت چاہتے ہوں' اسے قربانی پیش کرتے ہوں اور درخت کی ہر شاخ کو اچھے مقصد میں استعمال کرنے کا وعدہ کرتے ہوں' کسی جانور کا شکار کرنے پر شاید وہ اُس جانور سے اسے مارنے پر معذرت اور لاش کی انتہائی تعظیم کرتے ہوں۔

زندگی کی ایک مظاہر پرستانہ واقفیت کی بناء پر بنیادی اور بہت سے جدید مذاہب نے فطرت میں موجود تقریباً ہر چیز کا احترام کیا ہے یا کھلے عام پرستش کی ہے۔ تقریباً ہر قابل تصور جانور کی کسی نہ کسی دور میں عبادت کی جاتی رہی ہے۔ پتھروں کی پوجا کی جاتی رہی ہے; یا وہ ایسے مقامات رہے ہیں جہاں دیوتاؤں نے لوگوں سے بات چیت کی یا ان کی قربانیوں کا خون موصول کیا۔ پہاڑوں کو متعدد بار پوجا گیا ہے یا وہ الہام کے مقامات

رہے ہیں۔ سمندر اور ان میں پائی جانی والی مخلوقات کا احترام کیا جاتا رہا ہے' درخت اکثر مذہبی عقیدت کے عناصر رہے ہیں۔ آسمانی مخلوق' سورج' چاند اور ستارے تقریباً ہر مذہب میں کردار ادا کرتے ہیں اور آگ' پانی اور زمین بذات خود پرستش کا مدعا بن چکے ہیں یا پرستش کے اہم عناصر ہیں۔ ارواح پرستی کے اثرات کی فہرست تقریباً نہ ختم ہونے والی ہے۔

دور حاضر کے لوگ تاریخی پتھروں کو اپنی نئی عمارات کے کونے میں جگہ دیتے ہیں' وہ قیمتی' مکمل اور غیر ضروری آتش دان بناتے ہیں۔ عیسائی کرسمس منانے کے لیے اپنے گھروں میں سدا بہار درخت لاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ سدا بہار درخت اور مسیح کی ولادت میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمان مکہ میں حج کے دوران مقدس حجر اسود کے گرد چکر لگاتے اور اُسے بوسہ دیتے ہیں۔ ہندو مقدس دریائے گنگا میں اشنان لیتے ہیں۔ پارسی مقدس آتش کدے میں جلانے کے لیے صندل کی لکڑی کے تحائف لاتے ہیں۔ زندگی کی مظاہر پرستانہ تفہیم انسانیت کی مذہبی اور غیر مذہبی امنگوں کی سب سے زیادہ غالب اور بااثر تفہیم ہے۔

سحر:

جب جدید لوگ سحر کا نام لیتے ہیں تو اس سے مراد اکثر شعبدہ بازی یا فریب نظر ہے جو ایک ماہر بازی گر ادا کرتا ہے جس کا مقصد لوگوں کو دھوکہ دینا اور خوش کرنا ہے۔ بنیادی مذاہب میں یہ اصطلاح "سحر" کہیں زیادہ پیچیدہ مفہوم رکھتی ہے۔

قدیم معاشروں میں بازی گر اپنے لوگوں کے فائدہ کے لیے یا دشمن کو نقصان پہنچانے کی غرض سے فطرت کو قابو کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بازی گر یقین رکھتے تھے کہ اگر وہ اپنی مجوزہ رسوم' رقص یا مناسب طریق پر منتر ادا کریں تو درحقیقت وہ فطرت کو قابو کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ وہ بارش برسانے' بکثرت فصل پیدا کرنے' کامیاب شکار کے لیے حالات پیدا کرنے اور اپنے دشمنوں کی ہلاکت کا باعث بن سکتے ہیں۔

تیکنیکی طور پر مذہب اور سحر کے درمیان عالموں نے لائن ارادتاً کھینچی ہے۔ بازی

گروں کا عقیدہ ہے کہ رسومات کی ادائیگی کے ذریعہ وہ اپنی خواہش کے مطابق فطرت کو حرکت میں آنے پر مجبور کر سکتے ہیں' جبکہ مذہبی پیشوا دیوتاؤں کے مرہون منت ہیں۔ ساحر جانتا ہے کہ اس کی خواہش ضرور پوری ہوگی لیکن پُجاری امید رکھتا ہے کہ دیوتا اس کی طرف نظر کرم کریں گے۔ درحقیقت مذہب اور سحر کے مابین امتیاز اتنا واضح نہیں ہے۔ سحر کے عناصر مذہب میں اور مذہب کے اجزاء سحر میں ظاہر ہوتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ کا ایک ماہر بشریات سر جیمز فریزر یقین رکھتا تھا کہ سحر ایک مرحلہ ہے جس سے بنی نوع انسان نے مذہب کی طرف اور آخر کار سائنس کی طرف حرکت کی۔

قدیم معاشروں میں سب سے زیادہ عام سحر کی قسم مشارک یا صوری سحر ہے۔ سحر کی اس قسم میں ایک انسان فطرت کو کسی کردار میں خود چھوٹے پیمانے پر ادا کر کے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی سب سے عام مثال نام نہاد وُوڈو (Voodoo) گڑیا ہے جس کے ساتھ ساحر دشمن کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ گڑیا کو دشمن کے دھندلے عکس پر تخلیق کیا جاتا ہے اور شاید دشمن کے کچھ ذاتی عناصر مثلاً ٹوٹے بالوں کے سرے یا ناخنوں کی کترنوں کو بھی استعمال کیا جاتا ہو۔ بایں ہمہ گڑیا متعلقہ شکار کی طرح نظر آتی ہے۔ جو سلوک گڑیا کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی متعلقہ شکار کے ساتھ ہوگا۔ اگر سوئی کے ساتھ گڑیا کی ٹانگوں کو زخمی کیا جاتا ہو تو متعلقہ شکار کی ٹانگ زخمی ہوگی' اگر گڑیا کے دل کو تکلیف پہنچائی جاتی ہو تو متعلقہ شکار مر جائے گا یا کم از کم دل کی شدید تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔ قدیم معاشروں میں مینہ برسانے کی تقاریب صوری سحر پر مبنی ہیں۔ بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ کرومینئی غاروں کی تصاویر' جن میں شکار کے دوران ہتھیاروں سے تکلیف پہنچائے جانے والے حیوانوں کو دکھایا گیا ہے' وہ پجاریوں نے صوری سحر کے تحت بنائی تھیں۔

سحر کا ایک اور پہلو جو بنیادی مذاہب میں متعدد بار پایا گیا ہے وہ عضو پرستی یا فیتش (Fettish) ہے (طلسماتی قوت کی حامل کوئی چیز ہے)۔ Fettish یا عضو پرستی ایک ایسی غایت ہے جو طلسماتی قوتوں کے ذریعے فطرت کو قابو کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جدید معاشرے میں ان غایات کو خوش قسمتی کے طلسم (good luck Charms) کہا جاتا ہے' عضو پرستی اُس کے لیے اچھی قسمت کی نوید لاتی ہے اور بد روح کو بھگاتی

ہے جس کے پاس اس کا اختیار ہوتا ہے۔ بنیادی معاشروں میں تقریباً ہر چیز مثلاً لکڑی کی ایک چھڑی' ایک پتھر یا پتھروں کا مجموعہ' ایک ہڈی' کوئی پَر' حتیٰ کہ کوئی خاص ہتھیار طلسماتی قوت کا حامل ہو سکتے ہیں۔ طلسماتی قوتوں کی حامل اشیاء جزوی یا مجموعی بھی ہو سکتی ہیں۔ یا شاید وہ کسی قسم کی زیبائش میں استعمال ہوئی ہوں۔ عضو پرستی جدید انسانی معاشرے سے زیادہ دور نہیں ہے۔ لوگوں کے کسی بھی گروہ میں سے ایک کے پاس خوش قسمتی کے سکے' خرگوش کے پاؤں' مذہبی تمغات اور اسی طرح کی اور اشیاء ہوتی ہیں۔ بیسویں صدی کے لوگ اپنی طلسماتی قوتوں کی حامل اشیاء کو جو اہمیت دیتے ہیں وہ غالباً قدیم لوگوں کی جانب سے دی گئی اہمیت سے تضاد رکھتی ہے۔ اس کے باوجود جدید اور سائنسی معاشروں میں بنیادی مذاہب کی طلسماتی قوتوں کی حامل اشیاء اور دوسرے عناصر کا وجود نسل انسانی کو موروثی اہمیت سے روشناس کراتے ہیں۔

علم غیب:

علم غیب کے ذریعہ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرنے کا عمل بنیادی مذاہب میں بہت اہم ہے۔ عموماً یہ پجاریوں یا کسی ایسے انسان کا کام ہے جسے خصوصاً اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا ہو' اور یہ عمل مختلف طریقوں سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔ قربانی کے جانور کی انتڑیوں کے مشاہدے کے ذریعہ پیش گوئی کی جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ پرندوں کی پرواز کے مشاہدے یا مقدس پانسہ پھینکنے سے مکمل ہوتا ہے۔ قدیم چین میں کچھوے کے خول کو اُس وقت تک گرم کیا جاتا ہے کہ وہ ٹوٹ جاتا اور ان ریزوں کے نمونے کو مستقبل کی پیش گوئی کے طور پر تعبیر کیا جاتا۔ یہ بعد میں یَیرو (Yarrow- ایک یورپی سدابہار پودا) کے ڈنٹھل پھینکنے کے عمل میں بدل گیا اور ان نمونوں کو ایک کتاب "آئی چنگ" ("I Ching") میں بیان کیا گیا۔ قدیم یونانیوں کے ہاں مستقبل کے بارہ میں پیش گوئی کی جاتی تھی جب ایک کاہنہ تین پایہ نشست گاہ پر بیٹھا کرتی تھی اور ڈیلفی کے میدان سے آنے والے دھوئیں میں سانس لیا کرتی تھی۔ اُس دھوئیں میں سانس لینے کے بعد وہ جو کچھ کہتی ایک پجاری اُسے مستقبل سے متعلق دیوتاؤں کی طرف سے ایک پیغام کے طور پر بیان کر دیتا۔

قدیم معاشروں نے اکثر مستقبل کا علم اُس گروہ کے ایک رکن سے حاصل کیا ہے جن کے بارے میں یقین تھا کہ انہیں دیوتاؤں نے اپنے اختیار میں لے رکھا ہے۔ سائبیریا کے لوگوں میں اس شخص کو "شامن" (Shaman) کہا جاتا تھا جبکہ لفظ "شامن" کو "پجاری" یا "ساحر" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے حقیقی معنی اُس سے متعلقہ ہیں جسے دیوتاؤں نے اپنے قبضہ میں لیا ہو اور اس کے پیغامات لوگوں تک پہنچاتا ہو۔

ٹیبو:

قدیم طرز زندگی میں کچھ ایسے افعال تھے جن سے گریز کرنا چاہیے تھا' مبادا عالم ارواح کسی شخص یا گروہ پر مضر اثرات ڈالے۔ یہ ممنوع افعال پولینیشیائی لفظ ٹیبو (Tabu) سے جانے جاتے ہیں۔ عام طور پر بنیادی معاشروں میں مقدس افراد' مقامات اور اشیاء ایک عام شخص کے لیے ٹیبو سمجھی جاتی ہیں۔ مذہبی مناصب سے محروم شخص کو سرداروں' پادریوں' مقدس مقامات' طلسماتی قوتوں کی حامل اشیاء اور اسی طرح دوسری چیزوں سے گریز کرنا پڑتا' ماسوائے بہت خاص مواقع یا خاص تقریبات کے۔ قدیم معاشروں میں کوئی شخص سردار کے آدمی کو چھو سکتا اور نہ شدید خوف کے بغیر مقدس مقامات میں داخل ہو سکتا۔ جو ان قبائلی ٹیبوز سے اختلاف کرتا اُسے شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ یہودیوں کی بائبل میں ہمیں ایسے واقعات ملتے ہیں جب لوگ جانتے بوجھتے یا حادثاتی طور پر اتفاقاً ٹیبوز توڑتے ہیں۔ سلاطین (دوم) باب دوم آیۃ 23 تا 25 میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جب لڑکوں نے الیشع پیغمبر کا تمسخر اڑایا اور اس پر طنز کیے جس کے نتیجے میں دو ریچھنیوں نے ان لڑکوں کو پھاڑ ڈالا۔ سموئیل (دوم) باب چھٹا آیۃ ایک تا سات میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جس نے الواح موسیٰ کے صندوق کو محض چھوا تاکہ اسے بیل گاڑی کی ٹھوکر سے محفوظ رکھ سکے؛ اس خطا کے نتیجے میں خدا نے اُسے مار ڈالا۔ یسعیاہ میں باب 7 ایک نوجوان شخص یسعیاہ کی پکار اور شدید خوف و دہشت کا ذکر کرتا ہے جب وہ یہواہ کے مقدس مقبرے میں داخل ہوا جو کہ ایک ٹیبو تھا۔ دوسری بہت سی ثقافتوں میں بادشاہ کی ذات اس قدر مقدس ہے کہ بسوائے خصوصی دعوت نامے کے اس کے سامنے پیش ہونے کو ٹیبو سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دور

حاضر میں جاپانی لوگ ابھی تک شہنشاہ کے چہرے کی طرف' حتیٰ کہ جب وہ شہر کی گلیوں میں گشت کر رہا ہو' دیکھنے کو ٹیبو خیال کرتے ہیں۔

کئی اور بھی مثالیں ہیں۔ قدیم معاشروں میں جڑواں بچوں کے نایاب ہونے کی بناء پر انہیں ٹیبو سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جڑواں بچوں کی پیدائش پر یا تو انہیں مار دیا جاتا یا جلاوطن کر دیا جاتا۔ ان کے ساتھ خصوصی مقدس انسانوں جیسا سلوک روا رکھا جاتا۔ مُردوں کو اکثر ٹیبو تصور کیا جاتا ہے۔ بہت سی تہذیبوں میں مُردوں کو دفنانا کم از کم کچھ عرصہ تک رسوماتی اعتبار سے ناپاک خیال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو حیض کے دنوں میں عموماً بار ٹیبو سمجھا جاتا ہے اور انہیں باقی گروہ سے الگ گھروں میں رہنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ بہت سی تہذیبوں نے خوراک میں بھی ٹیبوز قائم کر لیے ہیں۔ خاص قسم کی خوراک مثلاً سئور کا گوشت' گائے کا گوشت اور شیل مچھلی کو ایک خاص طبقہ کے افراد رسوماتی اعتبار سے ناپاک اور ٹیبو سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے ذات پات کے نظام میں کچھ کھانے کی اشیاء چند ذاتوں کے لیے مکمل طور پر قابل قبول ہیں جبکہ دوسری ذاتوں کے لیے بالکل منع ہیں۔

ٹوٹم:

بعض قدیم مذاہب میں ایک اور رجحان ٹوٹم ازم ہے۔ ٹوٹم ازم کو پہلی مرتبہ اٹھارھویں صدی کے سفید فام لوگوں نے شناخت کیا جب انہوں نے امریکی انڈین میں اس رجحان کو دیکھا۔ دنیا کے دیگر علاقوں میں دوسرے قدیم معاشروں میں بعد ازاں ٹوٹم ازم کا رجحان ہوا۔ لفظ ٹوٹم اوجبوا (امریکی انڈین باشندوں کی زبان) لفظ اوٹوٹیمن (Ototeman) کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

ٹوٹم ازم بدیہی طور پر اُس تعلق پر مبنی ہے جو انسانوں اور دوسری مخلوقات یا فطرت کے مظاہر کے مابین موجود ہے۔ دراصل یہ ارواح پرستی کی توسیع اور اظہار ہے۔ عموماً اسے قبیلے یا ایک نسلی گروہ اور ایک حیوان کے درمیان شناخت کی کسی شکل سے تعبیر کیا جاتا ہے' اگرچہ دنیا کے کچھ حصوں میں ٹوٹم کو سیاروں یا حتیٰ کہ سورج' چاند اور ستاروں سے شناخت کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک قبیلے کا خیال ہو سکتا ہے کہ

بنیادی طور پر ریچھ سے ہے۔ ریچھ شاید اُس قبیلے کا جد امجد ہو' وہ قبیلہ شاید ریچھ کی خصوصیات (طاقت' غصب ناکی' یا حجم) کا حامل ہو یا اُس قبیلے کے افراد کا اعتقاد ہو کہ موت کے بعد انہیں ریچھ کی شکل دے دی جائے گی۔ اگر ریچھ اُس قبیلے کا ٹوٹم ہو تو لوگ اُسے اپنے دفاع یا نہایت مقدس مواقع کے سوا کھاتے اور نہ مارتے ہوں گے۔ ان مواقع پر وہ اس کے گوشت کو تقریباتی کھانے میں کھاتے ہوں گے تاکہ وہ قبیلے کو آپس میں زیادہ قریب کر سکے۔ ایک دوسرے قریبی قبیلے کے افراد جن کا ٹوٹم شاید ہرن ہو ممکن ہے کہ وہ ریچھ کا شکار کرتے ہوں اور اسے کھاتے ہوں' جبکہ پہلے قبیلے کے افراد ہرن کا شکار کھاتے ہوں۔

انتہائی ترقی یافتہ معاشروں میں' جو اگرچہ واضح طور پر اور مذہبی لحاظ سے ٹوٹم ازم سے وابستہ نہیں' ابھی تک اس رسم کی یادگاریں باقی ہیں۔ اقوام کو حیوانات جیسے عقاب' ریچھ یا شیر کی علامات دی جاتی ہیں اور سکول اپنی اتھلیٹک ٹیموں کے ولولے کی علامت کے طور پر مبارک نشان منتخب کرتے ہیں۔ کچھ نہایت ترقی یافتہ مذاہب میں اب بھی مقدس مواقع پر جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ وہ اپنی برادریوں کو باہم متحد کرنے اور قدیم اقرار ناموں کی تجدید کی خاطر مقدس جانور کا گوشت کھاتے ہیں۔

قربانی:

دنیا کے تمام قدیم اور جدید مذاہب میں قربانی سب سے زیادہ مشترک وظائف میں سے ایک ہے۔ پوری تاریخ میں لوگوں کو دیوتاؤں' روحوں' بدروحوں اور آباء و اجداد کے لیے تقریباً ہر قابل تصور چیز کی قربانی دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اکثر قربانیاں حیوانات کی ہوتی ہیں جنہیں ذبح کیا جاتا ہے اور پھر دیوتاؤں کے سامنے پکایا اور کھایا جاتا ہے۔ تاہم' ہر قابل قدر چیز کی قربانی بھی کی جاتی ہے۔ لوگوں نے گندم' شراب' دودھ' پانی' لکڑی' اوزار' ہتھیار اور زیور دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائے ہیں۔ بعض اوقات مذاہب انسان کی قربانی کا مطالبہ کرتے ہیں مگر ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ عموماً قربان کیا جانے والا انسان کسی جنگ میں قید ہو جانے والا دشمن ہوتا ہے' لیکن اکثر اوقات وہ پیارا بچہ یا نوجوان انسان ہوتا ہے جسے خصوصاً قربانی کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ انسانی قربانی کا

ذکر مذہبی ادب میں شاذ ہی ملتا ہے اور اسے دیوتاؤں کو مائل کرنے کا انتہائی مگر موثر طریقہ خیال کیا جاتا ہے۔

قربانی کے عمل کو کئی معانی دیئے جا سکتے ہیں۔ درحقیقت اسے غالباً عالم ارواح کی رہاشیوں کو خوراک پہنچانے کا ذریعہ تصور کیا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ روحوں کو بھی انسانوں ہی کی طرح خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحوں کو کوئی کیسے خوراک کھلا سکتا ہے؟ شاید ایک انسان پانی' شراب اور دودھ زمین پر پھینک دیتا ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ جب یہ مادہ جذب ہو جاتا ہے تو روحیں اسے پی رہی ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی مقدس مقام پر خوراک رکھ دے اور اندازہ لگائے کہ جب خوراک غائب ہو جائے تو وہ دیوتاؤں کو پہنچ چکی ہے۔ یا کوئی شخص گوشت یا دانے جلائے اور دیوتا اس نذرانے کے دھوئیں کو اپنے اندر کھینچ لیتے ہیں۔ لہٰذا عالم ارواح عالم انسانی کے ذریعہ قائم ہے اور اس پر مہربانی کرتا ہے۔

دوسرے وقتوں میں قربانی کو صرف عالم ارواح کے لیے ایک قسم کا نذرانہ سمجھا جاتا ہے۔ ہتھیاروں' زیور' پیسے اور تمباکو تک کو روحوں کے لیے مقدس مقامات پر ایسا انسان چھوڑ سکتا ہے جو روحوں کی حمایت یا محض انہیں ضرر پہنچانے سے گریز کرنے کا خواہشمند ہو۔

بعض بنیادی مذاہب میں قربانی روحوں اور نوع انسان کے درمیان بندھن قائم کرنے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ پرستش کرنے والا شخص مقدس مقامات پر خوراک لاتا' دیوتاؤں کے لیے اُس کا ایک حصہ جلاتا اور پھر ایک حصہ کھا لیتا ہے یا اپنے قبیلے کے ساتھ تقسیم کر لیتا ہے۔ یوں روحیں اور زندگی بسر کرنے والے اکٹھے کھانا بانٹتے ہیں اور ان کے بندھن کی تجدید اور مضبوطی ہوتی ہے۔

مختلف مراحل زندگی کی رسوم:

قدیم معاشروں کے مابین ایک اور تقریباً عالمگیر دستور فرد کی زندگی میں اہم مواقع پر خاص رسومات کی ادائیگی ہے۔ انہیں ایک مرحلے سے دوسرے کی طرف عبور کا نام دیا جاتا ہے۔ عام طور پر اہم واقعات۔ زندگی پیدائش' آغاز بلوغت' شادی اور موت

ہیں۔ جدید معاشروں میں رسومات پیدائش بہت اہم ہیں۔ عموماً یہ ختنہ' بپتسمہ اور اسی طرح دیگر مواقع ہیں۔ شیر خوار کو سرکاری طور پر برادری کے رکن کی حیثیت دے دی جاتی ہے۔ اُس کا نام رکھا جاتا ہے اور کم از کم اس گروہ کے مذہب میں علاقائی طور پر داخل کر لیا جاتا ہے۔

قدیم معاشروں میں بہت تعداد میں بچے آغاز بلوغت سے پہلے مرجاتے ہیں اور یوں یہ آغاز بلوغت ہی ہے جس پر معاشرہ بھاری ترین قرض ادا کرتا ہے۔ بلوغت میں داخلے کی رسوم سے پہلے معاشرے کے بنیادی علم کی تربیت دینے کا ایک دورانیہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زندہ رہنے کے فنون' شکار' کھیتی باڑی' آگ جلانا وغیرہ بھی سکھائے جاتے ہیں۔ آغاز بلوغت کے مرحلہ پر بچے کو کسی آزمائش میں ڈالا جا سکتا ہے۔ کچھ امریکی انڈین لوگوں میں بچوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک اپنے خاندان سے الگ رہیں' روزے رکھیں اور روحوں سے بصیرت حاصل کریں۔ دوسرے قدیم معاشروں میں بچوں کو سفید پینٹ کر دیا جاتا یا کوئی دوسرا بہت نمایاں نشان دے دیا جاتا اور تنہا رہنے کے لیے بھیج دیا جاتا جب تک کہ وہ پینٹ یا نشان غائب نہ ہو جاتا۔ اس دوران اُن سے توقع رکھی جاتی کہ وہ اپنی زندگی گزارنے کے انتظام مکمل طور پر خود کریں۔ بلاشبہ بہت سے بچے یہ عرصہ گزارنے کے لیے خوش قسمت یا ماہر نہیں ہوتے۔ جو زندہ رہتے اور لوٹ آتے انہیں معاشرے میں مکمل طور پر بلوغت میں داخل کر لیا جاتا۔ اس فرد کا ختنہ کیا جاتا یا کوئی دوسرا شناختی نشان مثلاً چہرے پر کھرونچیں دے دیا جاتا۔ ان رسومات کے دوران اس نوجوان کو خصوصاً مذہبی روایات' اسرار اور معاشرے کی حکمت عامہ کے بارے میں ہدایات دی جاتیں۔ اس کے بعد اُسے اُس گروہ کے ایک مکمل بالغ[1] رکن کی حیثیت دے دی جاتی۔ زیادہ جدید معاشروں میں بلوغت میں داخلے کی رسوم کا بچا کھچا حصہ عیسائی نوجوانوں کے لیے بپتسمہ اور یہودی جوان افراد کے لیے "بَت مِتزواہ" یا "بار مِتزواہ" ہے۔

دوسرے اہم مواقع جن میں مذہبی رسومات اور علامات اہم ہیں وہ شادی اور

---

[1] ان رسومات کی مثال امریکی انڈین اور افریقی مذاہب کے باب میں ملاحظہ کریں۔

موت ہیں۔ تقریباً ہر مذہب میں شادی کا تہوار کسی نہ کسی قسم کی زرخیزی کی رسومات یا مذہبی معاملوں کی مکمل توجہ کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس طرح موت کے مرحلے پر مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں--- موت اور تدفین دونوں موقعوں پر۔

اجداد پرستی:

قدیم مذاہب کی ایک آخری خصوصیت خاندان کے ہلاک شدہ ارکان کی پرستش ہے۔ ٹیلر نے نظریہ پیش کیا کہ قدیم لوگ اپنے رخصت ہو جانے والے عزیزوں اور دوستوں کے خواب دیکھتے اور پھر یہ اخذ کر لیتے ہیں کہ وہ حقیقتاً مرے نہیں بلکہ محض ایک اور دنیا میں زندہ ہیں۔ آیا یہ مذہب کے آغاز کا موقع تھا یا نہیں' یہ محض قیاس آرائی ہے۔ تاہم' قدیم مذاہب کے متعلق معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ مردہ کم از کم کچھ عرصہ کے لیے کس شکل میں زندہ رہتا ہے' اور یہ کہ مردہ زندہ لوگوں کو مدد یا اذیت پہنچا سکتا ہے۔

یہ لوگ اس شر کے شدید خوف میں مبتلا ہیں کہ مردے اکثر خود کو زندہ لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لیے قبروں سے لوٹ آنے سے محفوظ رکھنے کے لیے بہت دکھ سہتے ہیں۔ جسموں پر بڑے بڑے پتھر رکھ کر یا ان کی چھاتیوں میں کھونٹیاں گاڑ کر دفن کیا جاتا۔ بدیہی طور پر انہیں آوارہ گھومنے سے روکنے کے لیے ایسا کیا جاتا۔ کچھ قدیم معاشروں میں متوفیوں کے نام کچھ عرصہ کے لیے عام استعمال نہیں کیے جاتے اور جن گھروں میں ان کی موت واقع ہوتی انہیں جلا دیا جاتا تاکہ وہ واپس نہ آ سکیں۔

انہی وقتوں میں لوگ یہ محسوس کرتے ہوئے بھی نظر آتے کہ مردہ زندہ کو نفع پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا مُردوں کو خوش کرنے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ ان کے ساتھ ان کی تمام مملوکہ اشیاء' اوزار' ہتھیار' مرغوب غذائیں' زیور اور بعض اوقات یہاں تک کہ ان کی بیویاں اور غلام بھی قبر میں بھیج دیئے جاتے۔ قبروں اور مقبروں کو سجایا گیا اور مُردوں کو آرام پہنچانے کی غرض سے ان کا بے حد خیال رکھا جاتا۔ قدیم چینی لوگوں میں قبریں ہر سال دوبارہ بنائی جاتیں اور خوراک' مشروب' پھول اور یہاں تک کہ کمبل کے نذرانے بھی مُردوں کو آرام کی غرض سے پہنچائے جاتے۔ غالباً قدیم چینی

لوگوں سے زیادہ کسی قوم کے لوگوں نے متوفیوں کو آرام پہنچانے کے لیے اس قدر کوشش نہیں کی۔ ان کا اصل مقصد اپنے آباء و اجداد کی یاد کو ان کے ناموں اور سوانحات کے ذریعہ زندہ رکھنا اور اس معلومات کو اگلی نسل تک پہنچانا تھا۔

==========

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Eliade, Mircea. *The Sacred and the Profane.* Translated by Willard Trask. New York: Harper Torchbooks, 1961.

2) Frazer, Sir James. *The New Golden Bough.* Abridgment by Theodore H. Gaster. New York: Criterion Books, 1959.

3) Freud, Sigmund. *The Future of an Illusion.* Translated by W. D. Robinson–Scott. Garden City, N. Y.: Doubleday, 1964.

4) Malinowski, Bronislaw. *Magic, Science and Religion,* and Other Essays. Boston: Beacon Press, 1948.

5) Otto, Rudolf. *The Idea of the Holy.* Translated by John W. Harvey. London: Oxford University Press, 1948.

دوسرا باب

امریکی انڈین مذاہب

موجودہ امریکی انڈین تحریک نے معاصر مقامی امریکی باشندوں کی کیفیت اور ساتھ ہی ان کی ثقافت' مذاہب اور امریکی تاریخ میں ان کی شراکت میں دلچسپی پیدا کی ہے۔ ان کے ورثہ کے تقریباً ہر دوسرے پہلو کے ساتھ مقامی امریکیوں کے مذاہب کو بری طرح پیش کیا اور سمجھا گیا ہے۔

ہالی وُڈ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ان لوگوں کے مذہب کا تعلق "عظیم روح" اور کبھی کبھار "اچھی شکار گاہ" سے ہے۔ جبکہ امریکی انڈین کے لیے غیر مرئی عالم روح کے ساتھ تعلق نہایت اہم ہے۔ اصطلاحات "عظیم روح" اور "اچھی شکار گاہ" تقریباً مکمل طور پر گھڑی ہوئی ہیں۔ بہت سے امریکی انڈین قبائل بنیادی طور پر طرز زندگی میں زرعی تھے اور ایک شکار گاہ میں ابدیت ان کے لیے بے معنی تھی۔

امریکی انڈین مذاہب کے حوالے سے ایک اور مشہور غلط فہمی ایسی ادویات کے استعمال کے بارے میں تھی جو مخبوط الحواس کر دیتی ہیں۔ کارلوس کاستینیڈا کی حالیہ کتب ایک کیکٹس (Peyote) اور مخبوط الحواس کر دینے والی ادویہ کے استعمال کو عالم ارواح کے سمجھنے کے ذریعہ پر زور دیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ایسی منشیات کا استعمال امریکی انڈین مذاہب میں بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔ تاہم' مخبوط الحواس کر دینے والی منشیات کا استعمال بہت محدود تھا' مقدس

پائپ اور تمباکو کا استعمال ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

ہمیں مقامی امریکیوں کے مذہب کے بارے میں بات کرتے ہوئے آگاہ ہونا چاہیے کہ ہم پتھر کی نسل کے بارے میں بات نہیں کر رہے۔ یہ لوگ جنہیں ہم امریکی انڈین کے طور شناخت کرتے ہیں پندرہ ہزار سے بیس ہزار سال پہلے اس براعظم پر پہنچے۔ اُس وقت سے وہ امریکہ کے تقریباً ہر کونے میں رہ چکے ہیں۔ وہ بہت سی مختلف فضاؤں میں بہت مختلف طرز زندگی کے ساتھ رہے ہیں--- محض شکار' شکاری اور معاشرتی گروہوں کے علاوہ جدید زرعی معاشروں میں بھی 1800ء کے بعد جب انڈین کو گھوڑا مہیا ہو گیا تو بنیادی طور پر زرعی معاشرے کے بہت سے قبائل امریکی زمینوں کی طرف نقل مکانی کر گئے اور امریکی بھینسے کی تلاش پر مبنی نئے طرز زندگی کو پروان چڑھایا۔ اتنے طویل دورانیہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور اتنے مختلف طرز زندگی اور معاشروں کے مابین ایک "امریکی انڈین مذہب" پر بات کرنا ناممکن ہے۔

ان مذاہب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں اپنے وسائل کی قلت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے۔ ہمارے پاس تقریباً بیس ہزار سال پر مشتمل امریکی انڈین زندگی کے محض آخری چار سو سال تک کی ادبی شہادتیں موجود ہیں۔ یہ تحریریں ہم تک وقتاً فوقتاً عیسائی مبلغین کے ذریعہ پہنچیں جو انڈین مذاہب کے ساتھ کم ہی ہمدرد تھے۔ جو ذرائع مبلغین کے مہیا کردہ نہیں وہ غالباً پچھلے ایک سو سال یا کچھ زیادہ عرصہ سے تعلق رکھتے ہیں--- یعنی انڈین کا رابطہ مغربی تہذیب' اس کے مذہب اور ٹیکنالوجی کے ساتھ ہونے کے بعد سے۔ اپنے ادبی ذرائع کے علاوہ ہم سفید فاموں کے ساتھ رابطے سے قبل کے انڈین مذاہب کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہیں اس کی بنیاد آثار قدیمہ کی تحقیق پر ہے۔ چونکہ انڈین قبائل کی اکثریت ادب سے بے بہرہ تھی اس لیے یہ ذرائع بھی محدود ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم اس موضوع کے اپنے "علم" کے متعلق محتاط انداز میں بات کریں۔

امریکی انڈین مذاہب کو بیان کرنے کے لیے ہمارے پاس دو اہم انداز موجود ہیں: یا تو ہم تاریخ کے کسی ایک زمانے میں کسی قبیلے کے مخصوص مذہب کو بیان کر سکتے ہیں یا پھر دستیاب معلومات کے مطابق بحیثیت مجموعی مقامی امریکیوں کے مذہبی نقطۂ نظر کے

بارے میں بیانات جاری کر سکتے ہیں۔ ہم زیر نظر کتاب میں دوسرا انداز اپنائیں گے۔ ذیل میں کچھ ایسے عناصر دیئے جا رہے ہیں جو ہمیں معلوم تقریباً سبھی امریکی انڈین مذاہب میں ملتے ہیں۔

ارواح پرستی:

انڈین اور سفید فاموں کے فطرت کے بارے میں رویہ کے درمیان تضاد پر بہت کچھ مبنی ہے۔ عموماً یہ دلیل دی جاتی ہے کہ انڈین کا رویہ زمین' اس کے درخت' پہاڑ اور اس کی ندیوں کی طرف تکریمی ہے جبکہ سفید فام لوگ فطرت کو (اپنے حوالے سے) تصرف میں لائی جانے والی چیز سمجھتے ہیں۔ یوں سفید فام ٹیکنالوجی تعمیر کرنے کے لیے خوبصورتی اور یہاں تک کہ زمین کی زندگی کو قربان کرنے پر رضامند تھے جو عارضی طور پر زندگی کو اُن کے لیے زیادہ آرام دہ اور خوشگوار بنا دیتی۔ آیا یہ ایک بالکل درست بیان ہے یا نہیں' اور آیا سفید فاموں نے یہ رویہ یہودی عیسائیت سے ورثہ میں حاصل کیا ہے یا نہیں --- اندازوں کا معاملہ ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ امریکی انڈین فطرت کی طرف تکریمی رویہ رکھتے ہیں۔

جب "ارواح پرستی" کی اصطلاح امریکی انڈین پر لاگو ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے ذی روح اور غیر ذی روح دنیا کے درمیان کوئی واضح فرق نہیں تھا جو دوسری تہذیبوں میں نظر آتا تھا۔ انڈین کے لیے ساری فطرت زندہ اور ذی روح تھی۔ لہٰذا درخت' دریا' مٹی اور حتیٰ کہ زمین کے پتھروں کے بارے میں بھی یقین کیا جاتا تھا کہ وہ زندگی کی کوئی شکل رکھتے ہیں جو نوع انسانی کے لیے مددگار یا ضرر رساں ہو سکتی ہے۔ بحرالکاہل کے جزائر کے مقامی باشندوں کے ہاں (جن کے فطرت کے بارے میں خیالات امریکی انڈین لوگوں سے ملتے جلتے ہیں) اس قوت کا نام "مانا" ہے۔ مانا کو اچھائی یا برائی کے طور پر نہیں لیا جاتا بلکہ یہ طریقہ استعمال کے مطابق انسان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ فطرت میں موجود قوتوں کے بارے میں امریکی انڈین کا رویہ ویسا ہی ہے جیسا جدید لوگوں کا بجلی کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قوتیں غیر مرئی ہیں اور اگر ان قوتوں کو مناسب طریق سے استعمال کیا جائے تو یہ مددگار بھی ہو سکتی ہیں; اگر انہیں مناسب

طریقہ سے استعمال نہ کیا جائے تو یہ انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔

لہٰذا مقامی امریکی باشندے فطرت کو نوع انسانی کو مطیع کرنے کے لیے مطلق دیوتا کی تخلیق نہیں مانتے۔ بلکہ فطرت کو کثیر روحوں کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو امن سے رہنا چاہیے۔ اس طرح اُن کی ساری زندگی مذہبی فطرت کی حامل تھی۔ شکار ایک مذہبی پیشہ تھا جس میں جانور کی ہلاکت اور چیرپھاڑ ہی مقصد نہ تھا بلکہ حیوان میں بھی شکاری کی طرح روح موجود تھی۔ لہٰذا شکار سے پہلے انڈین لوگ خود کو مذہبی طور پر تیار کرتے تھے۔ شکاری شکار کیے جانے والے جانور کی روح کے لیے دعا کیا کرتے۔ انہوں نے خود کو تباہی سے محفوظ رکھنے کے لیے مخصوص ٹیبوز کی پابندی کی۔ شکار سے متعلقہ ایک بہت عام ٹیبو خصوصاً حائضہ عورتوں کے خلاف تھا۔ کچھ قبائل میں یہ اعتقاد پایا جاتا تھا کہ اگر کسی حائضہ عورت نے اتفاقاً بھی کسی شکار کرنے والے ہتھیار کو چھو لیا یا شکاری پارٹی کے راستے میں سے گزر گئی تو شکار ضائع ہو جائے گا۔ شکار کے دوران صرف ان جانوروں کو مارا جاتا جن کی ضرورت ہوتی۔ شکار کے بعد جانور کے جسم کا کوئی بھی حصہ ضائع کیے بغیر کسی طریقہ سے استعمال کر لیا جاتا۔ کچھ قبائل میں اگلے شکار میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے ہڈیوں کی خصوصی حفاظت کی جاتی۔

صرف شکار ہی مذہبی رسومات اور تیاریوں سے آراستہ مقدس پیشہ نہ تھا بلکہ مقامی امریکیوں اور فطرت کے درمیان تقریباً ہر دوسرا رشتہ اسی طرح مذہبی تھا۔ پودے لگانا اور کاشت کرنا بھی امتناعی رسومات سے گھرا ہوا تھا، حتیٰ کہ برتن سازی کے لیے چکنی مٹی اکٹھا کرنے کو بھی فطرت کی ارواح پرستانہ واقفیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جنوبی اریزونا کی پاپاگو عورتیں برتنوں کے لیے کھودی گئی مٹی سے مخاطب ہوتیں، "میں نے صرف وہی لیا جس کی مجھے ضرورت ہے۔ یہ میرے بچوں کے پکانے کے لیے ہے۔"[1] اگر ممکن ہوتا تو زمین سے چکنی مٹی کھودنے والی عورت ایک چھوٹا سا تحفہ وہاں چھوڑ جاتی۔ فطرت کے بارے میں ایک ایسا ہی رویہ امریکی انڈین کے ہاں بھی ظاہر ہوتا ہے جب وہ درخت کاٹتے ہیں۔ انڈین قبیلے فاکس کے ایک فرد نے کہا:

---

[1] "Red Man's Religion" مصنف Ruth M. Underhill (1965) صفحہ 116۔

"ہم درختوں کو نقصان پہنچانا پسند نہیں کرتے' جب ایسا کرنا پڑے تو ہم ہمیشہ درخت گرانے سے پہلے انہیں تمباکو کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ہم لکڑی کو ہرگز ضائع نہیں کرتے بلکہ جو کاٹتے ہیں وہ سب استعمال کر لیتے ہیں۔ اگر ہم ان کے جذبات کا خیال نہ رکھیں تو جنگل کے باقی تمام درخت رو پڑیں گے اور ہمارے دل بھی غمگین ہو جائیں گے۔"[1]

فطرت کے بارے میں امریکی انڈین لوگوں کے تکریمی رویے اور اسکے برخلاف سفید فام لوگوں کے رویے کا بہترین خلاصہ ایک انڈین کے الفاظ میں یوں کیا جاسکتا ہے:

"سفید فام آدمی کا کام روح اور جسم کو سخت بنا دیتا ہے۔ نہ ہی سفید فام لوگوں کی طرح زمین کو چیرنا پھاڑنا درست ہے۔ ہم آزادانہ پیش کیے گئے تحائف لے لیتے ہیں۔ ہم دھرتی کو اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچاتے جتنا ایک شیر خوار کی انگلیاں اپنی ماں کی چھاتی کو نقصان پہنچاتی ہیں۔"[2]

دنیائے روح پر اختیار:

ارواح پرست کائنات کو مذہبی مثلاً یہودیت یا اسلام کے ڈھانچے میں ایک دیوتائے مطلق کے اختیار کے حوالے سے نہیں دیکھتے۔ نہ ہی وہ دنیا کو ایک عبادت گاہ میں کئی خداؤں کے تحت دیکھتے ہیں' جیسا کہ بہت سے مشرقی مذاہب یا یونانی رومی نظریات میں نظر آتا ہے۔ ارواح پرست بہت سے دیوتاؤں اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کو باقی سب سے اعلیٰ دیوتا کے طور پر تسلیم کرتے ہوں' لیکن یہ دیوتا ان کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ ارواح پرستی کا بنیادی تعلق کثیر روحوں کے مابین روزمرہ زندگی سے ہے جو دنیا کو بناتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مقامی امریکیوں نے ایک قسم کی "عظیم روح" یا "عظیم پراسراریت" کو شناخت کیا ہو لیکن ان کی زیادہ مذہبی توجہ ان کے اور جنگلوں' ندیوں' پہاڑوں اور میدانوں کی کثیر ارواح کے درمیان اچھے تعلق کی طرف

---

[1] "Ethnography of the Fox Indians" مصنف William Jones (1939) ص21

[2] "The Ghost–Dance Religion and the Sioux Outbreak of 1890." مصنف 'James Mooney' (1896) ص 724

مبذول تھی۔ دوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے جانور یا انسان کو قربان کرنے کی تقریباً ہمہ گیر رسم زیادہ تر امیکی انڈینز کے مذاہب سے غیر حاضر تھی۔

"شمالی امریکہ میں حتیٰ کہ حیوانات کی قربانی بھی نہ تھی۔ دھرتی ماں اس کا مطالبہ نہیں کرتی تھی۔"[1] شاید امریکی انڈین کی حیوانی روح نے محسوس کیا کہ روحوں کے لیے بہایا جانے والا انسانی یا حیوانی خون ضائع جائے گا۔ کسی بھی وجہ کی بناء پر مشرقی اور مغربی دنیاؤں کے بہت سے مذاہب کی عظیم خونی قربانیاں بہت سے امریکی انڈین مذاہب میں عموماً ناپید تھیں۔

ٹیبوز:

دنیائے روح سے نازل ہونے والی کسی بھی برائی سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے مقامی امریکیوں کا ایک طریقہ ٹیبوز کی پابندی تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' سب سے عام ٹیبو حائضہ عورت سے متعلق تھا۔ بہت سی ثقافتوں میں عورت کو اچھائی یا برائی کی خصوصی قوتوں کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے' لیکن حائضہ عورت خصوصاً طاقتور ہوتی ہے۔ یہی وہ عرصہ ہے جب وہ پیدائش کے معجزہ میں شریک ہو سکتی ہے اور یہ ایسی قوت ہے جسے کوئی مرد حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس عرصہ میں حائضہ عورت کو قبیلے سے الگ رکھا جاتا۔ کچھ برادریوں میں اسی سے اپنا خاندان چھوڑنے اور ایک خاص جھونپڑی میں رہنے کا مطالبہ کیا جاتا۔ اس عرصہ میں وہ شکار کے لیے جادوئی ضرورت کو خصوصاً تباہ کر سکتی تھی اور اس لیے شکاری اس سے گریز کرتے تھے۔ مقامی امریکیوں کا اعتقاد تھا کہ کسی حائضہ عورت کی ایک نگاہ بھی مرد کی شکار کرنے کی صلاحیت کو باقی تمام زندگی کے لیے تباہ کر سکتی تھی اور یہ کہ وہ شکار کے ہتھیاروں کے جادو کو ختم کر سکتی تھی; نیز یہ کہ جنگل میں اس کی موجودگی شاید اس کھیل کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے۔

امریکی انڈین میں ایک اور اہم ٹیبو مُردوں سے گریز تھا جن سے وہ خوفزدہ رہتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ مردہ شخص کو زندگی میں کس

---

[1] "Red Man's Religion" مصنف Underhill' ص 48

قدر محبوب رکھا جاتا تھا' موت کے بعد یہ خوف محسوس کیا جاتا تھا کہ روحیں اپنے سابقہ مسکن کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں اور شاید متوفی کے دوستوں اور خاندان کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مردہ اشخاص کی روحیں برے خوابوں کے ذریعہ اُن کے خاندانوں کو دکھ پہنچا سکتی ہیں۔ لہٰذا مُردوں کو یا تو دفن کر دیا جاتا یا جلا دیا جاتا اور ان کی واپسی سے محفوظ رہنے کے لیے ہر اقدام کیا جاتا۔ مُردے کو درہم برہم کرنے کے لیے اقدامات کیے جاتے تاکہ وہ اپنے سابق مساکن کو شناخت نہ کر سکے' اور کبھی کبھی تو وفات کے کئی سال بعد تک بھی ان کے نام لینا منع تھا۔ انہیں قریبی رشتہ داروں کی بجائے قبیلے کے مخصوص ارکان دفن کرتے اور ان کی لاش ٹھکانے لگانے والوں کو ایک مدت تک رسمی طور پر ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ اُنہیں غالباً دس دن تک قبیلے سے الگ کر دیا جاتا اور قبیلے کی باقاعدہ خوراک بھی نہ کھانے دی جاتی۔ لہٰذا مُردے اور اُسے ٹھکانے لگانے والوں کو وسیع پیمانے پر ٹیبو تصور کیا جاتا تھا۔

رُسوم:

ٹیبوز کی پابندی کے ساتھ ساتھ امریکی انڈین روحوں کی متلون قوتوں کو رسوم کے ساتھ قابو کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسرے کئی مذاہب کی مانند مقامی امریکی انڈین کے لیے رسوم نہایت اہم ہیں۔ ان تقاریب' رسوم اور رقص کا مقصد عبادت کے لیے ضروری نہیں بلکہ انسان اور دنیائے روح کے مابین شراکت کی تجدید کرنے کا ذریعہ تھا۔ وقفے وقفے سے وہ رقص' روزے' آزمائشوں سے گزرنے' نہانے اور ٹیبوز کی پابندی کرنے میں حصہ لیتے۔

امریکی انڈین مذاہب میں ایک نہایت عمومی عنصر رقص کا استعمال تھا جو زندگی میں کسی خاص واقعہ کے لیے تیاری میں دنیائے روح سے رابطہ رکھنے کا ذریعہ تھا۔ رقص ایک ایسا موقع تھا جس میں پُوری برادری شریک ہوتی تھی۔ اسے قبیلے کو شکار یا زرعی موسم یا جنگ کے لیے تیار ہونے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسے بارہا اہم رسومات اور قبیلے کے کسی فرد کی مرگ پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ موقع خواہ کوئی بھی ہوتا' رقص کو عموماً گیت' ڈھول کی تھاپ اور کھڑتالوں کے ساتھ پیش کیا جاتا۔ گیت خواہ محض چند

سطروں پر مشتمل ہوتا لیکن ان سطروں کو بار بار دہرایا جاتا۔ ڈھول کی تھاپ شاید بہت سے لوگوں کی چھڑیوں کے ساتھ لکڑی کے تنے پر تھاپ سے زیادہ نہ ہو' لیکن گیت کے وقت اور لے کا تاثر مسحور کن تھا اور حصہ لینے والوں کو دنیائے روح کے ساتھ رابطے کے لیے تیار کرتا تھا۔

امریکی انڈینز' جن کی گذر اوقات شکار پر منحصر تھی' کے مابین رسوم شکاریوں کو اپنے کام کے لیے تیار کرتی تھیں۔ زراعت کی طرح شکار اپنی متلون فطرت کے باعث اعلیٰ مذہبی معاشروں کی ترقی پر مائل ہے۔ ایک موسم میں شاید شکاری آگے تک جائے اور بکثرت شکار حاصل کرے۔ انہیں اپنے ہتھیار زیادہ درست اور موثر لگتے ہیں۔ اگلے موسم میں یہی شکاری شاید اپنے شکار کو مشکل پائیں اور انہیں اپنے ہتھیار ناکارہ محسوس ہوں۔ تاہم' حیوانوں اور شکاریوں کی اپنی روحوں کو اپنے ہتھیاروں سمیت کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے شکار کے لیے مناسب طریق پر تیار رہنا چاہیے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ کرومینینی مقام سے فرانس کی غاروں کی تصاویر شکار میں کامیابی کو یقینی بنانے کی کوشش میں مارے جانے والے شکار کی عکاسی کرنے کے لیے قدیم شکاریوں کی کاوشیں ہیں۔ مزید برآں' مقامی امریکی' جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں' اپنے ہتھیاروں کو خصوصی رسومات کے ساتھ تیار کرنے میں عورتوں خصوصاً حائضہ عورتوں کو اپنے ہتھیار چھونے کی اجازت نہ دیتے تھے اور کامیاب شکار کو یقینی بنانے کے لیے خصوصی رقص منعقد کرتے۔ رتھ انڈر ہِل ایک اچھے شکار کے لیے شکاروں اور ان کے شکار کو تیار کرنے کے لیے پوبلو (Pueblo) رسومات کا ذکر کرتا ہے۔

> میری ڈرامائی یادداشتوں میں سے ایک جنوری کی صبح کو تاریکی میں پوبلو پلازہ میں (کھڑے ہو کر) "شکار کی ماں" کو ہرن گھیر کر لاتے ہوئے دیکھنا تھا۔ یہ تقریباً غروب آفتاب کا وقت تھا جب ہم نے پہاڑی کی جانب سے شکاری کی پکار سنی۔ پھر صنوبر کے درختوں میں سے سایہ دار اشکال نیچے کی طرف آئیں۔ پہلے پہل ہم مشکل ہی ہلتے ہوئے سینگوں اور دھبے دار کھالوں کو دیکھ سکتے تھے۔ تب سورج کی کرنیں ہاتھوں اور پیروں پر جھکے ہوئے آدمیوں کو نمایاں کرتیں جن کی کمر پر ہرن کی کھالیں اور ہاتھوں میں

اگلی ٹانگوں کا تاثر دینے کے لیے رنگے ہوئے ڈنڈے ہوتے تھے۔ وہ لوگوں کے سامنے اچھلتے کودتے جبکہ ان کے اردگرد چھوٹے بچے اٹھکیلیاں کرتے جن کے اندر حقیقی آہو بچوں کی روح نظر آتی تھی۔

ان کے وسط میں لمبے کالے بالوں والی ایک خوبصورت پوبلو عورت تھی جو تمام تر سفید جوتوں اور کڑھائی والے چوغے کے شاہی نشانات میں ہوتی۔ وہ ان کی مالکہ "شکار کی ماں" تھی۔ مگر وہ دھرتی ماں بھی تھی جو انسانوں سمیت تمام زندہ اشیاء کا وسیلہ تھی۔ وہ جانوروں کو ایسی جگہ چھوڑ دیتی جہاں وہ شکاریوں کے لیے اچھے نشانہ بن سکتے اور ایک ایک کر کے علامتی طور پر مارے جاتے۔[1]

جیسا کہ گذشتہ باب میں ذکر کیا جاچکا ہے' ایسی رسم کو سحر مشارک یا تقلیدی سحر کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو تقریب میں جانوروں کے کھیل کی نقالی کر رہے ہوتے' انہیں علامتی طور پر آگے بلایا جاتا اور اس یقین پر مارا جاتا ہے کہ حقیقی شکار کے دوران اصل جانور اسی طرح مارے جائیں گے۔

امریکی انڈین اور شکار کے درمیان ایک مہربان روح کی حیوانی شناخت کے سبب سے شکار کی رسم میں حیوان کی رحم دلانہ موت اور اس کے جسم سے پر مسرت سلوک بھی شامل تھا۔ مثال کے طور پر ہمارے پاس ایسی رپورٹس موجود ہیں جن میں انڈین شکاری جانور کو مارنے سے قبل اس سے معذرت کرتے تھے۔ اسے مار دینے اور قبیلے کے پاس واپس لے آنے کے بعد جانور کی معزز مہمان کی حیثیت سے آؤ بھگت کی جاتی۔ اس کے ہر حصے کو استعمال کیا جاتا' کسی حصے کو ضائع نہ کیا جاتا۔ اگر کسی طرح ہڈیاں' کھال یا گوشت ضائع ہو جاتا تو جانور کی موت اکارت جاتی اور شکاریوں کے خلاف مکافات عمل ہو سکتا ہے۔

فاقے اور بصیرت:

زندگی میں کسی موقع پر خصوصی قوت حاصل کرنے کے لیے مقامی امریکی اکثر ایسی

[1] "Red Man's Relegion" مصنف Underhill ص 117' 118

بصیرتوں کا متلاشی رہتا ہے جو اُس کا رابطہ دنیائے روح کے ساتھ قائم کردے۔ بلوغت کے آغاز پر خصوصی طور پر لڑکوں میں کشف کی خواہش کی جاتی۔ زندگی کی ابتداء میں انڈین لڑکے کو سکھایا جاتا ہے کہ ایک دن اسے اکیلے صحرا میں جاکر روحوں سے بصیرت حاصل کرنا ہوگی۔ بچے کو عموماً نو یا دس برس کی عمر میں کسی وقت اپنے خاندان اور قبیلے سے بہت دور جنگل میں بھیج دیا جاتا' جہاں اسے کچھ عرصہ کے لیے اکیلے الگ رہنے کو کہا جاتا' حتیٰ کہ اسے بصیرت حاصل ہو جاتی۔ بصیرت کی اس تلاش کے ساتھ تقریباً ہمیشہ کئی دنوں کے روزے رکھنا بھی شامل ہوتا۔ عموماً بچہ خوراک اور شاید پانی کے بغیر رہتا اور قطعی برہنہ ہوتا تاکہ وہ روحوں کے حضور نہایت مسکین اور منکسر نظر آئے۔ بعض اوقات وہ خود کو اپنے قبیلے کا خصوصی رکن شناخت کرانے کے لیے اپنے چہرے اور جسم کو رنگ دیتا۔ ان حالات کے تحت وہ کشف کا انتظار کرتا۔ روحیں وقتاً فوقتاً کسی جانور کے روپ میں جلوہ نما ہوتیں لیکن وہ مرد اور عورتوں کے روپ میں بھی ظاہر ہو سکتی تھیں۔ اگر مسلسل دو یا تین دن فاقہ کرنے اور عبادت کرنے سے بھی کشف نہ ہو تو متلاشی کو انتہائی اقدامات کرنا پڑتے' مثلاً اپنے گوشت یا شاید ایک انگلی کو کاٹ کر اسے خلوص کی علامت کے طور پر روحوں کو پیش کرنا۔ آخر کار جب کشف ہو جاتا تو بچہ اس اہم تجربہ میں سے گزر کر اپنے گروہ کے مکمل رکن کی حیثیت سے واپس لوٹتا۔

زندگی میں دوسرے مواقع پر مُردوں سے بھی کشف حاصل کرنے کا تقاضا کیا جاتا۔ کشف ایک بڑی جنگ کے موقع پر خصوصاً اہم تھے جب فتح پانے کے لیے غیر معمولی طاقت کی ضرورت ہوتی۔ میدانی انڈین قبائل میں کشوف بھینس کے شکار کے ساتھ بھی منسلک تھے۔ اس کی بہترین مثال رقص شمسی تھا۔ گرمیوں کے مہینوں کے دوران اگر قبیلے کا کوئی شخص خصوصی طاقت کی ضرورت محسوس کرتا یا اسے اپنی زندگی میں کچھ مسائل پر قابو پانے کی ضرورت ہوتی تو وہ رقص شمسی کا عزم کرتا۔ قبائلی اجتماع کے دوران حصہ لینے والے افراد روزے رکھتے' رقص کرتے اور سورج کو مسلسل دیکھتے تاکہ وہ ان پر نظر کرم کرے۔ کچھ مواقع اور کچھ قبائل کے مابین رقص شمسی میں خود اذیتی بھی شامل ہوتی۔ Oglala Sioux کے رقاص اپنے سینے کے گوشت میں سے تسمے گزارتے اور سورج کی طرف گھورتے ہوئے اپنے مکان کے مرکزی کھمبے کے ساتھ

لٹک جاتے۔ یہ چاہے کتنا ہی دہشت ناک لگتا لیکن بدیہی طور پر کوئی دیرپا زخم نہ آتا۔

مذہبی قیادت:

مقامی امریکی مذاہب واضح طور پر مذہبی عہدے داروں سے آزاد تھے۔ تاہم، ہر قبیلے میں کچھ لوگ ایسے تھے جو دنیائے روح کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ بنیادی مذہبی وظائف گروہ کے تمام ارکان سرانجام دیتے تھے۔ ایک لحاظ سے امریکی انڈین کا مذہب بہت ذاتی نوعیت کا تھا جو فرد کو اکیلے دنیائے روح کے ساتھ تعلق باندھنے پر حوصلہ افزائی کرتا۔ دعائیں، رقص، گیت اور کشوف کو صرف مذہبی عالم ہی نہیں بلکہ قبیلے کا ہر فرد اپنی انفرادی ضرورت کے مطابق ادا کرتا۔ اگرچہ قربانی کا استعمال محدود تھا مگر غیر تربیت یافتہ آدمی کے ایماء پر رسم سرانجام دینے کے لیے ماہر شخص کی ضرورت بہت کم تھی... اس کا طریقہ کار دنیا کے بہت سے مذاہب میں بہت عام ہے۔ بایں ہمہ مقامی امریکی باشندوں میں مذہبی ماہرین کے کئی درجات تھے جنہیں روحانی دنیا کے ساتھ نپٹنے کے لیے اکثر استعمال کیا جاتا۔

امریکی انڈین مذاہب کے ساتھ اکثر و بیشتر ماہر نام نہاد طبیب منسلک ہے۔ ابتدائی سفید فام آبادکاروں نے اس عہدے دار کو طبیب کا نام دیا تھا کیونکہ انہوں نے اسے علاج معالجے میں تخصیص کار کا حامل سمجھا۔ انڈین کی نظر میں بیماری جسم پر کسی بیرونی شئے کے حملے کا باعث پیدا ہوتی تھی اور بیرونی عنصر کو ہٹا دینے سے شفا مل جاتی۔ اس قسم کے عناصر کو دور کرنا طبیب کا کام تھا۔ اپنے قبیلے کے طبیب کا عہدہ حاصل کرنے والے شخص کو روحانی دنیا کی بصیرتوں کے ذریعہ بیماری پیدا کرنے والی قوتوں پر اختیار حاصل ہو جاتا۔ روحیں طبیب پر مخصوص عرصہ تک روزہ رکھنے اور عبادت کرنے کے بعد یا پھر کسی تیاری کے بغیر بھی منکشف ہو سکتی تھی۔ وہ عموماً کسی خاص جانور مثلاً ریچھ یا بجو کا بھیس اختیار کرتیں کیونکہ انڈین اسطوریات میں ان دونوں جانوروں کا تعلق شفا کے ساتھ تھا۔ روحیں طبیب پر قابض نہیں ہوتی تھیں! وہ صرف ظاہر ہوتیں اور اسے ہدایات دیتیں۔

دنیائے روح کے ساتھ خصوصی روابط کے باعث طبیب شفا دینے پر قادر تھا، لیکن

وہ خود کو ناراض کرنے والوں کو مطعون اور بیمار بھی کر سکتا تھا۔ اس لیے طبیبوں کے طور پر تسلیم شدہ افراد کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی۔ اگر طبیب کا سامنا کسی ایسے مرض سے ہوتا جسے وہ دور نہ کر سکتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کسی زیادہ طاقتور طبیب کا کام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر طبیب کے بہت سے مریض مرجاتے تو اسے ان اموات کا ذمہ دار قرار دیا یا مار ابھی جاسکتا تھا۔

طبیب عموماً شفا دینے کا جو طریقہ استعمال کرتا وہ عموماً ایک چوسنے کی رسم پر مشتمل ہوتا جس میں شفا دینے والا باقاعدہ طور پر بیمار آدمی کے جسم سے ناپسندیدہ عنصر یا روح کو چوسنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس عمل کے ساتھ اکثر گیت اور رقص یا منتر بھی شامل ہوتے۔

امریکی انڈین مذاہب میں پایا جانے والا ایک اور ماہر وہ شخص ہوتا تھا جسے ماہر بشریات سائبیرین نام "شامن" سے شناخت کرتے ہیں۔ شامن زیادہ تر اسکیمو (Eskimos) قوم اور شمالی مغربی بحرالکاہل کے قبائل میں پایا جاتا تھا۔ طبیب، جو کہ محض روحوں کے متعلق خواب دیکھتا تھا، کے برعکس شامن حقیقتاً ان کے اختیار میں تھا۔ روحیں مستقبل کے شامن کو منتخب کرتیں اور اس کی ایک سنگین بیماری کا سبب بنتیں۔ اسے اس وقت تک ٹھیک نہیں کیا جاسکتا تھا جب تک وہ روحوں کو اجازت نہ دے دیتا کہ وہ اسے اپنے اختیار میں لے لیں، اور پھر وہ شامن بن جاتا۔ جب وہ بے خودی کی کیفیت میں ہوتا روحیں اسے اپنے اختیار میں لے لیتیں اور اس کی آواز میں بولتیں۔ شامن کو اس لیے بھی ممتاز سمجھا جاتا کہ وہ جوگیوں کی طرح غیر معمولی کام کرسکتے تھے۔ شامن گرم کوئلوں پر چلنے، گرم کوئلے چبانے اور کوئی زخم چھوڑے بغیر خود کو زخمی کرنے کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔ وہ روحوں کے ماتحت وجدانی زبان بولنے کے لیے بھی مشہور تھے اور مستقبل کی پیش گوئی کرنا غالباً ان کا بہت مفید کام تھا۔

امریکی انڈین قبائل---جن کی زندگیاں ایک منظم زندگی اور زرعی برادری کے گرد گھومتی تھیں---کے درمیان تقاریب کا ایک نسل سے اگلی تک انتظام کیا جاتا تھا اور اس انتظام اور رسومات کی ادائیگی کے لیے مذہبی عہدے داروں کی ایک قسم کی ضرورت تھی۔ یہ مذہبی عہدے دار نہ تو روحوں کی طرف سے کشف (اور نہ ہی

روحوں کے اختیار میں) ہونے کا دعویٰ کرتے اور نہ ہی وہ روحوں کے اختیار میں ہوتے: وہ ایسے افراد تھے جو عبادات اور تقاریب کو زمین کی زرخیزی اور قبیلے کی عام فلاح و بہبود کے لیے یاد رکھتے اور ادا کرتے۔

دنیائے روح کے ساتھ رابطے کے دیگر ذرائع:

مذہبی تقاریب میں تمباکو اور مقدس پائپ کا استعمال امریکی انڈین مذاہب کے عمومی عناصر میں سے ایک تھا۔ تمباکو مقامی امریکی مذاہب کا لوبان تھا: یہ تقریباً ہر تقریب کا حصہ تھا۔ جب لوگ امن، جنگ یا شکار کی باتوں کے لیے، اکٹھے ہوتے تو اسے جلایا جاتا۔ شکار پر جاتے وقت پائپ بذات خود قبیلے کے طلسمان کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

بظاہر تمباکو صرف مذہبی مقاصد کے لیے اگایا اور استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ امریکی انڈین اسے بیسویں صدی کی تہذیب کے فیشن کی طرح روزمرہ منشیات کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ تمباکو کو خصوصی مذہبی مواقع کے لیے مخصوص کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ اس قدر تیز تھا کہ اس کو زیادہ مرتبہ استعمال نہ کیا جاسکتا تھا۔ امریکی انڈین موجودہ تجارتی نقطہ نظر سے دستیاب تمباکو Nicokiana attenuata استعمال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کہیں زیادہ زور آور قسم Nicotiana rustica استعمال کرتے تھے۔ اس تمباکو کا دھواں نشہ آور حد تک تیز تھا۔ تمباکو کی اس قسم کو آزمانے والے موجودہ دور کے حضرات حیرت زدہ ہیں کہ انڈین کبھی اپنی تقاریب میں عموماً چھ کش پینے کے قابل بھی تھے۔

وہ پائپ جس میں ایسے تمباکو کے کش بھرے جاتے فرانسیسی لفظ "Chalumeau" کی مناسبت سے Calumets کہلائے جس کا مطلب "نلی" ہے۔ ان پائپوں کے کٹورے یا تو چکنی مٹی سے یا پتھر سے اور ڈنٹھل سرکنڈے کے بنائے جاتے۔ تقاریب میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والے پائپ کبھی کبھی چار فٹ تک لمبی نلیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ انہیں اکثر رنگوں اور پروں سے سجایا جاتا اور یوں قبائلی طلسمانوں کے طور پر ان کی اہمیت واضح کی جاتی۔

یہ یقین عام ہے کہ مدہوش کر دینے والی نشہ آور ادویات امریکی انڈین عبادت کا باقاعدہ جزو تھیں' لیکن معاملہ یوں نہیں تھا۔ رسوماتی پائپوں میں استعمال ہونے والے انتہائی نشہ آور تمباکو کے ساتھ بے خود کر دینے والی دیگر منشیات کو بیشتر امریکی انڈین قبائل میں لازمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ میکسیکو میں آزٹک اور دیگر انڈین گروہ چار سو سال پہلے بھی ناگ پھنی (پیوٹے) استعمال کرتے تھے اور شمالی امریکی انڈین لوگوں میں اس کا استعمال کہیں انیسویں صدی میں آ کر متعارف ہوا۔

ناگ پھنی (Lophophora Williamsil) ایک چھوٹا سا کیکٹس ہے جس کی نشو ونما بلب یا بٹن نما ہوتی ہے۔ یہ بٹن آٹھ القلی نما محلولات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان محلولات میں سے کچھ ہیجان آور اور کچھ ست کر دینے والے ہیں۔ بے خود کر دینے والا القلی نما بیجھڑی (Mescaline) ہے۔ ناگ پھنی کے بٹن پودے سے اتار کر تازہ بھی کھائے جاتے ہیں یا انہیں خشک اور بعد میں چائے میں کشید کر لیا جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک شخص کو بے خود ہونے کے لیے ناگ پھنی کے چالیس بٹن جسم کے اندر لے جانے پڑتے ہیں۔ انیسویں صدی کے اختتام پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ہاتھوں مقامی امریکیوں کی شکست کے ساتھ بہت سے لوگ روحوں سے کشف حاصل کرنے کے ذریعہ کے طور پر ناگ پھنی کے استعمال کی طرف لوٹ آئے۔ گزشتہ زمانہ میں کشف انڈین مذاہب میں کبھی کبھی' مثلاً کسی اہم موقع کی رسم پر' بلوغت کے آغاز کی رسم اور شکار یا جنگ سے پہلے لیا جاتا تھا' یا طبیب اپنی زندگی میں کسی نازک موقع پر کشف حاصل کرتا۔ تاہم' جب امریکی انڈین کے لیے بہت کم کچھ باقی رہ گیا تو بہت سے قبائل نے ابتدائی فاقہ کشی اور آزمائشوں کے بغیر زیادہ باقاعدہ بنیادوں پر کشف کی ضرورت محسوس کی۔ ناگ پھنی بٹن کی تھوڑی سی مقدار اس کشف کو حاصل کرنے میں مدد دے سکتی تھی۔

1941ء میں مقامی امریکی اوکلاہوما چرچ (Church of Oklahoma) میں ناگ پھنی متعارف ہوا۔ اس کلیسیا نے عیسائیت کے بہت سے اجزاء --- جو امریکی انڈین لوگوں کے لیے قابل قبول تھے --- اور کشف کو ہیجان آور کرنے کے لیے ناگ پھنی کے استعمال کو یکجا کیا۔ 1945ء میں یہ گروہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مقامی امریکی کلیسیا کے

طور پر پہچانا جانے لگا اور انڈین پجاریوں کے ذریعہ اوکلا ہوما کے قبائل سے ایریزونا کے قبائل تک پھیل گیا۔ آج کچھ انڈین قبائل میں ناگ پھنی کے استعمال پر پابندی لگائی گئی ہے' اور نو مغربی ریاستوں نے اس کی اہمیت کے خلاف قوانین بنائے ہیں۔ تاہم' اب بھی مقامی امریکی کلیسیا کے کچھ فرقوں میں اس کے متوازن استعمال کا اہتمام کیا گیا ہے۔

موت اور حیات بعد از موت:

ہمیں امریکی انڈین کے موت اور حیات بعد از موت کے بارے میں عقائد کو بیان کرتے ہوئے دوبارہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہم کثیرالاقسام لوگوں کی بات کر رہے ہیں جو مختلف ماحول میں رہتے اور کئی ثقافتی نظام رکھتے تھے۔ ہم امریکی انڈین مذاہب کی نسبت امریکی انڈین تصور حیات بعد از موت پر زیادہ بات نہیں کر سکتے۔ یہاں دوبارہ ہم محض عمومی خیال پیش کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مقامی امریکی مُردوں سے خوفزدہ تھے اور ان کا بے حد خیال رکھتے' مبادا وہ واپس لوٹ آئیں اور زندہ لوگوں کی زندگیوں کو تکلیف پہنچائیں۔ امریکی انڈین کے بہت سے سنگین ٹیوز مُردوں سے سلوک کے متعلق بنائے گئے ہیں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ امریکی انڈین کے مُردوں سے متعلق تمام خوف و شبہات کے باوجود ان میں بذات خود موت کا خوف بہت کم تھا۔ مبلغین' ماہرین بشریات اور دوسرے سفید فام شاہدوں نے موت کے وقت ان میں ظاہر ہونے والے خوف کی نمایاں کمی کو بارہا محسوس کیا ہے۔

عموماً امریکی انڈین دو روحوں کے وجود پر یقین کرتے نظر آتے ہیں جن میں سے کسی کو بھی کسی لحاظ سے غیرفانی نہیں سمجھا جا سکتا۔ ایک روح زندگی یا سانس تھی جس کا تعلق جسم کے ساتھ ہے۔ جسم کے مرنے یا تباہ ہو جانے کے ساتھ ہی یہ روح بھی مر جاتی۔ دوسری روح کو آزاد روح کہا جا سکتا ہے۔ یہ روح خوابوں میں آوارہ گھومتی یا بیماری کے دوران جسم کو چھوڑ دیتی۔ موت کے بعد یہ آزاد روح مُردوں کی دنیا کی طرف چلی جاتی۔ انڈین میں اس اس مُردوں کی دنیا کے بارے میں بہت کم کہا گیا ہے۔ بعض اوقات اسے خوشی اور بعض اوقات دکھ کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ بعض قبائل نے

قبر میں خوراک اور مشروب دفن کر کے مُردوں کی دنیا کی طرف سفر کرنے والے متوفی کی مدد کرنے کی کوشش کی۔

بعض اوقات کسی جانور کو راہنما کا کردار ادا کرنے کے لیے مارا جاتا' اور دوسرے مواقع پر اسی مقصد کے لیے دشمن کو مار دیا جاتا۔ مسی پی کے ناشیز انڈین (Natchez Indian) میں جب کوئی بڑا سردار مرجاتا تو بیویوں کی ایک بڑی تعداد' بچے' دوست اور حیوانات مردہ شخص کی صحت کے لیے قربان کیے جاتے۔

جب آزاد روح مُردوں کی دنیا میں پہنچتی تو وہاں ہمیشہ کے لیے نہ رہتی۔ شاید عبرانیوں کے تصور شیول (Sheol) یا یونانیوں کے تصور ہیڈز (تحت الثریٰ یا پاتال) کی طرح امریکی انڈین کا عقیدہ تھا کہ روح اس وقت تک مُردوں کی سرزمین میں رہتی ہے جب تک زندہ لوگ اس شخص کو یاد کرتے رہیں۔ جب اس شخص کو بھلایا جانے لگے تو آزاد روح بے ہوش ہونے لگتی اور آخر کار غائب ہو جاتی ہے۔

امریکی انڈین مذاہب میں پایا جانے والا لافانیت سے قریب ترین عقیدہ کچھ قبائل میں تجسیم نو تھا۔ بظاہر کچھ لوگوں کا اعتقاد تھا کہ کوئی قریبی رشتہ دار نئے بچے کی پیدائش میں دوبارہ ظاہر ہوتا ہے۔ بعض اوقات بچے کے چہرے کی مماثلت اور اس کے رسمی نام کی شناخت کے ذریعہ مُردے کو بچے میں پہچاننے کی کوشش کی جاتی۔ جب بچے کو مُردے کے رشتہ دار کے طور پر شناخت کرلیا جاتا تو اسے اس رشتہ دار کا نام دے دیا جاتا۔ اس سے انتہائی احترام کا سلوک کیا جاتا جیسا کہ زندہ اڈھیر عمر شخص کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ تجسیم نو کا نظریہ چند امریکی انڈینز میں ہی ملتا ہے مگر یہ کسی بھی طرح عالمگیر نہیں۔

سفید فاموں اور ان کے مذہب کی آمد سے مقامی امریکی ثقافتیں اور مذاہب کو شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ مقامی امریکیوں کو عیسائیت کی بہت سی اقسام میں سے کسی ایک میں داخل ہونے پر مجبور کیا گیا اور ان پر دباؤ ڈالا جاتا کہ وہ یورپ کی تعلیمی اور ثقافتی اقدار کو قبول کریں۔ بہت سے مقامی امریکیوں نے اس دباؤ پر احتجاج کیا اور بیسویں صدی کے امریکی معاشرے کے مرکزی بہاؤ میں داخل ہو گئے۔ دوسروں نے اپنی مقامی ثقافت کو منظم کرنے کے لیے یورپی ثقافت اور مذہبی منصوبوں کی صرف

جزئیات کو قبول کیا ہے۔ اس ادغام کی کوشش کی ایک مثال مقامی امریکی کلیسیاء ہے... دوسرے مقامی امریکی ابھی تک اپنی ثقافت سے چمٹے ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے آباء و اجداد کے مذاہب کو منظم کر لیا ہے۔ مقامی امریکی زندگی میں دوبارہ دلچسپی نے اس تیسرے متبادل کو مضبوط کیا ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Benedict, Ruth Fulton. *The Concept of the Guardian Spirit in North America*. Menasha, Wis.: The Collegiate Press, 1923.

2) Brown, Dee. *Bury My Heart at Wounded Knee*. New York: Holt, Rinehart and Winston, 1970.

3) Deloria, Vine. *God Is Red*. New York: Grosset and Dunlap, 1973.

4) Underhill, Ruth M. *Red Man's Religion*. *Chicago*: The University of Chicago Press, 1956.

تیسرا باب

افریقی مذاہب

پچھلے تیس برس کے دوران یورپ کا اپنی سابقہ سلطنتوں پر کنٹرول ختم ہو چکا ہے اور بہت سے ممالک جو کبھی ان سلطنتوں کے ارکان تھے' نے اپنی خود مختار سلطنتوں کی تشکیل شروع کر دی ہے۔ اس سرگرمی نے وسیع براعظم افریقہ پر زیادہ جگہ لی ہے۔ آج یہ نئی افریقی اقوام نام نہاد تیسری دنیا کا واضح اور فعال حصہ بن چکی ہیں۔ ان میں سے بہت سی اقوام خام مال پر قابض ہیں جو کہ دنیا کی صنعتی اقوام کے لیے ناگزیر ہے۔ حال اور مستقبل کے سربراہان کو دنیا میں امن اور خوشحالی کے لیے افریقی لوگوں کے ساتھ سیاسی اور کاروباری دونوں لحاظ سے پیش آنے کا طریقہ سیکھنا ضروری ہے۔

سیاہ فام افریقہ کے سربراہان کو جاننے کی کنجی اُن کی ثقافت کے بارے میں جاننا ہے۔ رسومات اور اقدار کی تفہیم میں ایک اہم قدم مذہب کا بنیادی علم ہے۔ جیسا کہ دنیا کے تقریباً ہر دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملہ ہے' مذہب افریقی ثقافت کا ایک سنگ بنیاد ہے۔ افریقہ کے مذاہب کا بنیادی علم افریقہ کی ثقافتوں' خاندانی معاملات' زمین سے ان کی محبت اور بلاشبہ موت اور حیات بعد از موت کے بارے میں نقطہ نظر سے آگاہ کرے گا۔

غالباً ایسا کوئی مذہب نہیں جس نے افریقہ کے مذاہب کی طرح قاری کے ذہن کو الجھن میں ڈال دیا ہو۔ ان مذاہب کے تصورات جیسا کہ فلم اور مشہور ادب میں پیش

کیے جاتے ہیں' وہ سیاہ فام افریقہ کو مایوس وحشی کے طور پر اور افریقی مذاہب کو توہمات پرستی کے طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ لوگوں کی کثیر تعداد افریقی مذاہب کو ایک مبلغ کی تصویر کے ساتھ ملاتی ہے جسے آدم خوروں کی دیگ میں ابلتے اور کھائے جاتے ہوئے دکھایا گیا ہو۔ یا لوگوں کو ایسی بہت سی حرکی تصاویر یاد ہیں جن میں ایک خوفناک بھیس میں ساحر کسی شکار پر جادو کے ذریعہ لعنت بھیجنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قیاساً حقیقی ذرائع خون کی قربانی' طلسماتی قوتوں' سوکھی ہوئی کھوپڑیوں اور بچوں کی مگرمچھ دیوتاؤں کے لیے قربانی کے تصورات پر ہی مبنی ہیں۔ یہ تمام بگڑے ہوئے تصورات ہیں جو آدھی سچائی اور تخلیقی تخیل سے لیے گئے ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے بہت سے مغربی لوگوں پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ امریکی انڈین مذاہب کی طرح افریقی مذاہب کے بارے میں مکمل سچائی اس طرح کے مختصر اور عام متن میں بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ موضوع نہایت وسیع ہے۔ درحقیقت "افریقی مذاہب" کا کوئی وجود نہیں اور عقائد و دساتیر پورے براعظم افریقہ میں وسیع پیمانے پر مختلف ہیں۔ تاہم' افریقہ کے مذاہب کے مخصوص پہلوؤں کے بارے میں عمومی حقائق' نظریات اور رواج کو منظرعام پر لایا اور کچھ مشہور غلط فہمیوں کو رفع کیا جا سکتا ہے۔

غیر مقامی افریقی مذاہب:

اس باب میں مقامی افریقی مذاہب کے بنیادی نظریات پر زور دیا جائے گا۔ تاہم' ہم متعدد ایسے غیر مقامی مذاہب کو نظرانداز نہیں کر سکتے جنھوں نے ماضی میں براعظم پر وسیع اثرات مرتب کیے اور جو مستقبل میں زیادہ اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ آج اوسطاً نصف افریقی آبادی کے بارے میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ غیر مقامی مذاہب سے وابستہ ہیں۔

عیسائیت:

عیسائیت افریقہ میں ایک طویل اور شاندار تاریخ کی حامل رہی ہے۔ درحقیقت افریقہ فلسطین سے باہر عیسائیت کے لیے اولین مقام ہے۔ نئے عہد نامے کا ابتدائی ترین

شناخت کیا جانے والا حصہ یوحنا (John) کی انجیل میں سے ہے جو مصر میں پایا گیا۔ اس حصے کو تقریباً 125 عیسوی کی تاریخ دی جاتی ہے۔ یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ پہلی عیسائی صدیوں کے آغاز میں عیسائی پادریوں نے سمندر اور خشکی کے ذریعہ شمالی افریقہ کی طرف مشرقی تجارتی راستے اختیار کیے۔

عیسائیت کے افریقہ میں داخل ہونے کی تاریخ سے قطع نظر اس نے وہاں زرخیز میدان پایا۔ ابتدائی عیسائیت کے چند عمدہ ترین ذہن اور رہنما اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ آگسٹائن، اوریگن، اریئس، ایتھانا سیئس، ترتولیان اور سائپرین کا تعلق شمالی افریقہ سے تھا۔ سکندریہ جیسی آبادیوں میں پائی جانے والی لائبریریوں، یونیورسٹیوں اور بہترین عالمانہ روایات نے ابتدائی عیسائی فکر میں بہت زیادہ حصہ ڈالا۔

ساتویں اور آٹھویں صدی میں نیا مذہب اسلام شمالی افریقہ میں پھیلنے لگا اور آخرکار بہت سے افریقی لوگوں کا مذہب بن گیا۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد افریقی اقوام میں سے صرف ایتھوپیا اور نیوبیا اقوام عیسائی رہ گئیں۔ مصر میں کوپٹس (Copts) نامی عیسائیوں کا ایک اقلیتی گروہ آج بھی باقی ہے۔

پندرھویں صدی میں ہی کہیں آ کر صحارا (Sahara) صحرا کے جنوب میں افریقہ کا کوئی علاقہ عیسائیت پر کھلا۔ اُس زمانہ کے پرتگالی تاجر افریقہ کے مغربی اور مشرقی ساحلوں کے ساتھ قسمت آزمائی کرنے والے اولین یورپی باشندے تھے جو اپنے ساتھ اپنا مذہب اور مبلغین لے کر آئے۔ وہ پورے براعظم میں سے متعدد افریقیوں کو عیسائیت میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سترھویں صدی سے انیسویں صدی کا عرصہ غلاموں کی تجارت کا دور تھا، لہٰذا یورپ کے عیسائیوں اور کالے افریقی لوگوں کے مابین تعلق خوشگوار نہ تھا۔ انیسویں صدی میں غلاموں کی تجارت کے اختتام اور آخرکار نوآبادیاتی سلطنتوں کے اُبھرنے پر عیسائی مبلغین نے کالے افریقی باشندوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کیں۔ کیونکہ یہ مبلغین غالب یورپی اور امریکی تہذیبوں کے نمائندہ تھے اور وہ اپنے ساتھ جدت، طب اور تعلیم لے کر آئے لہٰذا وہ بہت سے معاملات میں کامیاب رہے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ افریقہ

میں تقریباً 41 کروڑ 30 لاکھ کی مجموعی آبادی میں سے آج 10 کروڑ 10 لاکھ عیسائی ہیں۔[1]
مزید برآں روایتی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ گروہوں کے ساتھ افریقہ میں بہت سے خودمختار عیسائی فرقوں نے ترقی کی۔ بہت سے معاملات میں یہ فرقے عیسائی عقائد اور مقامی افریقی مذہبی نظریات کی آمیزش ہیں۔ دوسری صورتوں میں یہ فرقے عیسائی گروہ ہیں جنھوں نے پیغمبر کی قیادت یا ایک عامل کے بل بوتے پر ترقی کی۔ افریقہ میں اندازاً چھ ہزار خودمختار عیسائی گرجے ملتے ہیں۔[2]

اسلام:

عرب کے صحرا سے نکلتے ہی اسلام نے ایک ہی صدی کے عرصہ میں پیغمبر عالم حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد پورے شمالی افریقہ کو فتح کر لیا۔ تاہم، اس سے پہلے عیسائیت کی طرح اسلام صحرائے صحارا تک ہی محدود دکھائی دیتا ہے اور اس نے چھوٹی موٹی استثناؤں کے ساتھ کئی صدیوں تک جنوب کی طرف قدم نہ اٹھایا۔
گیارھویں اور بارھویں صدی میں مسلمان تاجروں نے جنوب میں اسلام پھیلانا شروع کیا۔ اُس زمانہ کی کئی عظیم افریقی سلطنتیں مثلاً گھانا، مالی اور سونگھائی کو اسلام میں داخل کر دیا گیا۔ اگلی صدیوں کے دوران اُن کی نشوونما سیاہ فام افریقہ میں جاری رہی۔ تاہم، یہ بھی غلاموں کی تجارت کی وجہ سے رک گئی، کیونکہ غلاموں کی تجارت کے بہت سے ایجنٹ عرب سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ اسلام ایسا مذہب ہے جو اخوت اور اللہ کے سامنے تمام مسلمانوں کی مساوات پر زور دیتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے مشکل تھا کہ اُن لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کریں جنھیں بعد میں وہ غلام بنا سکتے تھے۔ انیسویں صدی میں غلاموں کی تجارت ختم ہونے اور آبادیاتی نظام کی سفری سہولیات کے ساتھ مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمی کو زبردست ترقی ملی۔
بیسویں صدی میں اسلام نے کئی وجوہ کی بناء پر سیاہ فام افریقہ میں زبردست پذیرائی حاصل کی۔ اول، اسلام کو تیسری دنیا کی اقوام کے مذہب کے طور پر وسیع

---

[1] World Almanac of 1977. P 349

[2] Benjamin C. Ray, African Religions. P.194

پیمانے پر شناخت کیا گیا اور بہت سے افریقی باشندوں کو اس میں کشش محسوس ہوئی۔ دوم' دنیا کے دوسرے مذاہب کی نسبت اسلام کو مقامی افریقی رسوم اور عقائد کے لیے اختیار کرنا آسان لگا۔ اسلام خدائے تعالیٰ کی بات کرتا ہے اور بہت سے مقامی افریقی مذاہب کے ساتھ یہ نظریہ ملتا ہے۔ آخر میں' اسلام مخصوص حالات میں کثیرالازواجی کی اجازت دیتا ہے اور یہ بھی افریقی زندگی کا ایک باقاعدہ حصہ رہا ہے۔ آج اندازہ لگایا گیا ہے کہ افریقہ میں تقریباً 9 کروڑ 90 لاکھ مسلمان ہیں۔

دیگر مذاہب:

عیسائیت اور اسلام افریقہ میں دو سب سے بڑے غیر مقامی مذاہب ہیں' لیکن براعظم پر دنیا کے کئی دیگر مذاہب کے اجزاء بھی نظر آتے ہیں۔ یہودیت کی ایک نمایاں شاخ ایتھوپیا میں فلاشاس (Falashas) نامی لوگوں کے گروہوں میں پائی جاتی ہے۔ فلاشاس اپنا شجرۂ نسب دسویں صدی قبل مسیح میں ملکہ شیبا سے ملاتے ہیں۔ وہ یہودیت کی ایک ایسی صورت پر عمل پیرا ہیں جو خمسۂ موسیٰ سے متاثر ہے لیکن تالمود سے واقف نظر نہیں آتی۔

افریقہ کے مشرقی ساحل پر ہندوستان کے باشندوں کی آبادی ہے۔ یہاں پندرہ لاکھ ہندو اور بودھی اور کنفیوشس پرستوں کے چھوٹے گروہ آباد ہیں۔ اگرچہ اندازہ ہے کہ ان میں سے چند ہندوستانی مذاہب افریقہ کے اسلام کے مخصوص پہلوؤں پر اثرانداز ہوئے لیکن مقامی افریقی باشندوں کے لیے اس میں بہت کم کشش تھی۔ انتخاب کا اصل مسئلہ مقامی افریقی مذاہب' عیسائیت اور اسلام کے مابین نظر آتا ہے۔

مقامی مذاہب:

جب ہم مقامی افریقی مذاہب کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم کسی واحد مذہب' الہیات' نظریۂ دنیا یا باطنی عقیدے کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ افریقہ ایک براعظم ہے جس نے کئی صدیوں سے لاکھوں لوگوں کی کفالت کی ہے۔ بلاشبہ انسانی مذہب کی ہر قابل تصور صورت اس براعظم کے لوگوں کے ذریعے سامنے آئی ہے۔

بد قسمتی سے افریقہ کے بہت سے مذاہب قبل از خواندگی ادوار میں معرض وجود میں آئے لہٰذا مذہب کا جدید محقق ضرور محسوس کرے گا کہ حقیقت کا محض چھوٹا سا حصہ ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

افریقی مذاہب کے بارے میں جو بھی معلوم ہے وہ جدید ماہرین بشریات کے ذریعہ اکٹھا کیا گیا یا افریقی باشندوں نے ماضی سے اسے یاد رکھا۔ مزید بر آں' افریقہ کے کسی ایک گروہ کے عقائد اور دساتیر کی دوسرے گروہوں سے مماثلت ضروری نہیں۔ چنانچہ جب ہم ان مذاہب میں بنیادی تصورات کی بات کرتے ہیں تو ہمیں ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ نظریات ہمیشہ عالمگیر طور پر لاگو نہیں ہوتے; عقائد کی بہت سی اقسام موجود ہیں۔

خدائے تعالیٰ:

ایک عقیدہ دنیا کے بیشتر کثرت پرست مذاہب میں بار بار ملتا ہے کہ تمام مقامی دیوتاؤں سے بالا ایک ہستی خدائے تعالیٰ کی ہے جس نے اس دنیا کو تخلیق کیا اور پھر اس میں کسی بھی شراکت سے دستبردار ہو گیا۔ یہ عقیدہ کچھ افریقی باشندوں میں بھی ملتا ہے۔ اگرچہ افریقہ کے بہت سے مذاہب اپنے روزمرہ معمولات میں کثیر خداؤں کے قائل ہیں' لیکن یہ عقیدہ غالب ہے کہ تمام چھوٹے دیوتاؤں' ارواح اور اجداد کے علاوہ ایک خدائے تعالیٰ کا وجود ہے۔ جب اس عقیدہ کا علم ابتدائی ماہرین بشریات کو ہوا تو ان میں سے کچھ نے نتیجہ اخذ کیا کہ افریقی درحقیقت واحدانیت کے قائل ہوا کرتے تھے لیکن وہ کثرت پرستی میں جا گرے۔ افریقی مذاہب پر چند ایک (اگر ہیں تو) مستند آراء آج بھی اس صورتحال کی حمایت کرتی ہیں۔

بہت سے افریقی مذاہب میں خدائے تعالیٰ ایک تخلیقی دیوتا نظر آتا رہا ہے جس نے اپنا کام سرانجام دیا اور پھر کہیں دور مقام کی طرف چلا گیا۔ یہ اس وقت یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ یہ دیوتا دنیا اور اس کے روزمرہ معمولات کے ساتھ بہت کم تعلق رکھتی ہے۔

افریقی خدائے تعالیٰ کی ایک مثالی تفہیم اولورن کی یوروبا کہانی ہے۔ یوروبا مرکزی

مغربی افریقہ کے مقامی لوگ ہیں جس پر اب نائیجریا حکومت کرتا ہے۔ اُن کی اسطورہ میں خدائے تعالیٰ 'اولورن' نے دنیا کی تخلیق کا کام اپنے سب سے بڑے بیٹے اوباٹالا (Obatala) کے سپرد کر دیا۔ یہ بیٹا اپنے مقصد کو مکمل کرنے میں ناکام ہو گیا لہٰذا اسے اس سے چھوٹے بیٹے اوڈوڈا (Odudua) کی طرف منتقل کر دیا گیا لیکن وہ بھی ناکام ہو گیا۔ لہٰذا اولورن کو بذات خود تخلیق کا کام مکمل کرنا پڑا۔ اُس نے تخلیق کے دوسرے اُمور مختلف اوریشا (Orisha) کے سپرد کیے جنھیں کم درجہ کے دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ تخلیق کا کام مکمل ہو چکنے کے بعد اپنی کائنات پر بہت کم دلچسپی اور کنٹرول کے ساتھ اولورن آسمانوں کی طرف نکل گیا۔ یوروبا کے کئی ایک دیہات کے پاس مخصوص اوریشا موجود ہے جس نے انہیں مصائب کے وقت بچایا اور ان کی مدد کی' جبکہ ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ اولورن نے کبھی براہ راست مدد کی ہو۔ وہ دنیا کے مسائل سے الگ رہتا ہے اور اوریشا کو ضرورت کے وقت مداخلت کی اجازت دیتا ہے۔

بالائی زامزیبی کے لوگوں کا ایک قصہ خدائے تعالیٰ کی لاتعلقی کو اور بھی واضح طور پر ظاہر کرتا ہے:

ابتداء میں نیامبی نے تمام چیزیں تخلیق کیں۔ اُس نے حیوانات' مچھلیاں' پرندے بنائے۔ اُس وقت وہ اپنی بیوی ناسی لیل (Nasilele) کے ساتھ زمین پر رہتا تھا۔ نیامبی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق تمام چیزوں سے مختلف تھی۔ اُس کا نام کامونُو (Kamonu) تھا۔ نیامبی جو کچھ کرتا' کامونُو اس کی نقالی کرتا۔ جب نیامبی جنگل میں کام کرتا تو کامونو بھی جنگل میں کام کرتا; جب نیامبی لوہے کو بھٹی میں ڈالتا' کامونُو بھی لوہے کو بھٹی میں ڈالتا۔

کچھ عرصہ کے بعد نیامبی کامونو کے بارے میں خوفزدہ ہونا شروع ہو گیا۔

پھر ایک روز کامونو نے ایک نیزہ بھٹی میں ڈالا اور نر آہو کو مار ڈالا' اور مارتا ہی چلا گیا۔ نیامبی اس حرکت پر بہت ناراض ہوا۔

اُس نے کامونو سے کہا' "اے انسان' تم برا کام کر رہے ہو۔ یہ

تمہارے بھائی ہیں' انہیں مت مارو۔"

نیامبی نے کامونو کو ایک اور سرزمین کی طرف باہر نکال دیا۔ مگر کچھ ہی دیر کے بعد کامونو واپس لوٹ آیا۔ نیامبی نے اسے ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور کاشتکاری کے لیے اسے ایک باغ دیا۔

پھر یوں ہوا کہ رات کو بھینسیں پھرتی ہوئی کامونو کے باغ میں آئیں تو اُس نے انہیں نیزے سے مارا؛ اُس کے بعد کچھ زمین پر گر پڑیں اور اُس نے ایک کو مار ڈالا۔ کچھ دیر کے بعد کامونو کا کتا مر گیا؛ پھر اُس کا برتن ٹوٹ گیا؛ اور پھر اُس کا بچہ مر گیا۔ جب کامونو اس واقعہ کے بتانے کے لیے نیامبی کے پاس گیا تو اُس نے اپنے کتے' برتن اور بچے کو نیامبی کے پاس پایا۔

پھر کامونو نے نیامبی سے کہا: "مجھے دوا دیجئے تاکہ میں اپنی چیزوں کو پاس رکھ سکوں۔" لیکن نیامبی نے اُسے دوا دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد نیامبی اپنے دو مشیروں سے ملا اور کہا' "ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں جبکہ کامونو زیادہ بہتر جانتا ہے کہ یہاں کونسا راستہ آتا ہے؟"

نیامبی نے کامونو کو بھگانے کے لیے کئی ذرائع اختیار کیے۔ اُس نے خود کو اور اپنے دربار کو دریا کے پار ایک جزیرے کی طرف منتقل کیا لیکن کامونو نے سرکنڈوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور نیامبی کے جزیرے پر جا اُترا۔ تب نیامبی نے ایک بہت بڑا پہاڑ بنایا اور اس کی چوٹی پر رہنے کے لیے چلا گیا۔ پھر بھی نیامبی انسان سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ کامونو نے اُس تک پہنچنے کے لیے راستہ بنا لیا۔ اسی دورانیہ میں انسان کی تعداد بڑھ رہی تھی اور زمین پر ہر طرف پھیل رہی تھی۔

آخر کار نیامبی نے پرندوں کو دیوتا کے قصبے لِٹوما کے لیے جگہ کی تلاش میں بھیجا۔ لیکن پرندے جگہ تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے۔ نیامبی نے غیب دان سے مشورہ مانگا۔ غیب دان نے کہا' "تمہاری زندگی کا دارومدار مکڑی پر ہے۔" مکڑی گئی اور آسمان میں نیامبی اور اُس کے

دربار کے لیے اقامت گاہ تلاش کی۔ تب مکڑی نے زمین سے آسمان تک ایک جالا بُنا اور نیامبی اُس پہ چڑھ گیا۔ پھر غیب دان نے نیامبی کو مشورہ دیا کہ مکڑی کی آنکھیں نکال دے تاکہ وہ آسمان تک پہنچنے کا راستہ دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکے' نیامبی نے ایسا ہی کیا۔

نیامبی کے آسمان میں غائب ہو جانے کے بعد کامونو نے کچھ آدمیوں کو اپنے گرد جمع کیا اور کہا' "آؤ ہم ایک بلند بُرج تعمیر کریں اور نیامبی تک جا پہنچیں۔" انہوں نے درخت گرائے اور تنے پر تنا رکھ کر آسمان کی طرف بلند سے بلند تر ہوتے رہے۔ لیکن وزن اس قدر زیادہ تھا کہ مینار ٹوٹ گیا۔ اس طرح کامونو نیامبی کے گھر کبھی نہ پہنچ سکا۔

لیکن ہر صبح جب سورج نمودار ہوتا' کامونو یہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کرتا' "یہاں ہے ہمارا بادشاہ۔ وہ ظاہر ہو چکا ہے۔" اور سب لوگ جوش و خروش سے اور تالیاں بجاتے ہوئے اُس کا استقبال کرتے ہیں۔ نئے چاند کے نکلنے پر لوگ نیامبی کی بیوی ناسی لیل کو پکارتے ہیں۔[1]

اکثر خدائے تعالیٰ معروض عبادت ہے اور کچھ برادریوں کے پاس معبد ہیں اور پادریوں کو اُس کے لے وقف کر دیا جاتا ہے۔ تاہم' بظاہر اکثر افریقی خدائے تعالیٰ کو اس قدر بلند' دور اور عظیم گردانتے ہیں تاکہ اُس کی عبادت پر زیادہ توجہ دی جا سکے۔ کم درجہ کی ارواح اور اجداد ہی دراصل افریقی مذاہب میں بہت زیادہ توجہ پاتے ہیں۔

کمتر ارواح:

جب ہم خدائے تعالیٰ کے بارے میں بہت سے افریقی مذاہب میں پائی جانے والی کہانیوں سے آگے بڑھتے ہیں تو ہمارا واسطہ ارواح پرستی سے پڑتا ہے۔ دنیا کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح افریقی (کائنات کو) لوگوں کی ارواح کی کائنات خیال کرتے ہیں۔ ساری زمین' سمندروں اور آسمانوں کے بارے میں اعتقاد ہے کہ وہ روحانی یا

---

[1] Susan Feldmann, "*African Myths and Tales.*" PP 36–37.

حیوانی قوت پر مشتمل ہیں جیسا کہ انسانیت میں ہے۔ یہ قوتیں نفع بخش یا نقصان دہ ہو سکتی ہیں; انہیں خوشامد اور قربانی سے رام کیا جاتا ہے۔ لہٰذا انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان ارواح سے آگاہ رہیں اور ان کی خوشنودی چاہیں۔

افریقی قوت حیات کو پہاڑوں' جنگلوں' تالابوں' ندیوں' درختوں اور حیوانوں میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ سورج اور چاند میں اس کی موجودگی سے آگاہ ہیں۔ افریقی اسے نہ صرف ان عناصر میں بلکہ طوفانوں' گرج اور چمک میں بھی دیکھتے ہیں۔ دراصل کچھ مغربی افریقی دیہاتوں میں طوفان کے دیوتاؤں کی پرستش کے لیے معبد' پادری اور مسلک قائم کیے گئے ہیں۔ زمین کی بھی پرستش کی جاتی ہے' جیسا کہ قدیم یورپ اور تقریباً ہر دوسری قدیم ثقافت میں زمین کی دیوی کے طور پر تصویر کشی کی گئی ہے اور کچھ افریقی اس کی پوجا کرتے ہیں۔ آشانتی لوگوں میں دھرتی ماں کے لیے باقاعدہ تقاریب ہوتی ہیں جن میں مندرجہ ذیل سطریں پڑھی جاتی ہیں:۔

اے زمین' ابھی جب میں حیات ہوں'
تو میں تجھ پر ہی بھروسہ رکھتا ہوں'
زمین جو میرے جسم کو وصول کرتی ہے۔۔۔
ہم تجھ سے مخاطب ہیں'
اور تو ہماری بات سمجھ لے گی۔[1]

مقامی افریقی باشندوں میں پانی کو اکثر مقدس عنصر کے طور پر لیا جاتا ہے۔ پانی تمام دنیا میں مذہبی رسومات میں استعمال ہوتا ہے اور کئی بنیادی مذاہب میں خصوصاً اہم اور مقدس ہے۔ جب کسی شخص کی زندگی کا انحصار بارش برسنے' دریاؤں اور ندیوں پر ہوتا ہے یا جب پانی بذات خود زندگی کا حامل ظاہر ہوتا ہے تو اس کی مذہبی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ جب افریقی لوگ کسی اہم مذہبی رسم میں پانی استعمال کرتے ہیں' مثلاً نومولود بچے کو نہلانا' تو پانی لازماً کسی تازہ پانی کے وسیلہ سے آنا چاہیے (مثلاً چشمہ سے یا دریا سے) اور اسے اُبالا نہیں جانا چاہیے کیونکہ اس طرح اس میں موجود روح یا قوت ختم ہو

[1] Geoffrey Parrinder, "African Traditional Religion." P.48

جائے گی۔ پورے افریقہ میں' دریا' جھیلیں' چشمے اور سمندر اپنے اندر موجود روحانی قوتوں کی وجہ سے قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ ناگوں کا تعلق اکثرپانی کے اجسام سے ہوتا ہے' اس لیے انہیں بھی پُر جلال سمجھا جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کی پوجا کے لیے مسالک تشکیل پذیر ہو گئے۔

اگرچہ فطرت کے دیوتا اور کائنات کی کمتر ارواح شاذ و نادر ہی افریقی عبادت کا بنیادی پہلو ہیں' لیکن انہیں تسلیم کیا جاتا ہے اور انہیں تکریم دی جاتی ہے۔ عبادت قائم شدہ مسالک سے قطعی مختلف ہو سکتی ہے۔ عبادت یا پوجا معبدوں' پروہتوں اور رسومات کی ادائیگی پر مشتمل قائم شدہ مسالک سے لے کر عام اقسام کی پوجا تک مختلف ہو سکتی ہے۔ شاید سادہ نذر و نیاز ان کمتر ارواح کی عبادت کی عام ترین صورت ہے۔ روحوں کو تسلیم کرنے کا خواہش مند افریقی زمین پر تھوڑی سی شراب' آب جو یا دودھ ڈال کر یا ہر کھانے کے موقع پر ان دیوتاؤں کو تھوڑا سا کھانا نذر کر کے بھی کام چلا سکتا ہے۔

اجداد پرستی:

افریقی مذاہب میں سب سے زیادہ عام طور پر تسلیم کی جانے والی روحانی قوتیں متوفی اجداد ہیں۔ چین اور جاپان کے سوا غالباً دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں مرحوم کے لیے اس قدر عظیم احترام کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ افریقی یقین رکھتے ہیں کہ خاندان کے مرحوم افراد عالم ارواح میں زندہ ہیں اور ابھی تک زندہ لوگوں کی زندگیوں میں دلچسپی قائم رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں "شہادت کا ایک بہت بڑا بادل" سمجھا جاتا ہے جو زندگی کے معمولات کو دیکھتا ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ مردہ لوگوں کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ حیات لوگوں کے کاموں میں مداخلت کے قابل ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو ایک شخص' خاندان یا پوری قوم کی مدد کر سکتے ہیں۔ لہٰذا عموماً جنگ سے قبل' کاشتکاری کے موسم سے پہلے' یا بچے کی پیدائش سے پہلے اجداد سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ کچھ علاقوں میں کاشت کا پہلا پھل اجداد کے حضور قربان کرنے سے پہلے کوئی نہیں کھا سکتا ہے۔

اجداد کی نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہی افریقہ میں اجداد پرستی کو زبردست قوت بناتی ہے۔ افریقی باشندوں کا کسی بھی دیوتا کے لیے خوف اُس خوف کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو افریقی اپنے اجداد کے لیے محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ اپنے اجداد کی طرف چین کے لوگوں کا رویہ ایسا ہے جسے معزز اور قابل احترام بیان کیا جانا چاہیے۔ مگر افریقی باشندوں کے اپنے اجداد کی طرف رویہ کو محض پر جلال اور پُر خوف ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ اجداد کو متلون مزاج اور ناقابل پیش گوئی سمجھا جاتا ہے۔ تمام تر عقیدتوں اور احترام کے باوجود اجداد کسی شخص یا ایک پورے گروہ کے خلاف ہو سکتے ہیں اور انتہائی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اجداد کو قحط سالی' سیلابوں اور زلزلوں کا باعث ہونے پر یقین کیا جاتا ہے۔ انہیں بہت سی بیماریوں اور یہاں تک کہ موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ کسی افریقی جوڑے پر جو ہولناک ترین بدقسمتی ہو سکتی ہے وہ بے اولادی ہے اور یہ لعنت عموماً ناراض اجداد کے قہر کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اجداد کے انتہائی خوف کی وجہ سے' جو کہ افریقی شعور کا حصہ ہے' تسلیم شدہ دیوتاؤں کی نہیں بلکہ اجداد کی روحیں ہی لوگوں کی سماجی اور اخلاقی اقدار کو تقویت دیتی ہیں۔ ظاہر ہے لوگ اجداد کے قہر کی بجائے دیوتا کے قہر کو آواز دیتے ہیں۔

اجداد کے لیے اس فکر مندی کی بناء پر افریقی اُن کے لیے گاہے بگاہے قربانیاں اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اجداد زمین اور اس کی پیداوار پر قابض ہیں۔ لہٰذا اس پیداوار کا ایک لقمہ بھی چکھنے سے پہلے اسے اجداد کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ کٹائی کے وقت اُن کو شاندار نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ جب ریوڑ میں نئے جانور پیدا ہوتے تو کچھ کو ضرور ذبح کر دیا جاتا اور مستقبل میں بھی رحمت جاری رکھنے کا یقین دلانے کے لیے اس کا خون اجداد کے سامنے انڈیل دیا جاتا ہے۔

وقتاً فوقتاً اجداد کی زندہ لوگوں کے ساتھ بات چیت پر بھی یقین کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی بات چیت کی سب سے عام صورتوں میں سے ایک خواب دیکھنا ہے۔ بعض اوقات خواب میں دیا گیا پیغام براہ راست ہوتا ہے اور اسے وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن دوسری صورتوں میں پیغام واضح نہیں ہوتا اور خواب دیکھنے والے کو اسے سمجھنے کے لیے غیب دان کی مدد حاصل کرنا پڑتی ہے۔

بعض اوقات اجداد زندہ لوگوں کے ساتھ بات چیت کے لیے زیادہ براہ راست ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ ٹیلینسی (Tallensi) لوگوں کے ہاں ایک نوجوان (Pu– eng– yii) کی کہانی مشہور ہے جس نے اپنے خاندان کو چھوڑ کر ایک حریف خاندان میں شمولیت کرلی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ زیادہ دولت کما سکتا ہے۔ اس طرح سے اس نے خود کو اپنے خاندان سے الگ کرلیا اور اپنے اجداد کو ناراض کرنے کا باعث بنا۔ دولت کی تلاش میں پوائینگ یی کو گاڑی کے ایک حادثے میں ٹانگ پر گہرا زخم آیا۔ اس نے حادثے کا سبب جاننے کے لیے غیب دان سے مشورہ لیا۔ غیب دان نے بتایا کہ اس کے اجداد اس سے ناراض تھے اور وہی اس کے زخمی ہونے کا باعث بنے۔ درحقیقت وہ اسے مارنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اپنے منصوبے کی تکمیل میں ناکام ہوگئے۔ غیب دان نے پوائینگ یی کو کہا کہ اسے اپنے خاندان اور اجداد کی طرف لوٹ جانا اور دوسرے خاندان کے ساتھ تعلق کو توڑ دینا چاہیے۔ بدقسمت شخص نے اپنے اجداد کی اطاعت قبول کرلی اور اپنے خاندان کی طرف لوٹ گیا; اس نے موت کے خوف سے مناسب قربانیاں پیش کیں اور مکمل طور پر ہار مان لی۔

غیب دان، جن کا مرحومین سے رابطہ ہوتا ہے، بھی مستقبل کے بارے میں علم حاصل کرنے کی جستجو میں ہوتے ہیں۔ مردے نہ صرف یہ جانتے ہیں کہ حال میں زندہ لوگوں میں کیا ہو رہا ہے، بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آئندہ مستقبل میں کیا ہوگا۔ اسی لیے خصوصی مواقع مثلاً جنگ سے پہلے عموماً افریقی نتیجے کی پیشگوئی کے لیے کسی طریقہ سے اجداد سے مشورہ کریں گے۔ بہت سے دوسرے مذاہب میں اس عمل سے متوازی مثالیں اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

قربانی

افریقی مذاہب میں ایسی رسومات کے سلسلے نے ترقی پائی جن کا مقصد دیوتاؤں اور اجداد کو تسکین پہنچانا اور زندگی کی مختلف حالتوں میں مناسب عمل تغیر مہیا کرنا ہے۔ افریقی لوگوں اور عالم ارواح کے درمیان بہت سے متصل کرنے والے نکات پر قربانی کی مختلف اقسام انسان اور عالم اوراح کے درمیان راستہ ہموار کرنے یا ذریعہ ابلاغ فراہم

کرنے کی خاطر استعمال ہوتی ہیں۔

غالباً افریقی مذاہب میں قربانی کی سب سے عام صورتیں دیوتاؤں اور اجداد کے حضور پیش کیے جانے والے روزمرہ کے نذرانے ہیں۔ دیوتاؤں اور اجداد کی مشابہت کے اظہار کے لیے اس دنیا کے لوگ اپنے مشروب کا ایک قطرہ بہا دیتے یا اپنی خوراک کے نوالے اچھال دیتے ہیں۔

زیادہ پیچیدہ مواقع پر جانور کی قربانی کی جاتی ہے۔ ایسے جانوروں مثلاً کتے، پرندے، بھیڑوں، بکریوں اور مویشی کا خون دیوتاؤں کو راضی کرنے یا آزمائش اور مشکل عرصہ میں انکی مدد کو یقینی بنانے کے لیے رسماً زمین پر بہا دیا جاتا ہے۔ خون کی قربانی عموماً اس وقت دی جاتی ہے جب کوئی گروہ جنگ کی تیاری کر رہا ہو یا پھر یہ قحط سالی اور بیماری کے وقت میں کی جاتی ہے۔ شکار کے خطرناک کام میں مشغول شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ شکار شروع ہونے سے پہلے کسی ایک دیوتا کو قربانی پیش کرے۔ جدید دور میں یوروبا دیوتا' اوگن' جسے صدیوں سے لوہے کا دیوتا سمجھا جاتا ہے' اب گاڑیوں اور ٹرکوں کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا گاڑیوں کو چلانے کے خطرناک کام میں مشغول ڈرائیور اسے کتا پیش کریں گے اور اپنی کار کو اس کی علامتوں سے سجائیں گے۔ اس کی حفاظت لوہے کی دیگر اشیاء کے لیے بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ قربانی کے اس گیت میں بیان کیا گیا ہے:

اوگن سائیکل پر سواری کرتا ہے'
وہ پھاوڑے سے کاشت کاری کرتا ہے'
وہ کلہاڑے کے ساتھ درخت گراتا ہے۔

ایون کو اس سال اپنے غصے کا نشانہ مت بناؤ
اُس کا خیال رکھو۔
وہ اس سال آیا ہے'
اُسے اگلے موسم میں آنے کے قابل بناؤ۔[1]

---

[1] Ray, "African Religions." P.80

افریقہ کی جانور کی قربانی کے بہت سے مواقع پر پجاری دیوتا یا اجداد کے ساتھ قربانی کے گوشت میں سے حصہ لیتا ہے۔ قربان گاہ یا زمین پر جانور کا خون بہائے جانے کے بعد اس کا گوشت بھون یا اُبال لیا جاتا ہے۔ اس کا ایک حصہ قربان گاہ پر دیوتا کو دے دیا جاتا ہے اور ایک حصہ کو قربانی کرنے والا اور اس شخص کے گھر والے کھا لیتے ہیں۔ اس طریقہ سے زندہ لوگوں اور ارواح کے درمیان اشتراک قائم کیا جاتا ہے: یہ تقریباً عالمگیر یقین ہے کہ مل جل کر کھانا بندھن قائم کرتا ہے۔

ماضی میں بہت کم مواقع پر (مقامی افریقی مذاہب میں) انسانی قربانی مقامی افریقی مذاہب کا حصہ رہی ہے۔ اس پہلو پر فلموں' انیسویں صدی کی آدم خوری کی داستانوں اور انسانی کھوپڑیوں کے ڈھیروں نے شدت سے مبالغہ آرائی کی ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ ماضی میں افریقیوں نے انسان کی اپنے دیوتاؤں کے لیے قربانی دی' مگر ایسی قربانیاں بہت کم تھیں اور صرف نہایت سنگین صورتحال میں ہوتی تھیں۔ ایک اکی کویو (Akikuyu) قصہ ایسے وقت کے بارے میں بتاتا ہے جب زمین پر شدید قحط پڑا۔ ایک غیب دان مُصر تھا کہ ایک خاص دوشیزہ کی قربانی پر ہی بارش ہوگی۔ دوشیزہ کو گاؤں کے وسط میں رکھا گیا جہاں وہ رفتہ رفتہ زمین کے اندر اترتی چلی گئی۔ جب وہ اپنے ناک تک ڈوب چکی تھی تو بارش برسنا شروع ہوگئی۔ گھر والوں نے اس کو نظروں سے اوجھل ہونے کی اجازت دے دی تاکہ بارش جاری رہے۔ صرف ایک عاشق ہی اس کے پیچھے زمین کے اندر چلا گیا اور اس کی زندگی بچالی۔ آخرکار وہ اسے تلاش کرنے کے قابل ہوگیا اور اسے دوبارہ سطح پر لے آیا۔[1]

انسانی قربانی کی سب سے عام صورت اس وقت عمل میں آئی جب ایک عظیم بادشاہ مرگیا اور یہ یقین کیا گیا کہ اسے اگلی زندگی میں غلاموں کی ضرورت ہے۔ ایسے وقتوں میں مخصوص افراد کو مُردے کی دنیا میں اپنے آقا کا ساتھ دینے کے لیے قربان کر دیا جاتا۔ بدیہی طور پر انسانی قربانی صرف نہایت پیچیدہ حالات کے تحت کی جاتی اور اس کا یہ ہرگز مقصد نہ ہوتا کہ عالم ارواح سے ربط قائم کیا جائے۔ انسانی شکار کا گوشت

[1] "African Myths and Tales" مصنف Feldmann' ص 278-280۔

قربانی کے بعد ہرگز نہ کھایا جاتا۔ مردم خوری کسی بھی صورت میں صرف چند قبائل تک محدود نظر آتی ہے۔

اہم واقعات کی رسومات

ہر دوسرے معاشرے کی طرح طرز زندگی کے کچھ مخصوص نکات افریقی برادری اور مذہب میں رسومات سے شناخت ہوتے ہیں۔ یہ اہم واقعات پیدائش' بلوغت کا آغاز' شادی اور موت ہیں۔ ان معاشروں میں جہاں لادینی اور مذہبی کے درمیان کوئی واضح فرق موجود نہیں اہم رسومات کو عموماً مذہبی وظائف اور عہدہ داروں کے ذریعہ منظم کیا جاتا ہے۔

بچوں کی پیدائش افریقی لوگوں میں انتہائی خوشی و مسرت کا موقع ہوتا ہے۔ بچوں کو عالم ارواح کی طرف سے عظیم رحمت سمجھا جاتا ہے اور اس کے برخلاف بے اولادی لعنت تصور کی جاتی ہے۔ بے اولاد عورت کو اپنی اس بری صورتحال کی وجہ معلوم کرنے اور اس کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے دور اُفتادہ علاقوں تک جانا پڑتا تھا۔ تاہم' ہر بچے کی پیدائش کا استقبال نہیں کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر افریقی لوگ جڑواں بچوں کی پیدائش کو غیر معمولی اور برا گردانتے ہیں۔ بعض اوقات جڑواں بچے اس بات کی علامت تھے کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ وفادار نہیں رہی اور ہر بچہ کا مختلف باپ ہے۔ کبھی کبھار ایک یا دونوں جڑواں بچوں کو مار دیا جاتا۔ بعض اوقات جڑواں بچوں اور ان کی ماں کو باقی برادری سے الگ رہنے پر مجبور کیا جاتا۔ دوسرے افریقی لوگوں میں جڑواں بچوں کے خلاف ٹیبو کی صورتحال مختلف ہے اور انہیں اس برادری' جس میں وہ پیدا ہوتے ہیں' میں بہت خوش قسمت سمجھا جاتا ہے۔

بہت سے افریقی معاشروں مثلاً آشانتی میں بچوں کی زندگی کے پہلے ہفتے میں انہیں نہ تو کوئی نام دیا جاتا ہے اور نہ کوئی اہمیت۔ کیونکہ شیر خواری میں کثرت اموات کی وجہ سے خاندان کے لیے یہ غیر دانشمندانہ سمجھا جاتا کہ وہ ایک ایسی شے سے تعلق وابستہ کرلیں جو بھوت بچہ ہو سکتا ہے اور پیارے کے بھیس میں انہیں دھوکا دینے کے لیے آیا ہو۔ اگر بچہ اپنی زندگی کے پہلے ہفتہ میں زندہ رہے تو اسے حقیقی انسانی بچہ سمجھا جاتا ہے

اور اس پر توجہ اور خوشی نچھاور کی جاتی ہے۔ اس موقع پر بچے کو نام دیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں بچے کا مناسب نام منتخب کرنے کے لیے غیب دانی کا لمبا عمل کیا جاتا ہے دوسرے لوگ اجداد کے نام بولتے جاتے ہیں' یہاں تک کہ بچہ شناخت کی کوئی بھی حرکت یا اشارہ کر دیتا ہے۔ اس طرح سے اجداد کے نام زندہ رکھے جاتے ہیں۔

نام رکھنے کی تقریب عموماً بچے کو چاند کے سامنے کرنے کے عمل کے ساتھ ہوتی ہے۔ داہومی (Dahomy) کے گو (Gu) لوگ اپنے بچوں کو کئی مرتبہ ہوا میں نرمی سے اچھالتے اور انہیں ہدایت دیتے ہیں کہ چاند کو دیکھیں۔ جنوبی افریقہ کے باسوتو (Basuto) لوگ اپنے بچوں کو چاند کی طرف اٹھاتے اور کہتے ہیں: "وہاں تمہارے باپ کی بہن ہے۔" بعض افریقی لوگ پیدائش کے وقت ہی ختنہ کر دیتے ہیں' جبکہ اکثریت بلوغت کا انتظار کرتی ہے۔

نوجوان کم سنی کے دوران افریقی معاشرے میں اپنے کردار کے متعلق ہدایات وصول کرتے ہیں۔ جونہی وہ بلوغت کو پہنچتے ہیں' ہدایات زیادہ شدید ہو جاتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ خصوصی کلاسز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان گروہوں میں انہیں بالغ کرداروں کے حوالے سے ہدایات دی جاتی ہیں جن کی ان سے توقع کی جاتی ہے اور ابتدائی رسومات کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ لڑکوں کے لیے یہ رسومات بید مارنے اور سخت آزمائشوں پر مشتمل ہو سکتی ہیں تاکہ ان کی جرات اور افادیت کا امتحان لیا جا سکے۔ ان رسومات کے دوران وہ قبائلی مذہب' شگون اور اخلاقیات کے بارے میں سیکھتے ہیں۔ کچھ قبائل میں لڑکیوں کو ایک کمرہ میں بند کر دیا جاتا جہاں انہیں زیادہ کھانے اور فربہ ہونے کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ وہ زیادہ پُرکشش دلہنیں بن سکیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو جنسی رویے اور امور کے بارے میں خصوصی تربیت دی جاتی۔ بلوغت کی یہ رسومات اور ہدایات چند دنوں سے کئی سالوں تک کہیں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں جس کا انحصار قبیلے پر ہوتا ہے۔ تاہم' موجودہ سالوں میں ان کی طوالت اور شدت میں کمی ہوئی ہے کیونکہ بعض حکومتیں اس کے خلاف ہیں اور دیہاتی زندگی کی قوت میں کمی ہوئی ہے۔

لڑکوں کے لیے بلوغت کی رسومات عموماً ختنہ کی رسم میں نمایاں ہوتی ہیں۔ کوئی

نہیں جاتا کہ افریقی لوگوں میں ختنہ کی رسم کہاں اور کیسے شروع ہوئی' لیکن اس پر وسیع پیمانے پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ رسم فرائڈ کے بقول برادری کے بڑے مردوں کی نوجوانوں پر حتمی برتری ہو۔ کیونکہ ختنہ کی رسم بے ہوشی کی کوئی دوا دیئے بغیر سن بلوغت پر ادا کی جاتی ہے' اس لیے عموماً اسے جرات کا امتحان بھی سمجھا جاتا ہے۔ مبتدی سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بغیر ہچکچاہٹ اور چیخ وپکار کے جراحت قبول کرلے گا۔ بعض افریقی لوگوں میں ایک نقاب پوش شخص یہ جراحت کرتا ہے جو قبیلے کے اجداد کی نمائندگی کرتا ہے۔

بعض افریقی لوگوں میں ابھی تک عورتوں کے ختنہ کا عمل کیا جاتا ہے' لیکن اس کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے۔ بعض اوقات یہ ختنہ کی رسم بظر بریدگی (Clitoridectomy) ہوتی ہے جبکہ دیگر حالات میں لبی (Labia) کو کاٹ دیا جاتا۔ مردوں کے ختنہ کی طرح اس عمل کی کوئی واضح وجہ نظر نہیں آتی۔

سن بلوغت کی رسومات اور ہدایت کے بعد نوجوان کو بالغ سمجھا جاتا اور اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بالغ زندگی کی ذمہ داریوں اور عبادات میں شرکت کرے۔ ان بالغ خصوصیات میں سے پہلی شادی ہے۔ افریقی قبائلی شادی زیادہ مذہبی نوعیت کی نہیں ہوتی۔ شادی کے موقع پر دوشیزگی کو خصوصاً نوجوان عورتوں میں بہت زیادہ سراہا جاتا ہے۔ قبائلی رسوم اور اخلاقیات میں بعد از شادی پاکدامنی کی بھی بے حد حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ عموماً افریقی معاشروں میں کثیرالازواجی' خصوصاً کثیرزنی نظر آتی ہے۔ دوران حمل اور رضاعت شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے سے روک دیا جاتا۔ چونکہ یہ عرصہ دو یا زیادہ سال پر بھی محیط ہو سکتا ہے لہٰذا مختلف گھروں میں کئی کئی بیویاں رکھنا خاوند کے لیے دانشمندانہ خیال کیا جاتا۔ کچھ مثالیں کثیر شوہری کی بھی ملتی ہیں جہاں ایک عورت کئی بھائیوں کی بیوی ہوتی ہے۔

کئی دیگر معاشروں کی طرح افریقی مذہب میں بھی موت پر کئی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ مذاہب میں موت کی رسومات کا مقصد نئے جنم میں اس نئے مردہ کی روح کو ہر ممکن حد تک پُرسکون بناتا ہے تاکہ وہ زندہ لوگوں میں لوٹ کر نہ آسکے اور نہ انہیں نقصان پہنچائے۔ مردہ کو اپنے دیہاتوں' گھروں اور خاندانوں میں واپس آنے سے محفوظ

رکھنے کے لیے دفنانے کے دوران اور بعد میں کئی اقدامات کیے جاتے ہیں۔ عورتیں اس بات سے خوفزدہ ہوتی ہیں کہ ان کے شوہر کا بھوت لوٹ آئے گا اور ان کو بانجھ کر دے گا۔

افریقہ کی گرم آب و ہوا کی وجہ سے مُردے کو جس قدر جلد ممکن ہو سکے دفن کر دیا جاتا ہے۔ بہت کم موقعوں پر اعلیٰ مرتبت لوگوں مثلاً بادشاہوں کی لاشوں کو حنوط کرنے یا ممی بنانے کی کوششیں ہوئیں۔ ایسی بھی چند مثالیں ہیں جن میں لاشوں کو باقاعدہ ضائع کرنے کے لیے لگڑ بھگڑ کے آگے رکھ دیا جاتا' لیکن تدفین بہت عام دستور تھا۔ اگلی دنیا میں زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانے کے لیے مُردے کے ساتھ رقم' انگوٹھی' چھلا' ہتھیار اور اوزار بھی دفن کر دیئے جاتے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' عظیم بادشاہ کے ساتھ کچھ غلام بھی دفن کیے جاتے تاکہ حیات بعدالموت میں اُس کی مدد کریں۔

بعض افریقی معاشروں میں یہ عقیدہ رائج ہے کہ کوئی بیماری' بدقسمتی' نہ کوئی موت "اچانک واقع" ہوتی ہے۔ یہ چیزیں کسی قسم کے غلط کھیل یا جادوگری کے سبب واقع ہوتی ہیں۔" ماضی میں بعض اوقات مردے کو اجازت دی جاتی کہ وہ اپنی موت کا باعث بننے والی چیز کی شناخت کرے۔ لاش کو عموماً کسی گھر یا فرد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا گیا جو موت کا ذمہ دار تھا۔ بعض اوقات خطاوار فریق کے پاس سے گزرتے ہوئے لاش کندھا دینے والوں کی کمر سے گر جاتی۔ اس طرح سے ملزم ٹھہرائے جانے والے شخص کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے کچھ طریقے تلاش کرنا پڑتے۔

افریقی مذاہب میں عموماً موت کے بعد مکافات عمل اور انصاف کے عمل کے ساتھ معاد (eschatology) کا عقیدہ نہیں ہوتا۔ مردہ شخص عالم ارواح کی طرف روانہ ہو جاتا لیکن زندہ لوگوں میں دلچسپی اور پُراثر کردار کو قائم رکھتا۔ اس کے برخلاف ایک عقیدہ گھانا کے لوڈاگا (Lo Dagaa) لوگوں کا ہے۔ ان کے مذہب کے مطابق رخصت ہو جانے والا فرد اجداد کی دنیا کی طرف ایک طویل سفر طے کرتا ہے۔ اس دنیا تک پہنچنے سے بالکل پہلے ایک دریا آتا ہے۔ وہاں ایک ملاح انتظار کرتا ہے جسے دریا پار جانے کے لیے رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر مرنے والے نے اچھی زندگی گزاری ہو تو پار کرنا آسان

ہو گا۔ اگر فرد برے کردار کا مالک رہا ہو' تو اس مرد یا عورت کو تیر کر دریا پار کرنا پڑے گا جس میں تین سال لگ جائیں گے۔ وہ افراد جن کے ذمے لوگوں کا کوئی قرض ہو انہیں دریا کے کنارے پر انتظار کرنا پڑتا ہے' یہاں تک کہ دعوے دار وہاں پہنچیں اور ان کا قرض چکایا جا سکے۔ ایک دفعہ جب مُردہ مُردوں کی سرزمین پر پہنچ جاتا ہے تو وہاں مزید آزمائشیں اور رکاوٹیں ہوتی ہیں جس میں انسان کی زندگی بھر کے اعمال اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جنہیں برا ہونے کا الزام دے دیا جاتا ہے وہ اذیت میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں:

"تو نے ہمیں اس تکلیف میں کیوں مبتلا کیا؟"۔۔۔ خدا جواب دیتا ہے' اس لیے کہ "تم لوگوں نے زمین پر گناہ کیے ہیں۔" اور وہ پوچھتے ہیں' ہمیں کس نے پیدا کیا؟ جس کے جواب میں خدا جواب دیتا ہے' "میں نے تمہیں پیدا کیا۔" اور وہ سوال کرتے ہیں' "اگر تم نے ہمیں پیدا کیا ہے تو کیا ہم اپنی پیدائش کے وقت برائی کے بارے میں جانتے تھے یا تو نے ہمیں یہ دی ہے؟" خدا جواب دیتا ہے' "یہ میں نے تمہیں بتائی ہے۔" پھر لوگ خدا سے پوچھتے ہیں' "تو پھر ایسا کیوں ہوا کہ جب تم جانتے تھے کہ یہ برائی ہے تو پھر تو نے ہمیں یہ کیوں دی؟" خدا جواب دیتا ہے' "رک جاؤ' اور مجھے سوچنے دو تاکہ میں اس کا جواب تلاش کروں۔"[1]

مذہبی پیشوا

اگرچہ مقامی افریقی مذہب کا ایک بڑا حصہ رسومات پر مبنی ہے جنہیں افراد کسی پروہت کی مدد کے بغیر باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں' جیسا کہ اجداد کے نذرانے کے طور پر شراب بہایا جانا۔ مذہبی عالموں کی ضرورت اتنی زیادہ نہیں ہوتی جیسا کہ ایسے مذاہب میں ہوتا ہے جو پیچیدہ نظریات اور رسومات پر انحصار کرتے ہیں۔ افریقی مذاہب میں کبھی بھی ایسے پیشوا نہیں رہے جو خصوصی مواقع اور مقامات کے لیے ضروری ہوں۔

افریقی مذاہب میں عموماً مذہبی پیشوائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم' مغربی افریقہ

---

[1] "Afican Religion" مصنف Ray ص 146۔

میں کچھ برادریاں اپنے دیوتاؤں کے لیے معبد اور قربان گاہوں کا اہتمام کرتی ہیں۔ عبادت گاہ کے بننے پر مذہبی پیشوائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان علاقوں میں پروہت اور بعض اوقات مونث پیشوا موجود ہوتے ہیں۔ مذہبی پیشوا کو خدمت کی اجازت ملنے سے قبل ایک طویل عرصہ تک تربیتی مرحلے سے گزرنا ہوتا ہے۔ انہیں اپنے مذہب کی رسومات' اسطوریات' رقص اور ٹیبوز کی تربیت دی جاتی ہے۔

افریقہ میں سب سے زیادہ عام پائے جانے والے مذہبی عاملوں میں سے ایک نام نہاد ساحر ہوتا ہے۔ چونکہ "ساحر" کی اصطلاح اپنے اندر منفی مفہوم رکھتی ہے' اس لیے ناموں کا بہتر انتخاب "سحر کرنے والا طبیب" بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے' افریقی نظریہ دنیا میں موت اور بیماری کی کوئی فطری وجہ نہیں ہوتی۔ ان بدبختیوں کی ہمیشہ کوئی روحانی وجہ ہوتی ہے۔ کسی شخص نے متاثرہ شخص پر لعنت بھیجی ہو یا متاثرہ شخص نے شاید اجداد یا کسی دیوتا کو ناراض کیا ہو۔ لہٰذا یہ ساحر کا کام ہے کہ وہ بیماری کی وجہ تلاش کرے اور اُس کے علاج کے لیے نسخہ تجویز کرے۔ ساحر لعنت کی نوعیت اور ذمہ دار شخص کی شناخت کے لیے غیب کے علم کو استعمال کرے گا۔ ایک دفعہ یہ ہو جائے تو یہ ساحر کا فرض ہے کہ وہ لعنت اور آسیب کو دور کرنے کے لیے سحر اور جڑی بُوٹیاں استعمال کرے۔ عموماً ساحر کو چڑیلوں اور بلاؤں سے گھر کو صاف کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے' اس سے پہلے کہ اس کا مالک اس میں رہنے لگے۔

یوگنڈا کے اکولی (Acholi) باشندوں میں وہ بدروحیں جو کسی شخص کی بیماری کا سبب بنتی ہیں جوک (Jok) کہلاتی ہیں۔ زخم کو مندمل کرنے والی اجواکا (Ajwaka) کہلاتی ہیں۔ جب اجواکا بیمار آدمی کے اندر داخل ہوتی ہیں تو وہ موسیقی اور گیت کی مدد سے جوک کو مریض کے سر میں سے اوپر کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے تو اجواکا جوک کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتا ہے: "تم کیوں آئے ہو؟" تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟" آخر کار اجواکا بیمار آدمی کے اندر سے بدروح کو نکال کر ایک کدو میں قید کر دیتا اور زمین میں دفن کر دیتا ہے۔

بلاشبہ ساحر جزواً مذہبی عامل' نیم حکیم اور جزواً ماہر نفسیات ہوتا ہے۔ اس طبیب کی مہارتیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں اور بعض اوقات ان افریقی باشندوں کے ذریعے

جدید ہسپتالوں میں در آمد کی جاتی ہیں جو کسی چیز کو اتفاق پر نہیں چھوڑنا چاہتے۔ جب کوئی جوان شخص معالج کی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے اس کام میں ملوث متعدد ہنر اور رموز سیکھنے کی خاطر کئی برس تک ایک باقاعدہ طبیب کے پاس ابتدائی تربیت حاصل کرنا پڑتی ہے۔

متعدد افریقی برادریوں میں معالج غیب دان کے ساتھ قریبی طور پر منسلک ہوتا ہے۔ جادو کو استعمال میں لانا اور موجودہ مصیبت 'گزشتہ اسرار اور آئندہ چیزوں کی وجوہات کی پیش بینی کرنا غیب دان کا کام ہے۔ یہ شخص چڑیلوں اور ساحراؤں کو بھی بھگا سکتا ہے۔ کچھ افریقی برادریوں میں غیب دان بنیادی طور پر وہ شخص ہوتا ہے جو تکلیف کی وجوہ کا پتہ لگاتا ہے' جبکہ دیگر برادریوں میں پیشگوئی کا وظیفہ زیادہ اہم ہے۔

شمال مغربی زیمبیا کے نیمبو باشندوں کے درمیان افراد کو کسی روح کے زیر اثر ہونے کی حیثیت میں بطور غیب دان منتخب کیا جاتا ہے۔ کے اونگ یو نامی روح ان لوگوں کو تلاش کرتی ہے جنہیں اس نے غیب دان بنانا ہو اور یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ پہلے وہ ان افراد کو بیمار کرتی ہے۔ پھر دیوتا لوگوں پر ظاہر کرتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس طرح منتخب کردہ شخص کو ایک باضابطہ رسم اور تربیت کے ایک طویل عرصہ میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ افریقی غیب دانوں کے ہتھیار قطعی مختلف ہوتے ہیں۔ عموماً وہ کسی نمونہ کی شکل بنانے کے لیے مغزدار پھل کے چھلکے کو پھینکتے اور پھر اپنی مرضی کا جواب تلاش کرنے کے لیے نمونے کو پڑھتے ہیں۔ یوروبا کے لوگوں میں غیب دان ایک نمونے میں سے سولہ کھجور کی گٹھلیوں کو حرکت دیتا ہے۔ اس سے 256 نمونے تیار ہوتے ہیں۔ ہر نمونہ متعدد نظموں کے ساتھ ملایا جاتا ہے جن میں ہر ایک کسی ایک پیغام پر مشتمل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ابتدائی غیب دان سے توقع رکھی جاتی ہے کہ اسے کم از کم ہر نمونے کی چار نظمیں زبانی یاد ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک فرد کو غیب دان بننے کے لیے کم از کم ایک ہزار چوبیس نظمیں یاد کرنا لازمی ہیں' تجربہ کار غیب دان کو اس سے کہیں زیادہ یاد ہوں گی۔ جب نمونہ سامنے لایا جاتا اور نظم پڑھی جاتی ہے تو غیب دان وہ نظم منتخب کرے گا جو اس مرد یا عورت کے نزدیک زیادہ بامعنی ہوگی۔[1] غیب دانی

---

[1] African Religions' مصنف Ray' ص 106 تا 108۔

کے دیگر طریقے پانسہ پھینکنے اور پانی کے کٹورے میں گھورنا ہیں۔ ایک دور میں بہت سے افریقی لوگوں میں کسی ملزم کی گنہگاری یا بے گناہی کو جاننے کے لیے اُسے آزمائشوں میں سے گذارا جاتا تھا۔ مشتبہ فرد کو پینے کے لیے زہر آلود مشروب دیا جاتا۔ اگر وہ شخص نہ مرتا تو اس کی معصومیت ثابت ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں اس کی جگہ پرندے نے لی ہے۔ جب زہر سے پرندہ مرجاتا ہے تو اس کے گرنے کے انداز سے جھوٹ اور سچ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

افریقہ کے بہت سے حصوں میں وقتاً فوقتاً ملنے والا ایک اور مذہبی عہدیدار پیغمبر ہے۔ بائیبل کے پیغمبر کی طرح اس شخص کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے وہ خدا کے الفاظ بولتا ہو۔ جب کوئی سیاسی نشیب و فراز ہوتا ہے یا کوئی ناگزیر مذہبی احیائے نو کا وقت ہوتا ہے تو عیسائی رہنما اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور خدا کے اپنے بندوں کے لیے الفاظ کا اعلان کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں کئی ایسے پیغمبر تھے جنھوں نے افریقی لوگوں کی عرب غلام تجارت اور یورپی نو آبادی کی کوششوں کے خلاف قیادت کی۔ ان میں سے ایک نگنڈنیگ نامی شخص تھا جو آسمانی دیوتا ڈینگ کور کے نام پر بولنے والے اور جنوبی سوڈان کے نُوایر لوگوں میں سے ابھرا۔ افریقہ میں پیغمبرانہ شخصیات نے عموماً اپنی ذاتی شخصیت اور پیغام کی طاقت سے معتبریت حاصل کی۔ لہٰذا انہوں نے شاذ و نادر ہی اپنے جانشین چھوڑے۔

افریقہ میں نہایت پائیدار مذہبی شخصیات میں سے ایک سردار بادشاہ ہے۔ اگرچہ افریقہ میں کچھ معاشرے فرماں رواؤں کے بغیر ہیں لیکن جن کے پاس بادشاہ اور ملکہ موجود ہیں وہ انہیں بڑے تزک و احترام کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان حکمرانوں کو اجداد کی دنیا سے قبائلی رابطہ سمجھا اور قبیلے کی زندہ علامت کے طور پر محترم جانا جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ متعدد ٹیبوز کا معروض ہیں۔ کچھ معاشروں میں انہیں اس قدر مقدس خیال کیا جاتا ہے کہ عام لوگ ان کے چہروں پر بھی نظر نہیں ڈالتے۔ دیگر معاشروں میں ایسا کھانا کھنے کو یقینی موت سمجھا جاتا ہے جو کسی حکمران کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ کچھ لوگ مثلاً بانتو واقعی اپنے حکمرانوں کو مجسم دیوتا سمجھتے ہیں۔

چونکہ حکمران برادری کی نمائندگی کرتے ہیں اس لیے ان کی صحت ہر وقت اچھی

ہونا ضروری ہے۔ بیمار حکمران کا مطلب بیمار زمین ہے' چنانچہ حکمران کی کسی بھی بیماری سے فوراً نپٹنا ضروری ہے۔ کچھ معاشروں میں حکمرانوں سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ جب وہ بیمار ہوں یا بڑھاپا انہیں کمزور کرنا شروع کردے تو وہ اپنی زندگیاں خود ختم کرلیں۔ جنوبی افریقہ کے لوویڈو لوگوں کی ملکہ ہر وقت اپنے ساتھ زہر رکھتی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ وہ دیگر ذرائع سے مرنے کی بجائے اسے استعمال کرے گی۔ دیگر علاقوں اور دیگر ادوار میں ایسی کہانیاں موجود رہی ہیں جن میں بتایا گیا کہ لوگ کسی بوڑھے یا ناتواں بادشاہ کو خود ہی مار دینا ضروری سمجھتے تھے۔ کچھ صورتوں میں چند روز تک حکومت کرنے کے لیے متبادل بادشاہ چنا جاتا اور پھر اصل بادشاہ چننے پر اسے رسمی طور پر قتل کر دیا جاتا۔

ایک دفعہ حکمران مرجائے تو اس کی موت عموماً مخفی رکھی جاتی ہے تا آنکہ ایک جانشین چن کر تخت پر بٹھا دیا جائے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ سابق بادشاہ یا ملکہ مکمل طور پر دیوتا بن جاتے ہیں کیونکہ وہ اجداد کی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔

افریقی مذاہب کا مستقبل

آج دیسی افریقی مذاہب نہ صرف اسلام اور عیسائیت کی تبلیغی کوششوں بلکہ افریقہ کی شہری توسیع اور صنعتکاری کے باعث بھی زبردست دباؤ میں ہیں' کیونکہ دیسی زندگی اور رسوم کمزور پڑ رہی ہیں۔ بایں ہمہ ان مذاہب میں زندگی کے آثار بدستور موجود ہیں اور ایسے افریقی پائے جاتے ہیں جو اجداد کی روش کو جدید دنیا کی نہج پر ترجیح دیتے ہیں۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Courlander, Harold, *Tales of Yoruba Gods and Heroes.* Greenwich, Conn.: Fawcett Publications, 1973.

2) Idowu, E. Bolaji. *African Traditional Religion.* Maryknoll, N. Y.: Orbis Books, 1973.

3) King, Noel Q. *Christian and Muslim in Africa.* New York: Harper and Row, 1971.

4) King, Noel Q. *Religions of Africa.* New York: Harper and Row, 1970.

5) Parrinder, Geoffrey. *African Traditional Religion.* London: Hutchinson House, 1954.

6) Ray, Benjamin C. *African Religions: Symbol, Ritual and Community.* Englewood Cliffs, N. J.: Prentice–Hall, 1976.

دوسرا حصہ

مشرق وسطیٰ

بیسویں صدی میں عیسائیت اور اسلام دنیا کے کسی بھی دوسرے مذہب سے زیادہ پیروکار رکھتے ہیں جو دنیا کی کل آبادی کے نصف سے زیادہ ہیں۔ اقدار پر ان کے اثرات اور انسانیت کا درس ان کا عظیم کارنامہ ہے اور ان کا بنیادی علم ضروری ہے۔ یہ دونوں عظیم تبلیغی مذاہب قدیم مشرق وسطیٰ سے اُبھرے جہاں پہلے زرتشت مت اور یہودیت پیدا ہوئے تھے۔ ان دونوں مذاہب سے عیسائیت اور اسلام نے نظریہ دنیا' اخلاقیات اور خصوصا" عالمی تاریخ کے نظریات اخذ کئے جو تخلیق سے شروع ہوتے اور ایک غیبی انصاف کے ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ لہذا ان چاروں مذاہب کا مطالعہ کرہ ارض کے لوگوں کے ماضی اور مستقبل سے حقیقی طور پر آگاہ ہونے کے خواہش مند طالب علم کے لئے ضروری ہے۔

چوتھا باب

زرتشت مت

اے راستبازو! اپنا تزکیہ کرو۔ دنیا میں بسنے والا ہر انسان پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے خصوصاً جب وہ اچھے خیالات' الفاظ اور اعمال کے ذریعہ خود کو پاکیزہ کر لے۔ (وینڈی داد 9' 10)

یہ دنیا کے قدیم ترین زندہ مذاہب میں سے ایک ہے: متفقہ تاریخ کے مطابق یہ زیادہ سے زیادہ تین ہزار سال پرانا ہے۔ بعد میں آنے والے مذاہب عیسائیت اور اسلام کے برعکس زرتشت مت آج ایک لاکھ پچاس ہزار پیروکاروں کا ایک چھوٹا سا مذہب ہے۔ بایں ہمہ دنیا کے مذاہب پر کسی بھی مطالعہ میں اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہودیت' عیسائیت اور اسلام کے فروغ میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ تاریخ عالم کے طالب علم کو بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ فارس کی عظیم سلطنت کا مذہب تھا جو کبھی پورے مشرق وسطیٰ پر قابض تھا اور جس نے پانچویں صدی قبل مسیح میں یونانی شہری ریاستوں کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ فلسفے کے شوقین اس مذہب کے بانی زرتشت[1] سے میں دلچسپی لیتے ہیں جسے فریڈرک نطشے نے اپنی کتاب[2] میں مرکزی شخصیت کے

---

[1] اس مذہب کے بانی کا اصل نام غالباً "زرتشت" ہے۔ اس نام کو مغربی مصنفین نے "زرآشٹر" میں لاطینی صورت دی۔

[2] دیکھیے "Also Sprach Zarathustra" مصنف فریڈرک نطشے۔

طور پر منتخب کیا ہے۔

قبل از زرتشت فارسی مذاہب

زرتشتی مذاہب کے نقطہ آغاز کا معاملہ انتہائی پُراسرار ہے۔ موجود ادبی ذرائع تاریخوں اور واقعات سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لہٰذا قبل از زرتشت فارسیوں اور ان کے مذاہب کے بارے میں ہمارا علم بھی مشتبہ ہے۔ اس دور سے متعلقہ مرکزی ادبی ذرائع گاتھا یا قدیم زرتشت پیغمبر کی باتوں پر مشتمل ہیں اور باقی ماندہ تمام مقدس کتابیں انہی پر مبنی ہیں۔ یہ کتابیں فارسی لوگوں کی بعد کی مذہبی عادات کو منفی انداز میں پیش کرتی ہیں اور اسی وجہ سے اصل حقیقت تک رسائی مشکل ہے۔

اس خطہ ارض کے قدیم باشندے' جو بعد میں فارسی بادشاہ بنے' لوگوں کا وہ گروہ تھے جنہیں عموماً آریائی (اعلیٰ انسان) کہا جاتا ہے۔ کچھ آریائی میسوپوٹیمیا کے مشرقی خطے میں آباد رہے اور میڈو فارس سلطنت کی بنیاد بنے۔ ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے والے باقی تمام آریائی غالباً ایک جیسے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔

گاتھاؤں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریائی فطرت پرست تھے جو کئی ایک دیوتاؤں کی تعظیم کرتے تھے۔ ان دیوتاؤں میں سے بیشتر کا ذکر ہندوستانی ویدک ادب میں بھی کیا گیا ہے۔ انہیں عموماً دیو "daevas" کہا جاتا تھا اور ان کا تعلق سورج' چاند' زمین' آگ اور پانی سے تھا۔ دیوں کے اس سلسلہ سے اوپر دیوتائے جنگ اِندار جیسے بلند تر دیوتا تھے' آشا سچائی اور انصاف کا دیوتا اور اُرو وانا آسمان کا دیوتا تھا۔ ان سب میں سے مقبول عام اور نہایت اہم دیوتا متھرا تھا' جسے مویشیوں کا خالق اور محسن' روشنی کا دیوتا اور وفاداری و اطاعت کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ زرتشت نے تمام دیوتاؤں کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر متھرا کو آریائی لوگوں کے ذہن سے نہ نکال سکا۔ وہ زرتشتی روز قیامت میں عادل کے طور پر دوبارہ ظاہر ہوتا ہے; اُسے ہندوستانی ویدک ادب میں متھرا کے طور پر دیکھا جاتا ہے; اور رومن سلطنت کے دور میں متھرا کی اسطورہ پر مبنی ایک مذہب رومی فوجیوں اور تاجروں کے مابین مقبول ہوگیا اور سلطنت کے کچھ حصوں میں عیسائیت سے بغاوت کی۔

مقامی فطری دیوتاؤں سے اوپر ایک قادر مطلق تھا جسے واحد حقیقت کے طور پر شناخت کیا جاتا اور جو اہورا مزدا' "دانشمند آقا" کہلاتا تھا۔ بیشتر دیگر بنیادی مذاہب کی طرح ایک اعلیٰ دیوتا کو وہاں بھی تسلیم کیا جاتا مگر روزمرہ کی اصل عبادت کا مرکز کم اہم مقامی دیوتا ہی ہوا کرتے تھے۔

چونکہ زرتشت کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ خانہ بدوش تھے لہٰذا وہ خونی قربانیوں کے ساتھ قربان گاہوں پر فطرت کے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ ہوما پودے کے رس کے استعمال کو مقدس جانتے۔ اس کی اصل وجہ واضح نہیں ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ پجاری اس کا رس اس کی شعور ربا خوبیوں کی بناء پر پیتے تھے۔ لگتا ہے کہ آگ کی پوجا قدیم آریاؤں کے مذہب کا حصہ رہی ہے۔

مزید برآں قبل از زرتشتی آریائی یقین رکھتے تھے کہ جب کبھی مذہبی وظائف سچائی' پیغمبروں یا مصلحین سے منحرف ہو جائیں گے تو اُس وقت ساوٗ شائنت (جو برادریوں کو فائدہ پہنچائیں) نامی پیغمبر اور مصلح آئیں گے اور مذہب کی پاکیزگی کو بحال کریں گے۔ انہیں یقین تھا کہ زرتشت سے پہلے ساوٗ شائنت کا ایک سلسلہ تھا جنھوں نے مذہب کی پاکیزگی کو بحال کیا۔ بعض لوگ خود زرتشت کو آخری اور عظیم ترین مصلح سمجھتے ہیں۔

زرتشت کے حالات زندگی

بیشتر مختلف ذرائع زرتشت کی زندگی کے بارے میں معلومات مہیا کرتے ہیں۔ گاتھائیں اس کی زندگی کے بیشتر واقعات کو بیان کرتی ہیں۔ مزید برآں بہت سی یونانی اور رومن تحریریں ایسی ملی ہیں جو زرتشت کے حالات زندگی میں گہری دلچسپی ظاہر کرتی ہیں۔ افلاطون' پلائی اور پلوٹارک جیسے مصنفین کے پاس زرتشت کے بہت سے حوالہ جات محفوظ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ فیثاغورث اُس سے ملا اور یہ کہ بعد میں افلاطون نے زرتشتی کاہنوں کے ساتھ مطالعہ کی غرض سے فارس جانے کی کوشش کی مگر یونان اور فارس کے درمیان جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے اُسے روک دیا گیا۔ ان ذرائع کا بعض حصہ یقینی طور پر فرضی ہے لیکن بعض حصہ اس کی صداقت کی تصدیق کرتا ہے۔

زرتشت کی تاریخ پیدائش غیر یقینی ہے۔ بیشتر قدیم یونانی مصنفین اسے 1000 اور 600 ق-م کے درمیان بتاتے ہیں۔ دیگر اُسے سکندر سے تقریباً 3 سو سال پہلے کا سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس بارے میں کوئی واضح ریکارڈ موجود نہیں ہے' البتہ ساتویں صدی قبل مسیح سے بعد کی تاریخ مذہب کے تاریخی ارتقاء کی روشنی میں زیادہ مستند نظر آتی ہے۔

چونکہ سوانحی اعداد و شمار ناکافی ہیں اور ان میں سے زیادہ تر فرضی ہیں لہٰذا زرتشت کے متعلق اُس کی زندگی کے خاکے سے زیادہ جاننا بہت مشکل ہے۔ اُس کا نام زرتشت سپیتاما ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک جنگجو گھرانے میں پیدا ہوا جو قدیم فارس کے شاہی خاندان سے ملتا ہے۔ زرتشت کا مطلب "اونٹوں کا ملک" ہے۔ یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ وہ خانہ بدوش گھرانے سے تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق ہمارے پاس بہت کم علم ہے۔ فرضی روایات بیان کرتی ہیں کہ بدروحوں نے شیر خوار زرتشت کو اپنا زبردست سمجھ کر کئی مرتبہ مارنے کی کوشش کی۔

> وہ بد خصلت شیطان چیختے چلاتے ہوئے بھاگے: آؤ ہم آری سورا کے سر پر جمع ہو جائیں! کیونکہ وہ مقدس زرتشت پوروشاسپ کے گھر میں ابھی ابھی پیدا ہوا ہے۔ ہم اسے مارنے کی کیا تدبیر کریں؟ وہ ایک ہتھیار ہے جو دشمنوں پر گرتا ہے....."[1]

بچے کی زندگی کو ختم کرنے کی ہر کوشش اُس کی حفاظت کرنے والی قوتوں نے ناکام بنا دی۔ اس کے بچپن کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ پندرہ برس کی عمر میں اُس نے مقدس ڈوری کستی (Kusti) پہنی جو اپنے مذہب کا رکن ہونے کے طور پر اُس کی بلوغت میں داخلے کی علامت تھی۔ اُس کی زندگی پر مبنی ادب ہمیں بتاتا ہے کہ زرتشت کی تین بیویاں اور چھ بچے تھے۔ اُس کے مشاغل' تربیت یا اس کی زندگی پر ہونے والے اثرات کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔

تیس برس کی عمر میں زرتشت نے "اہورامزدا" سے الہام پایا۔ اپنی زندگی کے اس نہایت نازک موڑ پر وہ اُن مذہبی سوالات کا جواب تلاش کر رہا تھا جو اُسے تذبذب

---

[1] ژند اوستا' وندی داد سے اقتباس

میں ڈالے ہوئے تھے۔ ایک دریا کے کنارے اُسے فرشتہ ووہومانا (Vohu Mana) نو مرتبہ انسانی بھیس میں نظر آیا۔ اس ملاقات میں فرشتے نے زرتشت کو حقیقی خدا "اہورامزدا" کے بارے میں بتایا اور یہ کہ زرتشت اہورامزدا کا پیغمبر بننے والا ہے۔ اگلے دس سال میں زرتشت کو مزید الہام ہوئے۔ ہر مرتبہ اہورامزدا کے بھیجے ہوئے فرشتے اُس پر ظاہر ہوئے اور اُس پر مزید سچائی کو عیاں کیا۔ اُس نے ایک دم ہی اپنی نئی وحی کی تبلیغ شروع کردی مگر بے سود۔ دس برس تک اس نئے پیغمبر کے پیغام کی طرف کسی نے رجوع نہ کیا۔ لوگوں نے اُس پر لعنت ملامت کی اور بدروحوں نے اس کی تبلیغ کو روکنے کی کوشش کی۔ آخرکار وہ اپنے کزن میدھیوما کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کا کامیاب ہوگیا۔

زرتشت کی زندگی میں اہم موڑ اُس وقت آیا جب اُس نے اور اُس کے کزن نے وشتاسپ نامی بادشاہ کے دربار میں جانے کے لیے باکتریا کا سفر اختیار کیا۔ زرتشت نے اسے نیا مذہب سکھانے کی کوشش میں اُس کے ساتھ بات چیت کا موقع ڈھونڈا مگر یہ دونوں کام آسان نہ تھے۔ اگرچہ ان واقعات کی کہانیاں گڈمڈ ہو گئی ہیں مگر یہ بات واضح ہے کہ زرتشت نے کئی سال تک وشتاسپ کے دربار میں قیام کیا۔ اس عرصہ کے دوران باغی پجاریوں نے اُس کے خلاف سازش کی اور اُسے قید کر دیا۔ تاہم اُس نے بادشاہ کو اپنے نئے مذہب میں داخل کرلیا۔ بعض داستانوں کے مطابق یہ کامیابی اُس وقت حاصل ہوئی جب زرتشت نے وشتاسپ کے پسندیدہ گھوڑے کے زخم کو ٹھیک کیا۔ کسی بھی طرح وشتاسپ اور اس کا پورا دربار اور سلطنت اس پیغمبر کی پیرو بن گئے۔ آنے والے سالوں میں زرتشت مت تیزی سے آریائی لوگوں کے خطے میں پھیلتا چلا گیا۔ بعض اوقات مقدس جنگوں سے تبدیلی مذہب کی شرح میں اضافہ ہوا۔ توران کے ساتھ ایک جنگ کے دوران اُس شہر پر حملہ کیا گیا جس میں زرتشت قیام پذیر تھا۔ دشمن کے ایک سپاہی نے ستتر سالہ بوڑھے پیغمبر کو آتش دان میں مقدس شعلے کی پوجا کرتے ہوئے پایا اور اُسے مار دیا۔

زرتشت کی تعلیمات

خدا کی فطرت

جو کچھ زرتشت کی زندگی کے ساتھ ہوا ویسا ہی اس کی اصل تعلیمات کے ساتھ ہوا: ذرائع ناکافی اور غیر معتبر ہیں۔ اس مسئلے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ برسوں سے دیگر تعلیمات اور داستانیں اس پیغمبر کی حقیقی تعلیم میں شامل ہوتی رہی ہیں۔ تاہم زرتشت کی مرکزی تعلیم واضح دکھائی دیتی ہے: پوری کائنات میں صرف ایک حقیقی خدا ہے جس کا نام "اہورامزدا" ہے۔ اُسی نے کائنات کو پیدا کیا۔

اے مالک! مجھے سچ بتا' میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کس نے زمین کو پختگی سے قائم کیا اور آسمان کو گرنے سے محفوظ رکھا ہوا ہے؟ ندیاں اور درخت کس نے تخلیق کیے ہیں؟ ہواؤں اور بادلوں کو کس نے چلایا ہے؟ اے مزدا' کس نے اچھے خیالات کو پیدا کیا ہے؟

اے خدا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' مجھے حقیقت سے آشنا کر' تاریکی اور روشنی کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ سونا اور جاگنا کس کی تخلیق ہیں؟ فرض کی ادائیگی کے لیے عقل مند کو یاد دلانے کے طور پر کس نے صبح' دوپہر اور شام کو مقرر کیا ہے؟"[1]

اس نکتے سے زرتشت نے آغاز کیا۔ لوگ جن کی عبادت کرتے تھے اور وہ دیوتا جن کے لیے جانوروں کی قربانی نذر کی جاتی تھی' ان تمام فطرت کے دیوتاؤں (دیو) کو جھوٹے خدا قرار دے دیا گیا۔ اپنے وقت میں زرتشت کی واحدانیت انقلابی ثابت ہوئی۔ اُس سے پہلے چند ایک لوگ خدا کی واحدانیت پر یقین رکھتے تھے۔

زرتشت کے مذہب میں ایک حقیقی خدا "اہورامزدا" وہی دیوتا تھا جس کی آریائی لوگ صدیوں سے پرستش کر رہے تھے۔ زرتشت نے محض اعلان کیا کہ وہ صرف ایک خدا ہے۔ اہورا کا مطلب "آقا یا مالک" ہے اور اس ہستی کی نشاندہی کرتا ہے جس نے

[1] یاسنا' ص 44

کائنات کو تخلیق کیا اور اس پر نگران ہے۔

مزدا کا مطلب "مطلق دانش" ہے۔ لہٰذا اہورا مزدا کو عموماً "خدائے علیم و خبیر" یا "دانشور آقا" کہا جاتا ہے۔ زرتشتی صحائف اس خدا سے بیں اور نام منسوب کرتے ہیں' مثلاً وہ جس سے مراد مانگی جاتی ہے' ریوڑ فراہم کرنے والا' طاقتور' قادر مطلق' تفہیم' رحمت' لازوال' شفا دینے والا' خالق وغیرہ۔ اہورا مزدا کو نور اور ناقابل احساس خالق اور کائنات کو مالک سمجھا جاتا ہے۔

زرتشت کی اپنے خدا کی تفہیم میں اہورا مزدا خود کو چھ نمائندوں کے ذریعہ انسانوں پر منکشف کرتا ہے۔ یہ "امیش سپینتا" ہے جنہیں عموماً "مقدس لافانی فرشتے" کہا جاتا ہے۔ مغربی دانشوروں نے ان چھ نمائندوں کو عیسائی نظریے کے فرشتوں یا بعض ثانوی دیوتاؤں کے ساتھ ملایا ہے۔ تاہم تمثیلی استدلال قطعی نہیں ہے۔ یہ چھ پیکر حقیقتاً اہورا مزدا کے چھ لافانی فرشتے ہیں۔ چونکہ لوگ خدا کی فطرت کو موزوں طور پر نہیں سمجھ پاتے لہٰذا اہورا مزدا اپنی جامع فطرت کے کسی ایک پہلو کے طور پر ان کے سامنے آتا ہے۔ تین لافانی ہستیاں مذکر ناموں اور مردانہ خوبیوں سے متصف ہیں' جبکہ دیگر تین کے مونث نام ہیں اور وہ زنانہ خوبیوں کی نمائندہ ہیں۔ اس طرح اہورا مزدا کی پوری فطرت مرد اور عورت کا موزوں توازن ہے۔ تین مذکر لافانی آشا "خدا کے قانون کا علم اور بذات خود قانون" ووہومانا "محبت" اور کشترا "محبت کرنے کا عمل" ہیں۔ تین مونث لافانی آرمیتی "رحم" ہاؤرواتت "جامع یا تکمیل" اور امیری تت "لافانیت" ہیں۔ راسخ العقیدہ زرتشتی دعا کرتے ہیں کہ یہ چھ فرشتے ان کے گھروں میں آئیں اور ان پر رحمت کا سایہ کریں۔

زرتشتی کتب میں صرف چالیس فرشتوں کا ذکر ہے اور صرف تین مسلسل توجہ کا مرکز ہیں۔ یہ فرشتے سروش' "انسانیت کا نگہبان"; اس کی بہن اور مونث کردار آشی ونگوہی "اچھے اعمال کی جزا دینے والی"; اور مقبول عام متھرا ہیں جو ان سب میں "طاقتور اور سپاہیوں کے لیے مثالی ہے۔"

خدائے شر (اہر من)

غالباً زرتشت کا دنیا کے مذاہب کے حوالے سے عظیم ترین کارنامہ شر کے مسائل کے میدان میں تھا۔ دنیا خیر اور شر سے بھری ہوئی ہے۔ یہ بہت آسان ہے کہ دنیا کی نیکی کو خیر کے خدا سے منسوب کر دیا جائے' لیکن شر کا کون ذمہ دار ہے؟ اگر خالق خدا ہی دنیا کی برائی کا ذمہ داری ہے تو اس کی اچھائی اور انصاف کہاں ہے؟ بیشتر مذاہب میں تاریکی اور روحوں کی قوتیں موجود ہیں مگر دنیا کے شر کے پیچھے کار فرما قوتوں کو عیاں کرنا اور منظم انداز میں بیان کرنا زرتشت ہی کا کام تھا۔

زرتشت مت ثنائیت پسند (Dualistic) ہے یعنی ایسا مذہب جو کائنات کے اختیار کے لیے دو اعلیٰ قوتوں کو آپس میں ٹکراتے دیکھتا ہے۔ زرتشت مت کی عمومی تشریح یوں ہے کہ یہ ایک طرف خدائے خیر اور اس کے فرشتوں پر اور دوسری طرف خدائے شر اور اس کے شیاطین کا فہم رکھتا ہے۔ لیکن اگر زرتشت کی فہم کے مطابق کائنات یہ تھی تو اُسے وحدانیت کی بجائے ثنائیت کی تعلیم دینی چاہیے تھی۔ اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ عیسائیت میں اگرچہ شیطان کا تصور ہے مگر یہ بھی کثرت پرست نہیں ہے۔ زرتشت کی تعلیمات میں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے مطابق اہورامزدا سے اخذ کردہ دو ارواح ہیں: ایک سپینتا مینیو یعنی بھلائی کی روح ہے اور دوسری انگرا مینیو بد روح یعنی شر کی روح ہے۔ یہ ابتدائے آفرینش سے اکٹھی ہیں۔

> قدیم بنیادی روحیں دو ہیں جو خیالات' الفاظ اور عمل میں اچھی اور بری ہیں۔ عقلمند انسان ان دونوں میں سے اچھی کو چن لیتا ہے اور بیوقوف ایسا نہیں کرتا۔
>
> اور جب یہ دونوں روحیں آغاز میں اکٹھی ہوئیں تو انہوں نے ہستی اور عدم کو قائم کیا' اور یہ کہ آخرکار جھوٹ کے پیروکاروں کا انجام بدترین ہوگا اور سچ کے پیروکار بہترین سوچ پائیں گے۔۔۔[1]

---

[1] "یاسنا" 4-30:3

یہ دونوں قوتیں بااختیار نہیں بلکہ اہورامزدا کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے وہ تاؤ مت کے ین (Yin) اور یانگ (Yang) جیسی ہیں۔ دونوں میں سے ایک بھی دوسری کے اثر سے آزاد نہیں اور دونوں باہم مربوط ہیں۔ درست ترین بات یہ ہے کہ زرتشت مت خیر اور شر کی دونوں قوتوں کے ساتھ بدستور واحدانیت پرست ہے کیونکہ اہورامزدا ان قوتوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

انگرامینیو کو دیگر ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے اہرمن (Ahriman) اور دیگر موقعوں میں شیطان کہا جاتا ہے۔ اُسے بدروحوں کے ایک گروہ نے گھیر رکھا ہے جو انسان کو تحریص دینے اور اذیت پہنچانے کے لیے اُس کی اطاعت کرتی ہیں۔ زرتشت مت علم شیاطین کو ترقی دینے والا پہلا مذہب ہے۔ قبل از زرتشت آریائی مذہب کے تمام دیو انگرامینیو کے گروہ میں بدروحوں کے طور پر متعارف ہوئے۔ ان بدروحوں میں سے اکثر سامنے آنے والا اشما' غیظ وغضب کا بھوت یا دیو ہے۔ اشما انگرامینیو کے بعد دوسرے نمبر پر ہے جو زمین کو آلودہ کرتا اور اس میں بیماری اور موت پھیلاتا ہے۔

نوعِ انسانی کی فطرت

زرتشت نے دنیا میں بھلائی کی قوتوں کو شر کی قوتوں سے زور آزمائی کرتے دیکھا' اور اُس نے بتایا کہ انسان نے ہر قوت کے ساتھ تعاون کر کے اس جدوجہد میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ زرتشت کے خیال میں مرد و عورت کو خالص اور پاکیزہ حالت میں پیدا کیا گیا ہے اور انہیں خیر یا شر کی پیروی کا اختیار ہے۔ ان کی زندگی اور تقدیر کا انحصار ان کی آزادانہ رائے پر ہے۔ اگر وہ شر کی پیروی کرنا چاہیں تو وہ جھوٹ' نفرت' فساد اور ہر قسم کی برائی کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ اچھے اعمال کو ترجیح دے سکتے ہیں جو دنیا کو فائدہ پہنچائیں۔ کسی ضابطے کا انتخاب مکمل طور پر فرد پر منحصر ہے۔ اس حوالے سے زرتشت مت نمایاں طور پر دیگر مذاہب سے مختلف ہے۔ عیسائیت اُس حقیقی گناہ کی بات کرتی ہے جو انسان کے برے اعمال کا باعث بنتا ہے' سوائے اس کے کہ خدا اسے نجات دے۔ فطرت انسانی کے ان فلسفوں کے برعکس زرتشت مت نے تعلیم دی کہ

مرد و عورت خیر اور شر کے انتخاب میں آزاد ہیں۔

اپنے کانوں سے بلند ترین سچائیوں کو سنو جن کی میں تعلیم دیتا ہوں'
اور بصیر ذہنوں کے ساتھ ان کی اہمیت کا محتاط اندازہ کرو'
دونوں راہوں میں سے کوئی ایک منتخب کرنے سے پہلے۔۔۔
عظیم نیا دور شروع ہو جانے سے پہلے
اٹھو اور اہورا کے کلام کو پھیلاؤ[1]

خود کو عطا کردہ منطق کے ذریعے انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ سیدھے راستے کا انتخاب کرے اور اس زندگی میں حقیقی کاملیت حاصل کر لے۔ اس لیے کثیرالنوع زندگیوں کا تصور' جیسا کہ ہندومت میں ہے' زرتشت مت کے لیے ضروری نہیں ہے۔

زمین پر اِس ایک دورِ حیات میں پرجوش' پُرذوق اور بے لوث
روحیں ہی کاملیت تک پہنچ سکتی ہیں۔[2]

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی دوسرے مذہب سے زیادہ زرتشت مت میں اخلاقی ضابطے پر زور دیا جاتا ہے۔ اخلاقی ضابطہ اس لیے ممکن ہے کہ لوگ آزاد ہیں اور یہ اہم اس لیے ہے کہ یہ لوگوں کی حتمی منزل کا تعین کرتا ہے۔

زرتشتی اخلاقیات

چونکہ زرتشتی نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ اس زندگی میں خیر اور شر کے درمیان انتخاب کے لیے آزاد ہیں اور حیات بعد الموت میں اپنے اختیارات کے ذمہ دار ہوں گے' اس لیے زرتشتیوں سے ایک طویل اور مفصل ضابطہ اخلاق کی اُمید کی جاتی ہے۔ درحقیقت یہی معاملہ ہے اور زرتشتی کافی عرصہ سے قدیم اور جدید دنیا دونوں میں اپنے اعلیٰ اخلاقیاتی معیار کی وجہ سے پہچانے جاتے رہے ہیں۔

زیادہ تر زرتشتی اخلاقیات اور عبادت کی بنیادیں زمین' آگ' پانی اور ہوا کے مقدس عناصر کی تفہیم ہیں۔ ان مقدس عناصر کو تباہ یا آلودہ کرنے والی ہر چیز بُری ہے۔

---

[1] یاسنا 30:2
[2] ایضاً 51:12

لہٰذا زرتشتی دوزخ میں زمین اور پانی کو آلودہ کرنے والوں کو غیر معمولی طور پر سخت سزائیں دی جائیں گی۔ زرتشتی زندگی میں ان عناصر سے تعلق کا ذکر بار بار ملتا ہے۔

زرتشت مت اچھی سوچ' اچھے الفاظ اور اچھے اعمال کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ ایک دعا ہے: "مجھے نیک خیالات' نیک الفاظ اور نیک اعمال کرنے کی استقامت دے جو نیک سوچ' نیک کلام اور نیک عمل پیدا کریں۔" صداقت' پاکیزگی' انصاف' مہمان نوازی' اطاعت' تعلیم اور غرباء کی خدمت زرتشت مت کا پیغام ہے۔ قدیم فارسی اپنی صداقت کے باعث یونانی تاریخ دانوں کے ہاں بالخصوص مشہور تھے۔ جدید ہندوستان میں جہاں بیشتر معاصر زرتشتی رہتے ہیں' وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی' ایمانداری اور اپنے بچوں کی تربیت کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔

زرتشتی عبادت

قبل از زرتشت آریائی عبادت مختلف دیوتاؤں کے لیے کی جانے والی خونی قربانیوں پر مبنی تھی مگر زرتشت نے ان طریقوں کو انقلابی طور پر تبدیل کردیا۔ زرتشتی پوجا مرکزی طور پر اہورامزدا کے حضور سیدھے راستے پر چلنے اور برائی سے بچنے کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ عہد حاضر میں مروج بھینٹ کی واحد صورت مقدس شعلوں میں صندل کی لکڑی نذر کرنا ہے جو زرتشتی آتش گھروں میں ہر وقت جلتی رہتی ہے۔ یہ آگ وہ پجاری جلاتے ہیں جنہیں اس مقصد کے لیے خصوصی تربیت دی گئی ہو اور وہ اپنے چہروں پر ماسک پہنتے ہیں تاکہ مقدس شعلوں کو ان کی سانس آلودہ نہ کرسکے۔ سال میں خصوصی مواقع پر زرتشتی آگ کے معبد کی زیارت کرتے' صندل کے ڈھیر نذر کرتے اور مقدس آگ کی راکھ حاصل کرتے ہیں۔

مزید برآں اس قسم کی عبادت کے ساتھ زندگی کے ہر اہم موڑ پر زرتشتی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ بچے کی پیدائش پر تقریب منعقد ہوتی ہے۔ اس موقع پر گھر کی چیزوں اور ماں کی تطہیر کے بارے میں زرتشتی صحائف میں نہایت محتاط تعلیم دی گئی ہے۔

موزوں عمر میں (ہندوستان میں سات اور ایران میں دس برس) نوجوان زرتشتی کو ایک مقدس قمیض' (صدری) اور ایک مقدس ڈوری (کستی) پہنا کر اس مذہب میں

شامل کر لیا جاتا ہے۔ غسل کے سوا انہیں باقی تمام عمر یہ چیزیں پہننا ہوتی ہیں۔ کستی کو دن میں پانچ مرتبہ عبادت کے طور پر کھولا اور باندھا جاتا ہے۔ یہ مقدس بیلٹ 72 دھاگوں سے بنی ہوتی ہے جو زرتشتی صحیفے یاسنا کے 72 ابواب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دیگر دھاگے اور ان سے بنی ہوئی چیزیں وفادار زرتشتی کے دیگر پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بلاشبہ زرتشت مت میں دیگر اہم مواقع مثلاً شادی' تطہیر کا عرصہ اور پروہتوں کے انتخاب کے موقع پر تقاریب ہوتی ہیں۔ تاہم سب سے منفرد رسم موت کے وقت ادا کی جاتی ہے۔ اگر کوئی مٹی' آگ' پانی اور ہوا کو زندگی کے سب سے مقدس عناصر سمجھتا اور یقین رکھتا ہے کہ لاش سب سے زیادہ آلودہ عنصر ہے' تو مردے کو ٹھکانے کیسے لگایا جائے؟ جسم کو دفن اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مٹی کو آلودہ کرتی ہے; اسے جلانے سے مقدس آتش آلودہ ہوتی ہے اور سمندر میں پھینکنے سے پانی آلودہ ہوتا ہے۔ اس مسئلے کے زرتشتی حل نے ساری دنیا کی توجہ حاصل کی۔

جب کوئی زرتشتی مرتا ہے تو لاش کو دھویا جاتا ہے' ایک صاف ستھرا کپڑوں کا جوڑا اسے پہنایا جاتا ہے اور مرنے والے کی کستی کو جسم کے گرد لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس خاص طہارت کی تقریب کے بعد جسم کو لاش اٹھانے والے گھر سے لے جاتے ہیں۔ ماتم کرنے والوں کے ہمراہ جسم کو ایک قطعے میں لیجایا جاتا جسے داکھما یا "خامشی کا مینار" کہا جاتا ہے۔ یہ احاطہ امریکی فٹ بال سٹیڈیم جیسا لگتا ہے۔ یہ گول اور آسمان تلے کھلا ہوتا ہے۔ داکھما کے اندر کھلے قطعات اور وسط میں ایک خشک کنواں ہوتا ہے۔ جسم کو ایک احاطے میں رکھ کر اس کے کپڑے یا تو اتار دیئے جاتے ہیں یا انہیں پھاڑ دیا جاتا ہے۔ سوگ منانے والے اس جگہ سے چلے جاتے ہیں اور چند ہی لمحوں کے اندر گدھ جسم پر جھپٹ پڑتے ہیں اور اس کا گوشت نوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس علاقے میں اموات کی شرح زیادہ ہو وہاں عموماً گدھ بھاری تعداد میں داکھما کے قریب جمع رہتے ہیں اور تیس منٹ کے اندر اندر وہ جسم کو بالکل چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد جب سورج کی وجہ سے ہڈیاں خشک ہو جاتی ہیں تو انہیں داکھما کے وسطی کنویں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس طرح زرتشتی کی لاش کو مٹی' آگ اور پانی کو آلودہ کیے بغیر ختم

کر دیا جاتا ہے۔

شکاری پرندوں اور درندوں کے ذریعے مردے کو ٹھکانے لگانے کا اصول قدیم زمانے سے ہی زرتشتی زندگی کا حصہ نظر آتا ہے۔ ژیند اوستا میں درج ہے:

اور دو مضبوط و توانا مرد اپنے کپڑے تبدیل کیے ہوئے مردے کے جسم کو چٹان یا پتھریا گھر سے اٹھائیں گے اور اُسے ایسی جگہ پر رکھ دیں گے جہاں لاش کھانے والے کتے اور پرندے ہمیشہ موجود ہوں۔

مُردے کو ٹھکانے لگانا اس وقت مشکل ہوتا ہے جب گروہ چھوٹا ہو اور اموات اس قدر کم ہوں کہ داکھما کے گرد گدھوں کی تعداد ناکافی ہو۔ بعض مواقع پر غیرزرتشتی اکثریت نے اس عمل کے خلاف احتجاج کیا۔ ایسی صورتحال میں جسم کو محتاط انداز میں دفن کرنے کی اجازت ہے۔ مغرب میں رہنے والے جدید زرتشتیوں نے لاش کو الیکٹرک کے اوون کے ذریعے جلانے کا سوچا ہے تاکہ آگ آلودہ ہونے سے محفوظ رہے۔

آج زرتشت کا مذہب ایران میں معمولی اقلیت (تقریباً 11,000)، ہندوستان میں بڑی اقلیت (تقریباً ایک لاکھ) اور دنیا بھر میں چند اور اقلیتی گروہوں میں موجود ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Duchesne–Guillemin, Jacques. *Symbols and Values in Zoroastrianism*. New York: Harper and Row, 1966.

2) Herzfeld, Ernst. *Zoroaster and His World*. 2 vols. Princeton: Princeton University Press, 1946.

3) Masani, Rustom. *Zoroastrianism: The Religion of the Good Life*. New York: Macmillan, 1968.

4) Vermaseren, M. J. *Mithras, The Secret God*. Translated by Therese and Vincent Megaw, New York: Barnes and Noble Books 1963.

5) Zaehner, R. C. *The Dawn and Twilight of Zoroastrianism*. New York Putnam, 1961.

پانچواں باب

یہودیت

"سُن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔" (استثنا باب 6:5-4)

یہودیت کے متعلق بحث میں اس کی تعریف ہمیشہ ایک مسئلہ رہی ہے۔ اگر ہم کسی دوسرے مذہب کی طرح یہودیت کی وضاحت کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک یہودی دراصل وہ شخص ہے جو یہودیت کے مذہبی عقائد کے خاص فرقے کا پیرو ہو۔ کئی لحاظ سے یہ تعریف موزوں ہو سکتی ہے۔ ایک امریکی مصنف نے اپنی کتاب میں آٹھ مختلف قسم کے لوگوں کی فہرست بیان کی ہے جو امریکی معاشرے میں خود کو یہودی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ بنیاد پرست یہودی سے لے کر ایسے افراد تک ہیں جن کے والدین یا اجداد پیدائشی یہودی تھے۔

یہودیت کو مذہبی عقائد کے حوالے سے بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بعض لوگ ایسے ہیں جو یہودی تو کہلاتے ہیں مگر خود کو ملحد سمجھتے ہیں۔ ایڈولف ہٹلر نے یہودیت کو نسل کے حوالے سے بیان کرنا مصلحت آمیز سمجھا مگر جدید اسرائیل میں یہودی تقریباً ہر نسل کی جسمانی خصوصیات کے حامل ہیں۔ ہمیں یورپی، افریقی اور مشرقی یہودی نظر آتے ہیں۔ یہودی کی شناخت اس قدر پیچیدہ ہو گئی ہے کہ کسی نے کہا ہے "ایک یہودی کوئی

بھی شخص ہو سکتا ہے' کوئی بھی شخص خود کو یہودی کہلانا پسند کر سکتا ہے۔" درحقیقت یہودیت کی بالخصوص گزشتہ پچاس سالہ تاریخ اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔ اگر ہم یہودی کہلانے والے تمام لوگوں کے حوالے سے یہودیت کی تعریف نہیں کر سکتے تو ہم اُن لوگوں کی بات کر سکتے ہیں جو خود کو یہودیت کے حوالے سے متعارف کراتے ہیں۔ اگرچہ یہودیوں میں مذہبی رسومات بہت زیادہ مختلف ہیں مگر عموماً تمام یہودیوں کے درمیان ایک ہمہ گیر خصوصیت ایک خدا پر اعتقاد ہے جو تاریخی واقعات میں کارفرما ہے اور جس نے یہودیوں کو اپنے نمائندے کے طور پر منتخب کر لیا ہے۔ اس بنیادی اصول پر یہودیت قائم ہے۔

بائبلی اجداد

چونکہ یہودیت کا تعلق تاریخ میں خدا کی فعالیت کے ساتھ ہے' لہٰذا یہودی عقائد اور وظائف کو تاریخی لحاظ سے بیان کرنا ضروری ہے۔ بائبل کے مطابق خدا نے زمین پر رہنے والے سب لوگوں میں سے صرف ایک شخص اور اس کے خاندان سے خطاب کرنا ضروری سمجھا۔ ابرہام (ابراہیم) سے یہ خطاب کتاب پیدائش 12 میں مندرج ہے۔ یہ خطاب نوع انسانی کے ساتھ تباہ کن واقعات کے ایک سلسلہ کے بعد ہوا۔۔۔ آدم اور حوا' کین اور ایبل' طوفان نوح' مینار بابل' وغیرہ۔ ان تباہیوں کی وجہ سے خدا نے صرف ایک قوم یعنی آل ابرہام یا ابراہیم سے بات چیت کرنا منتخب کیا۔ ابراہیم کو خدا کے ساتھ ایک وعدہ کرنے کا کہا گیا جس میں ابراہیم سے عہد کیا گیا کہ وہ ایک بہت بڑی قوم کے باپ بنیں گے' ایک زمین کے مالک ہوں گے اور اگر انہوں نے معاہدے کی شرائط کی پابندی کی تو وہ تمام لوگوں کے لیے رحمت بن جائیں گے۔ ابراہیم اپنے بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب (یا اسرائیل) اور یعقوب کے بارہ بیٹوں کے ذریعے اس وعدہ میں کامیاب ہوئے۔ ان شخصیات کو یہودی لوگوں کے اجداد کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قوم کے طبعی اسلاف ہیں اور ان کی کہانیاں کتاب پیدائش باب 12 تا 50 میں ملتی ہیں۔ یہ کہانیاں غالباً ان اجداد کی کئی پشتوں بعد کے مصنفین نے لکھی تھیں۔ تاہم کچھ محققین ان

شخصیات کی تاریخی اہمیت' ان کے ناموں اور طرز زندگی پر شبہ کرتے ہیں۔

اگر یہودیوں کے اسلاف میں ابراہیم اور اسحاق جیسے لوگ موجود رہے ہیں تو ان کی زندگیوں اور مذہب کی نوعیت کیا تھی؟ بائبلی بیانات اجداد کو خانہ بدوشوں کے طور پر پیش کرتے ہیں جو اپنے گلوں کو ایک سے دوسری جگہ لیے پھرتے تھے۔ ابراہیم کو کالدیس کے شہر اُر کا باشندہ بتایا گیا ہے جنہوں نے خدا کے کہنے پر اپنا گھر چھوڑا اور Fertile Crescent کی مغربی طرف سرزمین کنعان کی طرف گئے۔ تاریخی لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ وہ آموریوں کی ہجرتی لہروں میں شامل ہوں جو 2000 تا 1750 ق م کے دوران Fertile Crescent میں جوق در جوق گئے۔

اگرچہ بائبل اجداد کے مذہبی عقائد اور وظائف کی کوئی مفصل تصویر پیش نہیں کرتی لیکن بیانیے اُن کی الہیات کے متعلق کافی کچھ منکشف کرتے ہیں۔ وہ ایک خدا کی عبادت کرتے تھے جو انکی قسمتوں کا راہنما تھا۔ سامیوں میں خدا کو "ایل" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس خدا کی پرستش قربان گاہوں میں سوختنی قربانیوں کے ذریعہ کی جاتی۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد (961 تا 922 ق-م) تک اسرائیلی خدا کی عبادت کسی عمارت یا معبد میں نہیں کرتے تھے۔ ابراہیم کی کہانی میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنے بیٹے اسحاق کو خدا کے حکم پر قربان کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے ہمیں اشارہ ملتا ہے کہ شاید اجداد بھی اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں کرتے ہوں۔

اجداد کے درمیان عبادت میں بنیادی ارواح پرستانہ وظائف کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ ابراہیم نے ابی ملک کے ساتھ ایک وعدہ کیا اور معاہدے پر مہر ثبت کرنے کے لیے بیئر شیبا میں ایک کنج لگایا (کتاب پیدائش باب 32,33:21) جب اسحاق (اضحاق) بیئر شیبا کے نزدیک کنویں کھود رہا تھا تو خدا نے ظاہر ہو کر وعدے کی توثیق نو کی (کتاب پیدائش باب 25:26-17)۔ یعقوب پتھر پر سو رہے تھے اور خدا نے اس کے خواب میں آکر اُن سے بات کی اور عہد نامے کی تجدید کی۔ (کتاب پیدائش باب 16:28-11) خدا کا ظہور' عہد نامے کی دوبارہ تصدیق اور ارواح پرستانہ علامتوں مثلاً درختوں' کنوؤں اور پتھروں کے درمیان تعلق اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔

اجداد پرستی میں بہت ابتداء ہی سے مرد کے ختنے کا رواج تھا۔ ختنہ کرنا بہت قدیم

اور وسیع مذہبی فعل ہے جس کا آغاز غالباً ابرہام سے نہیں ہوا تھا۔ مزید بر آں سبت کی پابندی رواج شاید اجداد پرستی کا ہی حصہ رہی ہو۔ کتاب پیدائش اس رسم کو تخلیق کے دنوں سے ملاتی ہے جب چھ دن کی محنت کے بعد خدا ساتویں روز آرام کرنے لگا۔ (کتاب پیدائش 2:2) اجداد کی کہانیوں میں سبت کے حوالے سے زیادہ وضاحت نہیں ملتی۔

"خروج"

اجداد کے مذہبی وظائف خواہ جو بھی ہوں اور خواہ وہ جن دیوتاؤں کی عبادت کرتے رہے ہوں' کتاب پیدائش میں اجداد کی کہانیاں موجود ہیں جو یہودیت کے سب سے اہم واقعہ "خروج" کی وجہ بتاتی ہیں۔

کتاب خروج کا آغاز ابرہام کے وارثوں "بنی اسرائیل" سے ہوتا ہے جو مصریوں سے اپنی آزادی کے لیے پکار رہے ہیں۔ آزادی کے اس کھیل میں مرکزی شخصیت حضرت موسیٰ ہیں۔ کئی دیگر عظیم شخصیات کی طرح موسیٰ شیر خوارگی ہی میں خطرات سے دوچار ہوئے۔ انہیں فرعون کی بیٹی نے بچایا۔ چونکہ موسیٰ نام مصری ہے لہٰذا اس داستان کی کچھ حقیقی بنیادیں ضرور ہوں گی۔

اپنے اسرائیلی ورثے کو تسلیم کرنے اور ایک غلام کے دفاع میں ایک مصری کو مارنے کے جرم میں موسیٰ کو صحرائے سینا میں بھیج دیا گیا جہاں وہ ایک گڈریے کے طور پر چالیس برس رہے۔ اُس صحرا میں ابراہیم کے خدا نے موسیٰ سے ایک جھاڑی کے پیچھے کلام کیا۔ وہ جھاڑی جل گئی مگر ختم نہ ہوئی۔ خدا نے بتایا کہ اس کا نام یہواہ تھا اور اُس نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اسرائیلیوں کو غلامی سے نجات کے لیے ان کی قیادت کریں۔ موسیٰ مصر واپس آئے اور مصریوں پر دس بڑی بلاؤں کے سلسلے کے بعد اسرائیلیوں کو نجات دلانے کے قابل ہو گئے۔ آخری آزمائش مصر میں ہر گھر میں پیدا ہونے والے پہلے بچے کی ہلاکت تھی۔ جب اسرائیلی مصر سے بھاگے تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا جو ان کی آزادی کے متعلق اپنا ذہن بدل چکا تھا۔ بحر احمر کا پانی یہواہ نے دو

حصوں میں تقسیم کر دیا اور اسرائیلیوں نے خشک راستہ سے سمندر عبور کر لیا۔ جب مصریوں نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو پانی دوبارہ اپنی جگہ پر آ گیا اور مصری اس میں غرق ہو گئے۔ یہودیوں کے مذہبی تہوار پیساک کے ساتھ یہ واقعہ بھی یہودی تاریخ کا ایک ایسا حصہ بن گیا جس میں خدا نے اپنے منتخب کردہ لوگوں کو بچانے میں ان کی مدد کی۔

اگلا اہم واقعہ کوہ سینا پر شریعت کا دیا جانا تھا۔ اسرائیلی بحیرۂ احمر کو عبور کرنے کے بعد کنعان جاتے ہوئے کوہ سینا کے پاس آئے۔ اس پہاڑ سے یہواہ نے موسیٰ کے ذریعہ اسرائیلوں سے خطاب کیا۔ یہودی زندگی کی بنیاد دس قطعی فرامین پر ہے جن کا ذکر خروج (باب 20:17—1) میں ملتا ہے۔ انہیں اس طرح مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے۔

1۔ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔
2۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔
3۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا۔
4۔ تو سبت کا دن یاد کر کے پاک ماننا۔
5۔ تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا۔
6۔ تو خون ریزی نہ کرنا۔
7۔ تو زنا نہ کرنا۔
8۔ تو چوری نہ کرنا۔
9۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔
10۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔

بنیادی طور پر یہ فرامین یہواہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اپنی برادری کے افراد کے لیے مہذب رویے پر زور دیتے ہیں۔ کتاب خروج، احبار اور گنتی و استثناء کے بعض حصوں میں مفصل ضابطہ قوانین زندگی کے ہر میدان سے لیے گئے ہیں۔ یہ قوانین موسیٰ کی ملک بدری کے دوران خدا کی طرف سے دیئے جانے کے داعی ہیں مگر ان میں سے بیشتر صدیوں سے زرعی زندگی میں قائم برادری کی عکاسی کرتے ہیں۔

جب کبھی ان قوانین کی زمرہ بندی کی گئی تو بائبل کی پہلی پانچ کتابیں (خمسہ موسیٰ)

یہودیت کے لیے بائبل کا واحد سب سے اہم حصہ بن گئیں۔ صدیوں سے یہودی اسی تحریر سے راہنمائی حاصل کرتے آئے ہیں۔ یہی تحریریں بعد میں آنے والی مِشنہ اور تالمود کے لیے بنیاد بنیں جو یہودیت کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل بن گئیں۔ اسی حوالے سے یہودیت کو شریعت کا مذہب اور یہودیوں کو خدا کی شریعت کے فرمانبردار کہا جاتا ہے۔

عبرانی سلاطین کا مذہب

اسرائیلیوں کے مذہب میں باقاعدہ موڑ اُس وقت آیا جب حضرت داوٗد اسرائیلیوں کے پہلے بارسوخ بادشاہ بنے۔ ملک کے جنوبی حصے سے تعلق رکھنے والے حضرت داوٗد کو اپنی قوم کو منظم کرنے کے لیے ایک دارالحکومت اور مسلک کی ضرورت تھی۔ انہوں نے یروشلم کو منتخب کیا اور اسے دارالحکومت بنایا۔ یروشلم کو محض اپنی جائے وقوع، دفاعی پہاڑوں اور غالباً تاریخ میں ایک مقدس مقام کے حوالے سے ترجیح دی گئی۔ داوٗدؑ اور بعد کے تاریخی واقعات نے مل کر ان خصوصیات کے باعث یروشلم کو دنیا کا اہم اور متنازعہ ترین شہر بنا دیا۔ داوٗدؑ کی ایک عسکری راہنما اور منتظم کے طور پر صلاحیتوں نے اسرائیل کو قدیم مشرقِ وسطیٰ کی کافی طاقتور اور دولتمند قوم بننے میں مدد دی۔ بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ داوٗدؑ نے یروشلم میں یہواہ کے لیے ایک جلیل القدر معبد بنانے کی خواہش کی مگر انہیں روک دیا گیا۔

معبد

معبد تعمیر کرنے کی ذمہ داری حضرت داوٗدؑ کے بیٹے اور جانشین حضرت سلیمانؑ کے کندھوں پر آن پڑی۔ اپنے والد کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے سلیمانؑ نے اپنے لیے ایک محل اور اپنے خدا کی عبادت کے لیے ایک معبد تعمیر کروایا۔ حیرت انگیز طور پر اس معبد کا نقشہ الصور کے معماروں نے بنایا جو کنعانیوں اور فنیقیوں کے دیوتا "بالم" کے پجاری تھے۔ اس معبد کی شکل بالم کے لیے بنائے گئے دیگر کنعانی معبدوں جیسی ہوگی۔ مقدس طاق کو معبد میں جگہ دی گئی اور معبد میں پجاریوں کی ایک جماعت بٹھا دی گئی اور

یہواہ کی عبادت زیادہ رسمی انداز میں ہونے لگی۔ عبادت کی مرکزی صورت جانوروں کی قربانی ہی رہی جس میں جانور کے گوشت کو صحن میں جلایا جاتا۔ معبد میں یہواہ کی عبادت ہوتی اور مقدس طاق کے سامنے رقص بھی کیے جاتے۔ (سموئیل دوم 14:6)

پیغمبرانہ تحریک

مسلک معبد کے ارتقاء کے ساتھ ہی اسرائیل کی عبادت میں ایک اور پہلو متعارف ہوا۔ بالم کی پرستش سمیت دیگر قدیم مذاہب پیغمبرانہ قیادت کو ترقی دے چکے تھے۔ اپنی ابتدائی صورت میں پیغمبر وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے عبادت کے وجدانی پہلو کو اپنا لیا تھا۔ پروہتوں کے برعکس، جن کے فرائض میں موزوں قربانیوں کی ادائیگی تھی، قدیم مذاہب کے پیغمبر رقص کرتے، اپنے خداؤں سے ہمکلام ہونے کے لیے گیت گاتے، لوبان سونگھتے اور وجدانی حالت پانے کے لیے ریاضت کرتے تاکہ اپنے دیوتاؤں کی آواز سن سکیں۔ اسرائیل کے پیغمبروں نے شاید اسی انداز میں ابتداء کی ہوگی۔[1] کبھی کبھار وہ دیگر مذاہب کے جادوگروں کے فرائض ادا کرتے۔ وہ بیمار کو شفایاب کرتے، ملعون کرتے، رحمت برساتے، پیروکاروں کے لیے خوراک مہیا کرتے اور دیگر معجزات دکھاتے۔[2]

آخر کار اسرائیلی پیغمبرانہ تحریک کا ایک حصہ شاہی گھرانے سے منسلک ہوگیا۔ دربار کے ساتھ وابستہ ہونے والا پہلا پیغمبر ناتھن تھا جو داؤد کے دربار میں شامل تھا۔ یہ ناتھن ہی تھا جس نے داؤد کو اُریا کے قتل اور اس کی بیوی لینے پر موردِ الزام ٹھہرایا، مگر ناتھن ہی نے داؤد کی وفات پر سلیمان کو تخت پر بٹھانے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا۔ شاہی گھرانوں یا کم از کم بادشاہ کے دیگر منظورِ نظر پیغمبروں میں ایلیاہ، سعیاہ اور یرمیاہ تھے۔ دیگر پیغمبروں نے عوام اور بادشاہت کے درمیان اس ظلم کے خلاف تبلیغ کی۔ اس گروہ میں نمایاں عاموس اور میکاہ تھے۔ بہت کم پیغمبر ایسے تھے جنہوں نے مشکل

---

[1] دیکھیے سموئیل اول 24:19

[2] بائبل میں اس نمونے پر چلنے والے جس پیغمبر کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات ہیں وہ الیشع ہے۔ دیکھیے سلاطین دوم، 13:2–1، 21:13

حالات میں تبلیغ کی۔ ان کے شاگردوں نے ان کی تعلیم کو یاد رکھا اور محفوظ کر لیا اور آخر کار یہ تعلیمات بائبل میں شامل کر دی گئیں۔

آٹھویں صدی قبل مسیح کے سماجی اور سیاسی نشیب و فراز میں پیغمبرانہ تحریک نے چار نمایاں شخصیات--- عاموس' ہوسیع' یسعیاہ اور میکاہ--- پیدا کیں جنہیں ان کی پیش گوئیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس بہادری کے باعث یاد کیا جاتا ہے جس کے ساتھ انہوں نے اپنے دور کی معاشرتی بے انصافیوں کے خلاف احتجاج کیا اور خوبصورت دل موہ لینے والی زبان میں اسرائیلیوں کو اپنے خدا کی طرف لوٹ آنے کی نصیحت کی۔

خداوند یوں فرماتا ہے:

"میں اسرائیل کے تین بلکہ چار گناہوں کے سبب سے انہیں بے سزا نہ چھوڑوں گا:

کیونکہ انہوں نے چاندی کے لیے صادق کو بیچ دیا اور مسکین کو جوتیوں کے جوڑے کی خاطر:

وہ مسکینوں کے سر پر کی گرد کا بھی لالچ رکھتے ہیں اور حلیموں کو ان کی راہ سے گمراہ کرتے ہیں۔"[1]

بدی کے نہیں بلکہ نیکی کے طالب ہو تاکہ زندہ رہو:

اور خداوند رب الافواج تمہارے ساتھ رہے گا جیسا کہ تم کہتے ہو۔

بدی سے عداوت اور نیکی سے محبت رکھو'

اور پھاٹک میں عدالت کو قائم رکھو:

شاید خداوند رب الافواج بنی یوسف کے بقیہ پر رحم کرے۔[2]

میں کیا لے کر خداوند کے حضور آؤں اور خدا تعالیٰ کو کیونکر سجدہ کروں!

کیا سوختنی قربانیوں اور یک سالہ بچھڑوں کو لے کر اُس کے حضور

---

[1] عاموس' 6:2

[2] عاموس' 14:5' 15

آؤں؟

کیا خداوند ہزاروں مینڈھوں سے' تیل کی دس ہزار نہروں سے خوش
ہوگا؟

کیا میں اپنے پہلوٹھے کو اپنے گناہ کے عوض میں اور اپنی اولاد کو اپنی
جان کی خطا کے بدلہ میں دے دوں!

اے انسان اُس نے تجھ پر نیکی ظاہر کردی ہے۔ خداوند تجھ سے اس
کے سوا کیا چاہتا ہے کہ

تو انصاف کرے اور رحم دلی کو عزیز رکھے اور اپنے خدا کے حضور
فروتنی سے چلے؟[1]

یہ الفاظ نجومیوں کے نہیں بلکہ پیغمبروں کے ہیں جو لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔ قدیم اسرائیل کی پیغمبرانہ تحریک دنیا کے کسی بھی مذہب کی بنیادی اخلاقی اور ادبی اقدار میں بہت نمایاں حصہ دار ہے۔

خروج اور واپسی

922 ق-م میں اسرائیلی قوم دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ شمالی قوم اسرائیل اور دونوں میں سے بڑی اور زیادہ تخلیقی تھی۔ 721 ق-م میں آشوریوں کے ہاتھوں اس کی تباہی ہوئی اور اسرائیل کے بارہ میں سے دس قبائل تاریخ سے غائب ہوگئے۔ اس قوم کو بنانے والے لوگوں کو مار دیا گیا یا انہیں غلام بنا لیا گیا۔ ان کی قسمت خواہ کچھ بھی ہوئی ہو وہ لوگ کبھی دوبارہ اسرائیل کے سرکردہ عوام نہ بن سکے اور دس گمشدہ قبائل کے طور پر مشہور ہوئے۔

جنوبی قوم یہوداہ کہلانے لگی اور باقی دو قبائل پر مشتمل تھی۔ یہوداہ آشوری دور کے سالوں میں سلامت رہی لیکن 586 ق-م میں تو بابلی سلطنت نے انجام کار اسے تباہ کردیا۔ بابلی فتح کے ساتھ یروشلم شہر نیست ہوگیا' سلیمان کا معبد مسمار کر دیا گیا اور

---

[1] میکاہ باب 6:8–6

یہوداہ کے شہریوں کو قتل کیا یا قیدی بنا لیا گیا۔ جب کہ شمالی قوم کو اپنی تباہی کے بعد محض علاقے سے نکلنا پڑا اور یہوداہ کی قوم حالت قید میں بھی اپنی شناخت' رواج اور مذہب کے ساتھ چمٹی رہی۔ اس کی قیادت ایک پیغمبر اور پادری حزقی ایل نے کی۔ حزقی ایل اور دیگر لوگوں نے قید میں یہودیوں کی شناخت کو اس طرح تشخص دیا کہ جب 538 ق-م میں فارسیوں نے بابلیوں پر غلبہ پایا تو بہت سے یہودی آزاد ہو گئے اور اپنی زندگیوں اور معبدوں کی تعمیر نو کے لیے یروشلم واپس لوٹ گئے۔

بابلی اسیری کے دوران مخصوص نظریاتی تبدیلیاں یہودیوں پر جبراً لاگو کر دی گئیں۔ پہلے وہ یہواہ کی اپنے مقامی دیوتا کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے جسے یروشلم کے معبد میں سرانجام دیا جاتا' اب معبد کو تباہ کر دیا گیا اور لوگ اجنبی مقام کی طرف منتشر ہو گئے۔ ان کی پریشان حالی کو اُس دور کے ایک نامعلوم شاعر نے یوں بیان کیا:

ہم بابل کی ندیوں پر بیٹھے'
اور صیون کو یاد کر کے روئے'
وہاں بید کے درختوں پر اُن کے وسط میں۔
ہم نے اپنی ستاروں کو ٹانگ دیا۔
کیونکہ وہاں ہم کو اسیر کرنے والوں نے گیت گانے کا حکم دیا
اور تباہ کرنے والوں نے خوشی کرنے کا'
اور کہا: "صیون کے گیتوں میں سے ہم کو کوئی گیت سناؤ!"
ہم پردیس میں
خداوند کا گیت کیسے گائیں؟[1]

حزقی ایل نے جواب دیا کہ یہواہ متحرک تھا اور بابل میں بھی اپنے لوگوں کے اتنا ہی قریب ہے جتنا یروشلم میں تھا۔[2] ایک اور پیغمبر یسعیاہ[3] نے بیان دیا کہ یہواہ

---

[1] زبور 137:4-1

[2] حزقی ایل باب 1

[3] یسعیاہ کے ابواب 60-40 کو عموماً چھٹی صدی قبل مسیح کے پیغمبروں سے منسوب کیا جاتا ہے۔

صرف اسرائیلیوں کا خدا ہی نہیں بلکہ درحقیقت تمام دنیا کے لوگوں کے لیے واحد سچا خدا ہے۔ حتیٰ کہ زرتشتی سائرس' (فارس کا بادشاہ) بھی یہواہ کا محض ایک پیغام رساں ہے۔

(میں ہی ہوں) جو سائرس کے حق میں کہتا ہوں کہ "وہ میرا چرواہا ہے
اور میری مرضی کے بالکل پوری کرے گا۔"
یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ "وہ تعمیر کیا جائے گا"
اور ہیکل کی بابت کہ "اُس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔" [1]

دراصل یہواہ کے منتخب کردہ لوگوں کی حیثیت سے یہودیوں کا مقصد دنیا کی تمام اقوام تک اس کا پیغام پہنچانا تھا۔

بلکہ میں تجھ کو قوموں کے لیے نور بناؤں گا
کہ تجھ سے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچے۔ [2]

بائبل سے یروشلم واپس آنے والے سب سے زیادہ بااثر یہودیوں میں سے ایک عزرا تھا (تقریباً 428 ق۔م)۔ وہ ایک پادری تھا جو اپنے ساتھ مقدس صحیفے کی ایک جلد لایا اور اُسے تعمیر نو پانے والے یروشلم کے شہریوں کے سامنے پڑھا۔ اس کتاب کے اصل مواد کا علم تو نہیں ہے' مگر وہ جو کچھ بھی ہو اُس نے لوگوں پر ٹھوس اثرات مرتب کیے۔ انہوں نے اس کتاب کے قوانین کے مطابق اپنی زندگیوں کی اصلاح کی اور اُسے تمام وقتوں کے لیے یہودی نہ صرف اہل شریعت بلکہ خدا کے کلام کے طور پر شریعت کی شکل دینا شروع کی۔ اُس وقت سے بعد یہ یقین کیا جانے لگا کہ خدا پیغمبروں کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی شریعت کے ذریعہ ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ محض یہواہ کے پیروکاروں کا ہی فریضہ بن گیا کہ اس کتاب کی تلاوت کریں اور اسے اپنی زندگیوں پر لاگو کریں۔

---

[1] یسعیاہ' 28:44

[2] یسعیاہ' 6:49

مذہبی دستور

کنشت (The Synagogue)

اجتماعی عبادت کے لیے معبد حاصل نہ کرسکنے اور روم' ایتھنز اور اسکندریہ کے رہنے والے یہودیوں کے لیے خونی قربانیوں کے مناسب نہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل سے باہر کے یہودیوں نے کنشت کا اہتمام کیا۔ انگریزی لفظ 'Synagogue' یونانی لفظ Synagoge سے ماخوذ ہے جس کا مطلب "اجتماع" ہے۔ کنشت دراصل ایک اجتماع ہی ہے۔ جہاں کہیں تورات کا کوئی نسخہ موجود ہو اور دس بالغ یہودی مرد (تیرہ برس سے زیادہ عمر کے افراد) ہوں وہاں کنشت ممکن ہے۔

کنشت کے ساتھ ہی ربی (rabbi) کی شخصیت سامنے آئی۔ ربی روایتی اعتبار سے کوئی پروہت یا پیشوا نہیں ہے۔ لغوی اعتبار سے لفظ ربی کا مطلب "میرا استاد" ہے۔ مزید برآں کنشت اور ربی کے ساتھ ہی اسرائیل سے باہر کی یہودی برادریوں نے دیگر نمایاں خصوصیات کو منظم کیا جنہوں نے انہیں اپنے گرد رہنے والوں سے الگ کردیا اور یہودیوں کے طور پر ان کی الگ شخصیت کو ڈھالا۔ یہودیوں نے سبت کے دن کام کرنے سے انکار کرکے خود کو غیر یہودیوں سے الگ کرلیا۔

مِشنہ (The Mishnah)

70ء کے بعد کی یہودیت کی قیادت گلیلی کی طرف نقل مکانی کرگئی۔ یہاں برسوں تک شریعت کے مفہوم پر بحثیں ہوتی رہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے دوران یہودیوں کا عظیم ترین سربراہ یہوداہ ہاناسی (یہوداہ شہزادہ) تھا۔ "یہودیت کے لیے یہوداہ کا سب سے بڑا کارنامہ شریعت کے متعلق تمام تفسیر کو اکٹھا کرنا تھا جو عزرا کے دور سے لکھی جاتی رہی تھیں۔" اس تفسیر کو چھ جلدوں پر مشتمل رسالوں کے ایک سلسلہ میں جمع کیا گیا۔ اس مجموعے کو مشنہ (یاد کرنا یا دہرانا) کہا جاتا تھا اور یہ یہودیت کی تاریخ میں ایک عظیم ادبی سنگ میل بن گیا۔

مِشنہ کے مطالعہ کے دوران قاری کو دوسری صدی کے یہودی کی خدا کی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ تب کوئی یہودی قوم نہ تھی اور 135 عیسوی کے بعد معبد کی تعمیرنو یا پادریت دوبارہ قائم ہونے کی قطعاً امید نہ تھی۔ صرف شریعت باقی رہ گئی اور اس کی اطاعت فرض بن گیا۔

تالمود (The Talmud)

بابلی یہودی برادری میں خدا کی شریعت پر بحث جاری رہی۔ مزید تعبیری، توضیحی اور واعظانہ مواد کو "گمارا" (مطالعہ) کے عنوان کے تحت اکٹھا کیا گیا۔ گمارا مشنہ اور تورات پر اضافی تفسیر سے کہیں زیادہ تھی; یہ ادب ہی تھا جس نے یہودی زندگی کے ہر دور سے تعلق قائم رکھا۔ گمارا فلسطینیوں اور بابلی برادریوں میں پروان چڑھی۔ مِشنہ کے اندر گمارا کو شامل کرنے کے نتیجے میں تالمود نے جنم لیا۔

فلسطینی تالمود تقریباً 425ء میں مکمل ہوگی یہ سائز میں اپنی بابلی تالمود کا تقریباً تیسرا حصہ ہے۔ دونوں تالمود بنیادی طور پر سامی زبان میں لکھی گئی ہیں جبکہ بعض جگہ پر عبرانی زبان بھی استعمال کی گئی ہے، اور مشنہ مکمل طور پر عبرانی زبان میں لکھی گئی ہے۔ بابلی تالمود نسبتاً بڑی اور پُراثر ہے (اس میں تقریباً 25 لاکھ الفاظ ہیں)۔ یہ 500ء میں مکمل ہوئی۔

زبانی شریعت کے طور پر تالمود یہودیت میں سب سے اہم غیربابلی کتاب بن گئی۔ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز پر بابل میں تالمود کی تکمیل سے یہودیت کی زندگی کا ایک حصہ ختم ہوگیا۔ تالمود کو تالیف کرنے والے محققین کو ان علماء نے راہنما بنایا جنہوں نے تالمود کے مطالعہ کے لیے مکاتب چلائے۔

یہودیت اور جدید دنیا

اسرائیل کی ریاست

جنگ عظیم دوم کے فوراً بعد اسرائیل کی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ 1947ء

کے لگ بھگ یہ بات یقین تھی کہ برطانیہ زیادہ عرصہ فلسطین اور اس کے دو متحارب فرقوں کو اختیار میں نہ رکھ سکے گا۔ صیونی ہزاروں بے گھر یہودیوں کے لیے ریاست قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور فلسطینی عرب اس ریاست کو فلسطین میں قائم نہ کرنے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ 1947ء میں اقوام متحدہ نے فلسطین کو یہودی اور ایک عرب ریاست میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگریز مئی 1948ء میں فلسطین سے چلے گئے اور فوراً ہی اسرائیلیوں نے اس ریاست کے حقدار ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ امریکہ اور روس نے اس بات پر آپس میں مقابلہ کیا کہ نئی قوم کو پہلے کون تسلیم کرتا ہے۔ فوراً اسرائیل پر پانچ پڑوسی عرب ریاستوں نے حملہ کر دیا۔ اُس نے یہ حملے برداشت کیے اور کم از کم جزوی طور پر یہودیوں کے لیے وطن کے صیونی خوابوں کو تعبیر دی۔ بدقسمتی سے اسرائیل کی ریاست بننے کے ساتھ ہزاروں فلسطینی عرب اپنے گھروں سے نکل کر ایک نئی قوم بن گئے۔ 1948ء سے اب تک ان میں سے بہت سوں نے مختلف پناہ گزین کیمپوں میں خوفناک زندگی گزاری ہے۔ 1967ء کی جنگ کے دوران علاقے کے کچھ حصے (جن پر پہلے عرب اقوام کا قبضہ تھا) بشمول پرانا یروشلم شہر اور یہودیوں کی مقدس زیارت گاہ دیوار گریہ بھی اسرائیلیوں کو مل گئے۔ یروشلم شہر اور اُردن کے مغربی کنارے نیز فلسطینی پناہ گزینوں کی مشکلات کا منصفانہ حل بدستور سنگین مسائل ہیں۔

یہودیت کے موجودہ فرقے

حالیہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں 1 کروڑ چوالیس لاکھ 35 ہزار نو سو یہودی ہیں۔ اسرائیل میں 30 لاکھ؛ روس میں 26 لاکھ بیس ہزار اور امریکہ میں 58,70,000 آباد ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ یہودی نیویارک شہر میں ہیں جہاں ان کی تعداد 18,36,000 ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' یہودی کی اصطلاح اپنے اندر کثیر مذہبی وظائف اور عقائد کو سمیٹے ہوئے ہے۔ دنیا بھر کے یہودی اپنے عقائد اور وظائف کے لحاظ سے متعدد حصوں میں منقسم ہیں۔

بنیاد پرست کہلانے والوں کی تعداد یہودیت میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ لوگ بائبل اور

تالمودی یہودیت کے مطابق چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سبت کی پابندی کے ساتھ ساتھ حلال خوراک پر زور دیتے ہیں۔ عبادت کے وقت مرد اور عورتیں الگ ہوتے ہیں اور دونوں کو اپنے سر ڈھانپنا ہوتے ہیں۔ راسخ العقیدہ عبادت کی زبان عبرانی ہے۔

اصلاحی "یہودیت بنیادی طور پر امریکہ اور یورپ میں مقبول ہے۔ یہ یہودی عقائد و وظائف میں ہر ممکن حد تک جدید ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی عبادت عموماً جمعہ کی شاموں میں ہوتی ہے اور اس کے کنشت معبد کہلاتی ہیں۔ مرد اور عورتیں بغیر سر ڈھانپے اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ زیادہ تر عبادت میں مقامی بولی استعمال ہوتی ہے جس کے ساتھ کبھی کبھی عبرانی زبان کی مداخلت ہوتی ہے۔

راسخ العقیدہ اور اصلاحی یہودیت کے درمیان رجعت پسند تحریک ہے۔ رجعت پسند تحریک کا احیاء 1845ء میں جرمنی سے اصلاحی یہودیت کے جواب میں ہوا۔ امریکہ کی "یہودی دینیاتی درس گاہ" امریکہ میں رجعت پسندی کا مرکز ہے۔ اس نے باقی دونوں فرقوں کے برعکس ایک تیسرا درمیانی راستہ اختیار کیا۔

یہودیوں کے مقدس دن

سبت (Shabbat)

یہودیوں کے مقدس دنوں میں اہم اور ممتاز ترین دن سبت ہے۔ یہودیت نے دنیا کو ہفتے کے چھ دن کام اور ساتواں دن عبادت اور آرام کے لیے مخصوص کردینے کی تعلیم دی۔ سبت جمعہ کو غروب آفتاب سے شروع ہوتا اور ہفتہ کو غروب آفتاب تک جاری رہتا ہے۔ جمعہ کی رات کو سبت کا آغاز شراب یا روٹی پر دعا پڑھنے ("Kiddush") اور گھر کی عورتوں کے ہاتھوں میں سبت مشعلوں کی روشنی اور رحمت سے ہوتا ہے۔ روایتی اعتبار سے ہفتے کا بہترین کھانا جمعہ کی شام کو پیش کیا جاتا ہے۔ رجعت پسند اور راسخ العقیدہ یہودی ہفتہ کی صبح میں کنشت کا اہتمام کرتے اور تورات کا ہفتہ وار حصہ تلاوت کرتے ہیں۔ سبت کے موقع پر راسخ العقیدہ یہودی آتش بازی'

گاڑیوں میں سفر کرنے‘ تمباکو نوشی‘ رقم ساتھ لانے یا کسی بھی قسم کی محنت مزدوری سے منع کرتے ہیں۔

پیساک (Pesach)

یہودیت میں ایک اور اہم تہوار پیساک کی تقریب ہے۔ یہ عبرانی مہینے نسان (مارچ‘ اپریل) کی پندرہ تاریخ سے شروع ہو کر آٹھ روز تک جاری رہتا ہے۔ یہ اسرائیلیوں کی مصری غلامی سے نجات کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ پیساک کی پہلی دو راتوں میں یہودی خاندان ایک رسمی کھانے Seder کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ خروج (Exodus) سے منسلک خوراک کھائی جاتی ہے اور خاندان کے تمام افراد خروج کی یادگیری والی رسم میں شامل ہوتے ہیں۔

ہفتوں کا تہوار (Shavuot)

پیساک کے پچاس دنوں کے بعد سیوان (مئی‘ جون) کے چھٹے اور ساتویں روز ہفتوں کا تہوار یا شیوت (Shavuot) منعقد ہوتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں اس تہوار کو پینٹکوسٹ (Pentacost) کہا جانے لگا۔ یہ تہوار سات ہفتوں بعد یعنی پچاسویں دن گندم کی فصل کے اختتام پر منایا جاتا تھا‘ بعد ازاں اسے واقعہ خروج سے منسلک کر دیا گیا جب موسیٰ علیہ السلام کوہ سینا سے دس فرمان لے کر آئے۔ اس تہوار کے دوران یہودی گھروں اور کشتوں کو پودوں اور پھولوں سے سجایا جاتا ہے۔

سالِ نو (Rosh Hashanah)

یہودیوں کا نیا سال تشرے (ستمبر‘ اکتوبر) کے مہینوں کی پہلی اور دوسری تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ روایت کے مطابق روش ہشہ کے دن "تخلیق" کے بھی اولین دن تھے۔ اس تہوار کا آغاز مدت استغفار جبکہ اختتام اگلے مقدس دن یوم کفارہ (Yom kippur) پر ہوتا ہے۔ سال نو کو خصوصی دعاؤں اور آنے والے سال کے لیے اچھی امید میں مٹھائی کھانے کے ذریعہ منایا جاتا ہے۔

یوم کفارہ (Yom kippur)

یوم کفارہ تمام یہودی تہواروں میں سے مقدس ترین دن ہے۔ اسے تشرے کے دسویں روز مدت استغفار کے اختتام پر منایا جاتا ہے۔ یہ دن روایتی طور پر کام، کھانے اور مشروب سے پرہیز کے ذریعہ منایا جاتا ہے۔ یہ دن کنشت میں گزارا جاتا ہے جہاں گناہ کی بخشش کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں۔ یہ خیرات کا بھی موقعہ ہوتا ہے۔

سُوکوتھ (Sukkot)

یوم کفارہ (Yom Kippur) کے پانچ دن بعد تشرے کی پندرہ تاریخ کو سوکوتھ منایا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ خزاں کی فصل کی کٹائی کا تہوار تھا۔ بیشتر دیگر مقدس دنوں کی طرح سوکوتھ کو واقعہ خروج کے ساتھ منسلک کردیا گیا اور اب یہ اُس وقت کی یاد دلاتا ہے جب اسرائیلی سینا کے جنگلوں میں پھر رہے تھے اور سوکوتھ میں رہتے تھے۔ بہرحال یہ تہوار نہایت خوشی کا دن ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امریکی جشن تشکر کو بائبلی سوکوتھ کے نمونے پر تشکیل دیا گیا۔

بار متزواہ (Bar Mitzvah)

اگرچہ بار متزواہ کوئی سالانہ یہودی تہوار نہیں لیکن یہ یہودی برادری کی زندگی میں ایک اہم موقع ہے۔ یہودیت کے مطابق لڑکا تیرہویں سال تک پہنچنے پر مرد بن جاتا ہے۔ وہ منیان (Minyan) کے لیے درکار دس بالغوں میں سے ایک بن سکتا ہے۔ عموماً لڑکے کو اپنے مذہب اور عبرانی زبان میں کئی سال ہدایات دے کر اس موقع کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی تیرہویں سالگرہ کے بعد سبت کے موقع پر کنشت میں مقدس صحیفے کی تلاوت کرتا ہے اور تقریر بھی کر سکتا ہے۔ یہ روایتی موقع لڑکے اور اُس کے والدین کے لیے اہم ہوتا ہے، اور بالغ ہونے والا فرد اپنے دوستوں سے کئی تحائف وصول کرتا ہے۔ بار متزواہ کہیں چودھویں صدی میں عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لیے متعارف کرایا گیا ہوگا کیونکہ تیرہ سال کی عمر ہمیشہ سے ہی یہودیت میں بلوغت کی عمر تھی۔ لڑکیوں کے لیے ایک رسم "بات متزواہ" نئی اختراع ہے۔ اسے زیادہ تر "اصلاحی"

اجتماعات میں ادا کیا جاتا ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Baron, Salo W. *A Social and Religious History of the Jews*. 3 Vols. New York: Columbia University Press, 1952.

2) Buber, Martin. *Tales of the Hasidim*. 2 Vols. New York: Schocken Books, 1948.

3) Cohen, A., ed. *Everybody's Talmud*. New York: Dutton, 1932.

4) Hertzberg, Arthur, ed., *Judaism*. New York: George Braziller, 1961.

5) Neusner, Jacob. *Between Time and Eternity, the Essentials of Judaism*. Encino, Calif.: Dickenson, 1975.

6) Trepp, Leo. *Judaism: Development and Life*. Encino.: Dickenson, 1966.

چھٹا باب

عیسائیت

یسوع نے اُس سے کہا' "راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلے کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔" (یوحنا 6:14)

اپنے پیروکاروں کی تعداد کے اعتبار سے عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ 1972ء میں رومن کیتھولک' مشرقی آرتھوڈوکس اور پروٹسٹنٹ گروہوں کی تعداد 98,53,63,400 تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ زمین پر بسنے والے تقریباً ہر تین افراد میں سے ایک کا تعلق کسی نہ کسی طرح عیسائیت سے ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اتنے زیادہ لوگوں پر مشتمل مذہب میں عقائد و وظائف کی وسیع تعداد موجود ہوگی۔ عمومی لحاظ سے عیسائیوں میں مسیح ناصری کی انفرادیت کے بارے میں ایک عقیدہ مشترک ہے کہ انہوں نے اپنی موت کے ذریعہ انسانیت کا کفارہ ادا کیا اور خود دوبارہ جی اٹھے۔ عیسائی لوگ مذہب میں داخلے کے لیے بپتسمہ پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ ایمان لانے والے کے پاس ایک زندگی ہے جس میں اُسے حیات بعد الموت کے لیے اپنی تقدیر کے متعلق فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اس تقدیر میں عموماً جنت کی ابدی رحمت یا جہنم کا دائمی عذاب شامل ہے۔

حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی و تعلیمات:

حضرت مسیح ناصری کا ذکر عیسائی ادب میں پہلی صدی عیسوی کے اختتام تک نہ تھا۔ اس وقت بھی ان کے بارے میں حوالہ جات مبہم اور ان کی زندگی کے حالات کو تشکیل دینے میں مددگار نہ تھے۔ غیر عیسائیوں کو بعض اوقات حضرت عیسیٰ کے تاریخی شخصیت ہونے پر اختلاف ہے اور یہ کہ پہلی صدی کے اختتام تک ان کے بارے میں محض عیسائی کہانیاں ہی موجود تھیں۔ واقعی ایسا تھا یا نہیں؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں مگر محدود پہلی صدی میں ان کی زندگی کے بارے میں غیر عیسائی تحریریں ملنا حقیقت ہے۔

حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی کے بارے میں واحد حقیقت یہ ہے کہ عیسائی کہلانے والے لوگوں کا ایک گروہ 60ء تا 65ء کے لگ بھگ رومن سلطنت میں متعارف ہونا شروع ہوا؛ اور انہوں نے ایک ایسی سلطنت میں جارحیت اور قتل و غارت کا مظاہرہ کیا جہاں مذہبی اختلافات کو عموماً برداشت کیا جاتا تھا۔ عیسائیت بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری قتل و غارت کا سبب بنی مگر اپنی نشوونما جاری رکھی؛ یہاں تک کہ چوتھی صدی میں بالآخر یہ رومن سلطنت کے بقیہ کا سرکاری مذہب بن گئی۔ اگرچہ عیسائیت کے جدید طالب علم ابتدائی چرچ کی تعلیمات کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں جانتے مگر اس گروہ کے بارے میں کوئی سوال نہیں کر سکتا۔

ابتدائی عیسائیوں کے معرض وجود کا مرکزی نظریہ یہ تھا کہ مسیح ناصری کو یروشلم میں پونٹیس پیلاتے کے دور حکومت میں صلیب پر چڑھایا گیا اور وہ دوبارہ جی اٹھے۔ ان کی وفات کے تقریباً چالیس برس بعد اس گروہ کے ارکان نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کی موت اور حیات نو کو مرکز بنا کر سوانحی بیانات لکھنا شروع کیے۔ جدید تحقیق متفق ہے کہ مرقس کی انجیل 70ء میں لکھی گئی۔ چرچ کے پاس محفوظ چار انجیلوں میں سے یہ مختصر ترین ہے۔ مرقس کے بعد متی اور لوقا کی انجیل آئی اور یہ دونوں 85ء میں لکھی گئی تھیں، اور اس کے بعد 90ء اور 100ء کے درمیان یوحنا کی انجیل آئی۔ درحقیقت انجیل کی یہ کتب سوانح عمری نہیں ہیں بلکہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے آخری چند مہینوں سے متعلق ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے بچپن یا لڑکپن کو شاذ ہی بیان کیا گیا ہے

اور کسی انجیل میں حضرت عیسیٰ کے جسمانی حوالے سے ذکر نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے آخری چند مہینوں کی قطعی تفصیلات بھی انجیل کی چاروں کتب میں متنازعہ ہیں۔ اگر قدیم ترین انجیل حضرت عیسیٰ کی وفات کے چالیس برس بعد لکھی گئی اور انجیل کی تمام کتب متعصب عیسائیوں نے لکھی تھیں تو یقیناً وہ معلومات کے قابل اعتبار ذرائع نہیں ہیں۔ تاہم، اپنے تمام تر ادھورے پن کے ساتھ بھی انجیل ہمیں حضرت عیسیٰ کے بارے میں بہترین معلومات مہیا کرتی ہے۔

مرقس اور یوحنا کی اناجیل یسوع مسیح کی پختہ عمر سے شروع ہوتی ہیں۔ اُن کی (حضرت عیسیٰ) پیدائش کے بارے میں متی اور لوقا میں ہی بات کی گئی ہے اور صرف لُوقا کی انجیل میں مسیح کے بچپن کے متعلق مواد ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق اناجیل میں باہمی ربط کے کچھ مسائل موجود ہیں، تاہم، وہ متفق ہیں کہ مسیح کی پیدائش بیت اللحم میں داؤد کے آبائی گھر میں ہوئی۔ متی کی انجیل مسیح کی پیدائش ہیرود اعظم کی موت (4 قبل مسیح[1]) سے دس سال قبل بتاتی ہے۔ متی اور لُوقا دونوں زور دیتے ہیں کہ مسیح کی پیدائش غیر معمولی تھی کیونکہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ وہ اس واقعہ کو آٹھ سال قبل مسیح کے عبرانی پیغمبر یسعیاہ کے الفاظ سے منسلک کرتے ہیں۔[2]

"دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اُس کا نام عمانوایل رکھے گی۔"

تمام اناجیل متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ گلیلی کے صوبہ میں ناصرہ گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے بچپن اور بلوغت کے دور کے بارے میں ہمیں صرف لوقا میں درج واقعہ ملتا ہے جس میں بارہ سالہ حضرت عیسیٰ اپنے والدین کے ساتھ ایک تہوار کے لیے

---

[1] اگر متی کی انجیل اس بارے میں درست ہے تو حضرت عیسیٰ کو 6 اور 4 ق-م کے درمیان پیدا ہونا چاہیے تھا۔ عیسائی کیلنڈر کی ترتیب کے لحاظ سے تاریخ میں چند سالوں کا فرق پڑ سکتا ہے۔

[2] یسعیاہ 14:7۔ یہ اور دیگر اقتباسات انجیل مقدس 'The Holy Bible' سے لیے گئے ہیں۔

یروشلم گئے اور شریعت کے مبلغین کے ساتھ بحث میں اس طرح مشغول ہوئے کہ ناصرہ واپس آتے ہوئے راستہ بھول گئے۔ اس واقعے کے سوا مسیح کی تیرہ برس سے قبل کی زندگی کا کہیں ذکر موجود نہیں ہے۔

لُوقا کی انجیل بتاتی ہے کہ مسیح تیس برس کے تھے جب ان کے بپتسمہ کی رسم ادا کی گئی۔ اپنے بپتسمہ کے بعد مسیح یہودائی بیابان کی طرف نکل گئے جہاں انہوں نے چالیس دن تک روزے رکھے اور غور و فکر کیا۔ اناجیل کے مطابق اس عرصہ کے دوران شیطان نے ہر قسم کے لالچ سے مسیح کو بہکانے کی کوشش کی۔ اس سوچ بچار کے عرصہ کے بعد حضرت عیسیٰؑ واپس گلیلی آئے اور تبلیغ شروع کر دی۔ یہاں شاگردوں کی ایک جماعت اُن کے ساتھ ہو گئی جو اگلے چند برس ساتھ رہی۔ اناجیل میں بارہ شاگردوں کا ذکر ہے مگر اس تعداد میں کمی بیشی ممکن ہے۔ بعض اوقات اس گروہ کے تین چار افراد مسیح کے قریب تھے۔ دیگر موقعوں پر اُن کے ہزاروں شاگرد آپ کے پیروکار نظر آتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے عوام کے ساتھ تعلقات کی مدت نامعلوم ہے۔ اس عرصہ کے واقعات متی، مرقس اور لوقا کی اناجیل میں مذکور ہیں اور اس کی مدت ایک سال تک ہے۔ جبکہ یوحنا میں یہ مدت تین سال بیان کی گئی ہے۔ روایتی طور پر عیسائی یوحنا کے بیان کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا مقام تبلیغ بھی متنازعہ ہے۔ تین اناجیل میں مسیح کو بنیادی طور پر گلیلی میں تبلیغ کرتے ہوئے اور خصوصی مواقع پر یروشلم آتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یوحنا کے مطابق مسیح نے زیادہ عرصہ یروشلم کے گرد و نواح میں یہودہ کے صوبے میں گزارا۔

تمام اناجیل متفق ہیں کہ یہ تمام عرصہ مسیحؑ نے تبلیغ اور شفاء بخشنے میں گزارا۔ وہ ہر چھوٹے بڑے گروہ میں اور ہر جگہ استاد تھے۔ شاگردوں نے انہیں ربی 'rabbi' (میرا استاد) کا خطاب دیا۔ مسیحؑ کی تعلیمات دنیا کے عظیم مذہبی علماء میں نہایت احترام سے دیکھی جاتی ہیں۔ کبھی کبھی مسیحؑ نے اپنا پیغام براہ راست سادہ الفاظ میں پہنچایا: جیسا کہ اس اقتباس سے پتا چلتا ہے:

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن

ہی کی ہے۔
مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔
مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔
مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا۔
مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔
جب میرے سبب سے لوگ تم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بُری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے۔
خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لیے کہ لوگوں نے اُن نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، اسی طرح ستایا تھا۔[1]

تاہم، حضرت مسیح کو اکثر اُن کی تمثیلی کہانیوں کے بیان کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ تمثیل (Parable) ایک مختصر اور آسان فہم کہانی ہے جس کا تعلق تمام انسانی کرداروں اور واقعات سے ہوتا ہے۔ ان کہانیوں کی خوبصورتی اور اختصار کے سبب حضرت مسیح کی تمثیلی کہانیاں بہترین طور پر یاد رکھی جاتی ہیں اور دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات میں اُن کا حوالہ سب سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ لوقا کی انجیل خصوصاً حضرت مسیح کی تمثیلی کہانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں پڑھنے والے کو ایک فضول خرچ بیٹے، گمشدہ بھیڑ اور اچھا سامری جیسی تمثیلی کہانیاں ملتی ہیں۔

"یسوع نے جواب میں کہا کہ ایک آدمی یروشلم سے یریحو کی طرف

---

[1] متی باب 3:5 تا 12

جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں میں گھر گیا۔ انہوں نے اُس کے کپڑے اتار لیے اور مارا بھی اور ادھ موا چھوڑ کر چلے گئے۔ اتفاقاً ایک کاہن اُسی راہ سے جا رہا تھا اور اُسے دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔ اسی طرح ایل لاوی اُس جگہ آیا۔ وہ بھی اُسے دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔ لیکن ایک سامری سفر کرتے ہوئے وہاں آ نکلا اور اُسے دیکھ کر اُس نے ترس کھایا اور پاس آ کر اُس کے زخموں کو تیل اور مے لگا کر باندھا اور اپنے جانور پر سوار کر کے سرائے میں لے گیا اور اُس کی خبر گیری کی۔ دوسرے دن دو دینار نکال کر بھٹیارے کو دیئے اور کہا، "اِس کی خبر گیری کرنا اور جو کچھ اِس سے زیادہ خرچ ہو گا، میں پھر آ کر تجھے ادا کر دوں گا۔"[1]

حضرت عیسیٰ کی تمام تعلیمات میں مرکزی نظریہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ عیسائیت میں مختلف فرقے اپنے مفاد والے بیانات کو الگ کر کے دعویٰ کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ حضرت عیسیٰ کا بنیادی پیغام اور تعلیم تھی۔ حضرت عیسیٰ کی بہت سی تعلیمات امن پسندانہ نظر آتی ہیں۔ مثلاً:

> تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔[2]

تاہم، یہ کہنا غلط ہو گا کہ انہوں نے اپنے عہد کے مسائل کا جواب محض اس امن پسندی کے ذریعہ دیا تھا۔ ایک موقع پر وہ اپنے پیروکاروں کو مسلح ہونے پر زور دیتے ہیں (لوقا 36:22) اور دوسرے موقع پر وہ کہتے ہیں کہ وہ امن کے لیے نہیں بلکہ تلوار لانے

---

[1] متی باب 30:5 تا 35

[2] متی باب 38:5 تا 41

کی غرض سے آئے ہیں۔ (متی 34:10)

دیگر عیسائی فرقے متفق ہیں کہ مسیحؑ کی مرکزی تعلیم یہودی شریعت پر عوام کی برتری تھی۔ درحقیقت مسیحؑ کے بیشتر افعال اور تعلیمات یہودیت کی شریعت کے خلاف رویہ ظاہر کرتی ہیں۔ انہوں نے سبت کے دن مریضوں کا علاج کیا' اور اپنے شاگردوں کو سبت کے موقع پر کھیتوں میں چلتے ہوئے گندم کے دانے اکھیڑنے کی اجازت دی۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو چیز منہ میں جاتی ہے وہ آدمی کو ناپاک نہیں کرتی' بلکہ جو منہ سے نکلتی ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہے۔[1]

اس بیان سے حلال خوراک کے یہودی قوانین کے ساتھ مسیحؑ کا تصادم نظر آتا ہے۔ تاہم' بعض مقامات پر حضرت مسیحؑ نے یہودیت کی شریعت کی جانب نہایت احترام والا رویہ اپنایا:

> یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں' بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ جو کوئی اِن چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو اُن پر عمل کرے گا اور اُن کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔"[2]

دراصل حضرت عیسیٰؑ کی بیشتر تعلیمات اُس دور کے عظیم ربیوں سے مشابہ ہیں جنہیں مشنہ میں یاد رکھا گیا ہے۔

البرٹ شوئزر نے اپنی کلاسک "The Quest for the Historical Jesus" (تاریخی مسیح کی تلاش) میں حضرت مسیحؑ کی تعلیم میں ملنے والے عقیدۂ معادیات پر

---

[1] متی 11:15

[2] متی' 11:15

بہت زور دیا ہے۔ جو لوگ شوئزر سے متفق ہیں وہ حضرت مسیحؑ کو ایسا رہنما سمجھتے ہیں جس کا عقیدہ تھا کہ دنیا کا لمحہ آخر اور نئی دنیا کا آغاز بہت قریب تھا۔

درحقیقت اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے بہت سے پہلو ہیں۔ تمام عظیم مبلغین کی طرح اُن کا تعلق انسانی اقدار سے تھا۔ انہوں نے لوگوں کو دولت کے مصائب سے خبردار کیا اور انسانوں کے مابین ہمدردی کی تبلیغ کی۔ آپ نے عوام کو رومیوں کے خلاف انقلاب کی تباہ کن ممکنات سے آگاہ کیا۔

اناجیل بتاتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ معجزے دکھاتے تھے۔ انہوں نے بیماروں' اندھوں اور لنگڑوں کو شفا دی؛ بھوکے کو کھانا دیا؛ مُردوں کو زندہ کیا؛ بلاؤں کو رفع کیا؛ وہ پانیوں پر چلے اور طوفانوں کو تھما دیا۔ معجزات حضرت عیسیٰؑ کی دنیا کا حقیقی حصہ تھے۔ انہوں نے خاموشی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا اور متواتر معجزے دکھائے۔

عوامی تبلیغ کے کچھ عرصہ بعد حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت شروع ہو گئی۔ اُن کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد دوستوں' دشمنوں اور باقی متعلقہ افراد کے ہجوم سے نکل جایا کریں۔ ایسے ہی ایک موقع پر وہ اپنے قریب ترین ساتھیوں کے ہمراہ تنہائی کے لیے شمالی علاقے (قیصریہ فلپی) کی طرف چلے گئے۔ یہاں انہوں نے اپنے شاگردوں سے پوچھا:

> "لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا کہ "یوحنا بپتسمہ دینے والا؛ اور بعض ایلیاء؛ اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔"
>
> اُس نے اُن سے پوچھا' لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟" پطرس نے جواب میں اُس سے کہا' "تو مسیح ہے۔"[2]

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے خود اور ان کے شاگردوں نے بھی انہیں پیغمبر اور مسیح تسلیم کر لیا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ وہ جلد ہی یروشلم جائیں گے اور انہیں موت کی سزا دی جائے گی۔

---

[1] متی 11:15

[2] مرقس باب 8:27 تا 29

ان واقعات کے بعد حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں نے یروشلم کے جنوب میں سفر کرنا شروع کیا۔ وہ پیساک (Passover) کے تہوار پر وہاں پہنچے۔ شہر دنیا بھر سے آنے والے یہودیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اتوار کے روز اپنی وفات سے پہلے حضرت مسیح شہر میں داخل ہوئے اور شہریوں نے ان کا استقبال کیا۔ اس روز اور اس سے بعد کے دنوں میں حضرت مسیح نے اپنا وقت معبد میں تبلیغ اور اپنے مخالفین کے ساتھ بحث کرنے میں گزارا۔ ہر سہ پہر کو وہ شہر سے باہر چلے جاتے اور چند میل کے فاصلے پر مریم' مارتھا اور لزارس کے گھر میں قیام کرتے۔

جمعرات کی شام کو حضرت عیسیٰ یروشلم آئے اور اپنے حواریوں کے ساتھ آخری کھانا کھایا۔ انہوں نے حواریوں کے ساتھ کھانا اور مشروب لیا اور اشارۃً کہا کہ یہ اُن کے شکستہ جسم اور بہتے خون کی علامات ہیں۔ کھانے کے بعد حضرت عیسیٰ اور ان کے حواری شہر سے باہر گئے جہاں انہوں نے چند گھنٹوں کے لیے عبادت کی۔ یہاں مسیح کے ایک قریب ترین حواری یہودہ نے انہیں دھوکا دیا اور مسیح کو معبد کے پہرے داروں نے گرفتار کر لیا۔ انہیں اگلی صبح سویرے یہودی عدالت عالیہ سنہیدرن میں پیش کیا گیا۔ یہ عدالتی تحقیقات کئی مزید پڑتالوں' پوچھ گچھ اور مار پیٹ کے ساتھ جاری رہیں۔ آخر کار صبح نو بجے انہیں شہر سے باہر بھیج دیا گیا اور دو باغیوں سمیت مصلوب کر دیا گیا۔ اناجیل بتاتی ہیں کہ حضرت مسیح کی وفات کے دوران کئی ایک ہیبت ناک واقعات رونما ہوئے۔ صبح تین بجے کے قریب ان کی روح پرواز کر گئی۔ انہیں صلیب سے اتار کر ایک قریبی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰ کی شدید مخالفت یہودیت کے ایک متعصب گروہ نے کی۔ یہ جوشیلے اور کٹر یہودی' جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے فوراً بعد ہی گلیلی میں ابھرے تھے' رومیوں کے سخت مخالف تھے۔ حضرت عیسیٰ کے قریبی ساتھیوں میں سے بھی ایک کو متعصب (Zealot) کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ حضرت عیسیٰ سے خوش نہ تھا کیونکہ انہوں نے روم کے خلاف سیاسی انقلاب کا رہنما بننے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت عیسیٰ کو جمعہ کے روز صلیب دی گئی اور جمعہ کی شام کو وہ قبرستان میں تھے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق اتوار کے روز صبح سویرے جب عورتیں ان کی قبر پر

آئیں تو انہوں نے قبر کو خالی پایا۔ اگلے واقعات کے بارے میں چاروں اناجیل کا مطالعہ پیچیدہ ہے۔ مرقس کے مطابق عورتوں نے قبر خالی پا کر ایک نوجوان سے اس کے متعلق پوچھا جس نے بتایا کہ مسیحؑ قبر سے اٹھ کر گلیلی کی طرف چلے گئے ہیں۔ دیگر اناجیل زیادہ واضح تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ ان کے مطابق حضرت مسیحؑ اگلے چالیس روز تک یروشلم اور گلیلی میں مختلف اوقات میں نظر آتے رہے۔ آخر کار انہوں نے اپنے دوستوں کو یروشلم سے باہر کوہ زیتون (Mount of Olives) پر اکٹھا کیا اور آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ تمام اناجیل متفق ہیں کہ قبر خالی تھی اور حضرت مسیحؑ نے موت پر فتح پالی تھی۔ اکثر کو یقین ہے کہ انہیں اس کے بعد بھی معتبر ذرائع سے دیکھا گیا۔ حیات نو کا واقعہ ابتدائی کلیسیاء کا مرکز بن گیا۔

ابتدائی عیسائیت

یروشلم کا کلیسیاء

حضرت عیسیٰؑ کی حیات نو اور اوپر اٹھنے کے بعد ان کے پیروکار یروشلم میں اکٹھے ہوئے۔ وہ غالباً اس خوف سے نکل چکے تھے کہ انہیں بھی مسیح جیسے انجام کو دیکھنا پڑے گا۔ تاہم، پیساک کے پچاس روز بعد شیووت کے تہوار پر عیسائی روح القدس کی آمد کے باعث زیادہ ہمت محسوس کر رہے تھے اور وہ اپنے عقیدے کی تبلیغ کرنے کے لیے یروشلم کی گلیوں میں نکل پڑے۔ وہ ایسی زبانوں میں تبلیغ کرنے کے اہل ہو گئے جو اس سے قبل وہ نہیں جانتے تھے اور نتیجتاً انہوں نے بیشتر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

یہ بات اہم ہے کہ یروشلم کے عیسائیوں کا یہ اصلی گروہ اور بعد ازاں دنیا بھر میں ابھرنے والے دیگر فرقے، یہودیت کا ہی ایک اور فرقہ سمجھے گئے۔ اس گروہ کے افراد اپنے پس منظر میں یہودی تھے؛ ان کی بائبل یہودی بائبل تھی؛ اور وہ یروشلم میں ہی معبد کے اندر عبادت کرتے رہے۔ ان کا جو عقیدہ انہیں دیگر یہودیوں سے ممتاز کرتا ہے، یہ ہے کہ مسیح ناصریؑ منفرد شخصیت تھے۔ ان ابتدائی عیسائیوں کے راسخ ایمان کو مختصراً بیان کرنا مشکل ہے۔ کئی صدیوں اور بحث کے طویل برسوں کے بعد بھی عیسائی

نظریے کو منظم نہیں کیا جاسکا۔

یروشلم کے کلیسیاء کے متعلق ہمیں عہد نامہ جدید میں "رسولوں کے اعمال" کے زیرِ عنوان معلومات ملتی ہیں۔ اس گروہ کی قیادت بظاہر دو افراد کے پاس تھی۔ پہلا شخص سائمن پیٹر (پطرس) تھا جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے تھا۔ اگرچہ یہ تنظیم ابتداء میں مضبوط نہ تھی مگر پیٹر یقیناً کلیسیاء کا بنیادی ترجمان تھا۔ حضرت عیسیٰ کے باقی شاگردوں کا ذکر "اعمال" میں ملتا ہے مگر کسی کے پاس پیٹر جیسا عہدہ نہ تھا۔ دوسرا اہم شخص حضرت عیسیٰ کا سوتیلا بھائی جیمز تھا جس کو یروشلم میں زیادہ سے زیادہ اثر ورسوخ حاصل ہوتا گیا۔ روایت بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تبلیغی سرگرمی کے دوران جیمز ان کا پیروکار نہ تھا بلکہ اُس نے ان کی حیاتِ نو کے بعد عیسائیت قبول کی۔ جب پیٹر دیگر برادریوں کی طرف گیا تو جیمز نے یروشلم کلیسیاء کی قیادت سنبھال لی۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی سرکاری قیادت نظر نہیں آتی۔

اعمال میں درج ہے کہ خیرات کی تقسیم میں سات افراد کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا گیا۔ ان میں سے ایک سٹیفن تھا جس نے نہ صرف کلیسیاء کے خادم کی حیثیت سے خدمت کی بلکہ گلیوں میں تبلیغ بھی کی۔ اُس کی تبلیغ نے یروشلم کے حکمرانوں کو اس قدر طیش دلایا کہ اُسے سرکاری طور پر سنگسار کر دیا گیا۔ اس طرح سٹیفن عیسائیت کا پہلا شہید بنا۔ اُس کی موت یروشلم میں عیسائیوں کو موت کی سزائیں دینے کے سلسلے کی محض ایک کڑی تھی۔ اس قتل و غارت کی وجہ سے بیشتر عیسائی یروشلم چھوڑ گئے اور اپنے عقیدے کو یہوداہ اور سلطنت روم کے دیگر مراکز میں لے آئے۔

عہد نامہ جدید کی تدوین:

ابتدائی کلیسیاء کی بائبل یہودی بائبل تھی۔ عیسائی یسعیاہ، میکاہ اور زکریاہ پیغمبروں کی تعلیم کو پڑھتے اور ان میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کی پیشگوئی دیکھتے ہیں۔ سال گزرنے کے ساتھ ساتھ عیسائی ادب ترقی پانا شروع ہوا۔ غالباً ابتدائی عیسائی تحریریں وہ خطوط تھے جو سینٹ پال نے مختلف عیسائی جماعتوں کو لکھے۔ یہ خطوط پہلی صدی کی پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں شروع ہوئے۔ عہد نامہ جدید کی موجودہ ستائیس کتابوں میں سے چودہ

یہی خطوط ہیں جو پال نے لکھے' اگرچہ جدید تحقیق اس بات کو رد کرتی ہے کہ تمام خطوط اُن کے قلم سے تحریر شدہ ہیں۔ یہ خطوط عقیدے' قیادت اور عبادت کے متعلق ابتدائی کلیسیاء کو کی جانے والی نصائح پر مشتمل ہیں۔ بعض اوقات ان میں پال اور دیگر ابتدائی اہل کاروں کے متعلق سوانحی مواد بھی ملتا ہے جو کہیں اور نظر نہیں آتا۔ رومیوں اور رگلتیوں کے نام اپنے خطوط میں پال نے پہلی مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی' موت اور حیات نو کی اہمیت کی منظم تفہیم بیان کی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد عیسائیوں نے بلاشبہ اُن کی زندگی اور تعلیم کے واقعات کی یادگاریں لکھیں۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی تعلیمات کا مجموعہ نئے عیسائیوں کی ہدایت میں استعمال کرنے کے لیے تالیف کیا گیا تھا۔ تاہم عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی کہانی لکھنے کی محتاط کوشش کبھی نہیں کی کیونکہ وہ ان کی جلد ہی واپسی کی توقع کر رہے تھے۔ جوں جوں سال گزرتے گئے اور حضرت عیسیٰؑ کو ذاتی طور پر جاننے والے افراد مرنا شروع ہو گئے (معمر ہونے یا موت کی سزا سے)' تو چند ایک عیسائی ہی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے متعلق یقینی واقعات لکھنے کے قابل ہو سکے۔ 70ء میں رومی افواج چار سال پہلے شروع ہونے والے یہودی انقلاب کو ختم کرنے کے لیے یروشلم کے قریب آ گئیں۔ موسم گرما کے اختتام پر یروشلم اور اس کا معبد تباہ کر دیئے گئے اور ساتھ ہی یروشلم کا کلیسیاء اور حضرت مسیحؑ سے متعلقہ شہادتیں بھی ختم کر دی گئیں۔ اسی واقعہ کی بناء پر عیسائیوں کو حضرت مسیحؑ کی زندگی کے آخری چند ماہ کے واقعات کو مختصراً اکٹھا کرنا اور اسے مرقس کی انجیل کے طور پر شائع کرنا پڑا۔ اگلی دہائی میں دو مزید مفصل اناجیل متی اور لوقا نے مرقس کو بنیاد بنایا۔ یوحنا کی انجیل مواد' ترتیب اور تعلیم کے لحاظ سے دیگر اناجیل سے مختلف ہے۔ اسے تقریباً 90ء اور 100ء کے درمیانی عرصہ میں لکھا گیا' اگرچہ اس کی تاریخ کسی بھی لحاظ سے قطعی نہیں ہے۔ رسولوں کے اعمال لوقا کے مصنف نے غالباً اس انجیل کے تسلسل میں لکھے۔

غیر موسوم مصنفین کے دیگر خطوط غالباً 90ء اور 150ء کے درمیان لکھے گئے اور عہد نامہ جدید میں آٹھ کتب پر مشتمل ہیں۔ ان کتب کے علاوہ کئی اور خطوط' اناجیل اور تواریخ لکھی گئیں۔ عہد نامہ جدید کو تشکیل دینے والی ستائیس کتب غالباً دوسری

صدی کے اختتام تک عیسائیت کی بہترین منظم کتب تھیں۔

عیسائیت سلطنت روما کے مذہب کی حیثیت سے:

64ء اور 330ء کے درمیانی عرصہ کے دوران عیسائیت کو سلطنت روما میں تردید اور قبولیت کے کئی مراحل سے گزرنا پڑا۔ سرکاری طور پر یہ سلطنت تمام مذاہب کے لیے غیر جانبدار تھی۔ تاہم' عیسائیوں کو بعض اوقات سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایسا سرکاری رومی دیوتاؤں کو قبول کرنے اور سرکاری مواقع پر ان کی عبادت کرنے سے انکار کرنے پر ہوتا۔ یہودی بھی اس مسئلے پر مشکل میں تھے۔ مزید برآں عیسائی فرقے کو رومیوں کی طرف سے کئی قسم کی برائیوں پر لعن طعن سننا پڑتی۔ چونکہ عیسائی زیادہ تر غلام طبقے سے تھے اور اکثر تنہائی میں ملاقاتیں کرتے تھے لہٰذا اُن پر خفیہ بری رسوم مثلاً گوشت کھانے اور خون پینے کا الزام لگایا جاتا۔ ان پر جنسی بے راہ روی کا بھی الزام لگایا گیا۔ جیسے جیسے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور انہوں نے رومن فوج کے افراد بننے سے وقتاً فوقتاً انکار کیا تو ان کی مخالفت بھی بڑھتی گئی۔ نتیجے کے طور پر موت کی کئی سزائیں ہوئیں۔

دوسری صدی میں بھی سزائے موت کے کئی سنگین واقعات دوبارہ ہوئے۔ سلطنت میں عیسائیوں کی قانونی حیثیت ہرگز محفوظ نہ تھی اور کسی بھی وقت مقامی سرکاری افسران ان پر دباؤ ڈال سکتے تھے۔ شہنشاہ ہیڈریان (117 تا 138ء) اور مارکس آریلیئس (161ء تا 180ء) کے دور میں سزائے موت دینے کا رواج وسعت اختیار کر گیا۔ اس دور میں پرانی رومی سلطنت اندرونی اور بیرونی قوتوں سے الگ ہو رہی تھی اور شہنشاہ عیسائیوں کو اتحاد اور قدیم رومن انداز و اطوار کے لیے خطرہ سمجھنے لگے۔ لہٰذا انہوں نے روم کو دوبارہ عیسائیت سے قبل کے دور جیسا بنانے کی اُمید میں عیسائیوں کو قتل کیا۔

عیسائیوں کی گاہے بگاہے اموات کا سلسلہ ایک سلطنت گیر تحریک میں شہنشاہ ڈائیکولیشان کے عہد میں اپنے عروج کو پہنچا۔ یہ تحریک دس برس جاری رہی۔ اس کے بعد کانسٹنٹائن (قسطنطین) کا دور حکومت آیا۔ یہ شہنشاہ خود تو عیسائی نہ تھا مگر اپنی عیسائی

بیوی اور ماں سے متاثر تھا۔ اگرچہ اُس نے عیسائیت کو سلطنت روما کا مذہب نہ بنایا مگر دیگر مذاہب کی طرح اس سے ہمدردی کا سلوک کیا۔ دو سال بعد اپنی موت کے وقت کانسٹنٹائن نے آخرکار بپتسمہ دیئے جانے کو قبول کرلیا اور سرکاری طور پر کانسٹنٹائن کے بعد کے کئی شہنشاہوں نے پرانے رومی مذاہب کو سرکاری طور پر بحال کرنا چاہا۔ مگر تھیوڈوسیئس کے دور حکومت میں عیسائیت سلطنت روما کا سرکاری مذہب بن گئی اور اس نے تمام دیگر مذاہب کو زیر کرلیا گیا۔

قرون وسطیٰ کی عیسائیت

سلطنت روما کے زوال اور جدید یورپی اقوام کے عروج کے درمیانی عرصہ کو عموماً "قرون وسطیٰ (Medieval)" کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں عیسائی کلیسیاء مشرقی اور مغربی یورپ دونوں کی مجموعی ثقافت میں مرکزی قوت تھی۔

قسطنطنیہ کے شہر اور سلطنت روما (330ء) کے نئے دارالحکومت کے قائم ہونے کے وقت سے رفتہ رفتہ مشرقی اور مغربی یورپ کے عیسائیوں کے درمیان وسیع خلیج پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ یہ بنیادی تقسیم سیاسی، جغرافیائی اور اسی طرح نظریاتی بھی تھی۔ جب کانسٹنٹائن نے مشرق میں اپنا دارالحکومت قائم کرکے کلیسیاء کی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی اور نظریاتی اختلافات دور کرنے کے لیے Nicea کی مجلس بلائی۔ اُس کے جانشینوں نے اُس کے نمونے پر عمل کیا اور عموماً مذہبی امور میں اہم کردار ادا کیا۔ مغرب میں روم کی کوئی باا‌ثر سیاسی قیادت نہ تھی۔ اس خلاء میں کلیسائے روم کے قابل بشپ آگے بڑھے، جنہوں نے قدیم سیزروں کے کچھ لقب اختیار کیے۔

مشرق و مغرب کے مابین نظریاتی اختلافات بنیادی تھے۔ بیشتر عظیم مفکرین اور ابتدائی کلیسیاء کے سربراہان کا تعلق شمالی افریقہ اور ایشیا سے تھا۔ بیشتر ابتدائی مذہبی اجلاس بھی مشرق میں منعقد ہوئے جنہوں نے عیسائی عقیدے کو تشکیل دیا۔ مشرقی عیسائی نظریاتی تشکیل میں دلچسپی لیتے تھے لہٰذا کئی خصوصی مسائل پر وہ آپس میں بٹ گئے۔ مغربی عیسائی زیادہ تر عملی پہلوؤں پر یقین رکھتے تھے۔ مشرقی علماء دین حضرت

عیسیٰ ؑ کی الوہی فطرت پر جبکہ مغربی مفکرین ان کے انسان ہونے پر زور دیتے تھے۔

مشرقی اور مغربی عیسائیوں کے مابین پاپائیت (Papacy) سب سے بڑا افتراقی مسئلہ تھا۔ مشرق کے تمام بڑے شہروں میں ایسے دانشور پادری تھے جنہیں قبیلے کا سربراہ سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ قسطنطنیہ دارالحکومت تھا مگر اس کا پادری دیگر بڑے شہروں کے پادریوں سے زیادہ اعلیٰ مقام ہرگز حاصل نہ کر سکا۔ مغرب میں صرف روم کی سلطنت تھی اور اس شہر کا پادری مغربی کلیسیاء کی قیادت کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ روم کے پادری نے تمام عیسائیت دنیا کا سربراہ ہونے کا دعویٰ کیا' مگر مشرقی لاٹھ پادریوں نے اس کے اختیار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مشرقی آرتھوڈوکس اور رومن کیتھولک کے درمیان کئی ایک معمولی اختلافات نے ترقی پائی۔ مشرقی کلیسیاء کے افراد اپنی عبادت میں مقدس دوجہتی مذہبی مجسمے یا شبیہیں (Icons) استعمال کرتے تھے جو حضرت عیسیٰ ؑ' حضرت مریم اور حواریوں کی تصویروں پر مشتمل تھے' جبکہ مغربی کلیسیاء میں مجسموں کی اجازت تھی۔ مشرقی افراد غوطے کے ذریعہ بپتسمہ کرتے تھے جبکہ مغرب میں یہ کام پانی چھڑکنے سے کیا جاتا۔ مشرق میں اجتماعی کھانے پر لوگوں کو روٹی اور شراب دونوں پیش کیے جاتے جبکہ مغربی کلیسیاء کے لوگ صرف روٹی پیش کرتے۔ مشرق میں نفاذ فرمان (پادری بنانے کا عمل) سے پہلے شادی کی اجازت دے دی جاتی جبکہ مغربی کلیسیاء تجرد پر اصرار کرتی۔ مشرقی کلیسیاء یونانی زبان کو اپنی عبادت کے لیے استعمال کرتی جبکہ مغربی کلیسیاء بیسویں صدی کے وسط تک لاطینی زبان استعمال کرتی رہی۔

پہلے ایک ہزار سال تک عیسائیت کی دو شاخوں کے مابین اختلافات جاری رہے۔ مغربی عیسائی مختلف حملہ آوروں کو روکنے اور مغربی یورپ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ اِدھر مشرق نے ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں اپنی تمام سلطنت مسلمان حملہ آوروں کے ہاتھوں میں جاتی دیکھی۔ باہمی مخاصمت 1054ء میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی جب پوپ لیو IX نے کیرولیریئس کی دین بدری کے لیے نمائندوں کو قسطنطنیہ بھیجا۔ اس شگاف کو بھی پاٹا جا سکتا تھا لیکن یورپی اقوام کے عیسائی صلیبی 1204ء میں سرزمین مقدس کو جاتے ہوئے راستے میں قسطنطنیہ رک گئے اور وہاں غارت گری کی۔ عیسائی دنیا کے

اندر جدید عالمگیر تحریک آج بھی کلیسیاء کی ان دو شاخوں کے درمیان دوبارہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش میں ہے۔

پروٹسٹنٹ اصلاحی تحریک

سولہویں صدی میں مغربی کلیسیاء ایسے بحران کا شکار ہوئی جس کے بعد وہ کبھی مکمل طور پر بحال نہ ہو سکی۔ اس انقلاب کو اصلاح کہا جاتا رہا ہے مگر یہ اصلاحی عیسائیت سے کہیں دور نکل گئی: اس نے یورپ پر اس کے منظم اقتدار کو تباہ کیا' اس کے اختیار کو چیلنج کیا اور صدیوں تک اس کا اثر زائل کیے رکھا۔ اس انقلاب کی کئی ایک اور مختلف پیچیدہ وجوہ ہیں۔ تاہم' مرکزی وجوہ یورپی قومیت پرستی' نشاۃ ثانیہ کی نئی تعلیم اور پاپائیت کا خاتمہ تھیں۔

ابتدائی اصلاحی تحریکیں:

پروٹسٹنٹ اصلاح کے آغاز کی تاریخ عموماً 1517ء بتائی جاتی ہے جب مارٹن لوتھر نے وٹن برگ میں کلیسیاء کے دروازے پر اپنے پچانوے مقالے رکھے' مگر لوتھر سے ایک صدی قبل بھی اصلاحات اور اصلاحی تحریکیں موجود تھیں۔ اولین مصلحین میں سے ایک جان وکلف تھا جس کا تعلق برطانیہ سے تھا (1320? تا 1384ء)۔ اُس کا عظیم کارنامہ کلیسیاء کی سرکاری بائبل کا لاطینی زبان سے انگلش میں ترجمہ تھا۔ اس بائبل کی عام لوگوں تک رسائی کے لیے وکلف نے لولارڈ نامی مبلغین کا ایک گروہ قائم کیا جو ملک میں تبلیغ کرتے اور تعلیم سکھاتے۔ وکلف 1384ء میں مر گیا۔ مگر 1415ء میں کانسٹینس کی مجلس نے اسے ملعون قرار دیا۔ اُس لعنت کے اظہار کے طور پر اُس کی باقیات کو 1428ء میں جلا دیا گیا۔ اگرچہ انگلینڈ کے بادشاہوں نے موت کی سزاؤں کے ذریعہ لولارڈ تحریک کو دبانے کی کوشش کی مگر یہ وکلف کے کافی عرصہ بعد بھی زندہ رہی۔

بوہیمیا میں ابتدائی اصلاح کا رہنما جان ہس (1415ء۔1373ء) تھا۔ وہ وکلف کی تحریروں سے متاثر تھا۔ ہس نے اُس دور کی پاپائیت کے خلاف احتجاج کیا اور پراگ کے بہت سے شہریوں کو پیروکار بنا لیا۔

مختلف وجوہات کے لیے رقم جمع کرنے کے لیے قرون وسطیٰ کی پاپائیت نے نام نہاد مذہبی عہدے بیچنے کی اجازت دے دی۔ کوئی بھی عیسائی رقم ادا کر کے استغفار نامہ خرید سکتا تھا۔ ہس بالخصوص اس طریقہ کار کے سخت خلاف تھا جو قدرتی طور پر ہر قسم کی بدعنوانی پر منتج ہوتا تھا اور مصلحین کے غیظ و غضب کا ہدف بن گیا تھا۔ 1415ء میں کانسٹینس کی مجلس میں ہس کو مردود قرار دے کر زندہ جلا دیا گیا۔

جدید عیسائیت

دنیا کے دیگر تمام بڑے مذاہب کی طرح عیسائیت کو جدید دنیا کے مسائل اور چیلنج کے ساتھ نبٹنے پر مجبور کیا جاتا رہا ہے۔ تاہم 'دور جدید میں داخل ہونے پر عیسائیت کو سب سے پہلے اصلاح کے مسئلے پر قابو پانا تھا۔

کیتھولک جوابی اصلاح:

سولہویں صدی کے کیتھولک کلیسیاء کے اندر مسائل صرف پروٹسٹنٹس کو ہی نظر نہیں آئے تھے۔ دیگر فرقے بھی لوتھر اور کالون کو تحریک دینے والی شکایات سے آگاہ تھے مگر انہوں نے عیسائیت کی ایک اور صورت تشکیل دیئے بغیر کلیسیاء کو پاک کرنے کی خواہش کی۔ وہ کسی باقاعدہ انقلاب کے بغیر اصلاح کے خواہشمند تھے۔ یہ لوگ رومن کیتھولک کلیسیاء میں شامل رہے اور پروٹسٹنٹ اصلاح کے رد عمل میں جوابی اصلاح کی خواہش کی۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کلیسیاء کو چھوڑ کر مصلحین کی پیروی کرنے لگی ہے تو کیتھولک کلیسیاء نے فوراً 1545ء میں ٹرینٹ کی مجلس بلائی۔ اس مجلس میں آنے والے بعض لوگ ایسی اصلاحات چاہتے تھے جس کے ذریعے پروٹسٹنٹس کے ساتھ مصالحت ہو سکے۔ دیگر کیتھولک کے مقام کو اس طرح واضح کرنا چاہتے تھے کہ مصالحت کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ عام طور پر ٹرینٹ کے فیصلے موخرالذکر راستے کو ترجیح دینے والوں کے حق میں تھے۔ صحیفے کو خدا کا واحد کلام قرار دینے پر پروٹسٹنٹ اصرار کا مقابلہ کرنے کے لیے اس مجلس نے اعلان کیا کہ

کیتھولک روایت عیسائیوں کے لیے سچائی کے ذریعے کے طور پر مقدس صحیفے کے ہمسر تھی۔

صحیفے کو ویسی زبان میں ترجمہ کرنے پر زور دینے والے وِکلف اور لوتھر جیسے پروٹسٹنٹس کے جواب میں ٹرینٹ کی مجلس نے قرار دیا کہ لاطینی متن کلیسیاء کا درست مقدس مذہبی قانون مانا جائے گا۔ یہ اُن مصلحین کا بھی رد عمل تھا جنہوں نے یہودی صحیفے میں نہ ملنے والی عہد نامہ عتیق کی کچھ کتابوں کو خارج کرنے کی راہ اپنائی تھی۔ اس مجلس نے مزید اعلان کیا کہ صرف رومن کیتھولک کلیسیاء کے پاس مقدس صحیفے کی تفسیر کرنے کا حق ہے۔ یہ بات بھی پروٹسٹنٹ عقیدے کے خلاف گئی۔

ٹرینٹ کی مجلس نے تبرکات، صوفیاء کے احترام اور مقدس شبہات کی بھی پرزور حمایت کی: یہ تمام باتیں بیشتر پروٹسٹنٹ تعلیم کے برعکس تھیں۔ لوتھر اور دیگر کے چیلنج کے مثبت جواب کے طور پر عہدوں کی فروخت پر قابو پالیا گیا اور قرونِ وسطیٰ کی کلیسیاء کی دیگر برائیوں کو درست کیا گیا۔

کیتھولک جوابی اصلاحات کا ایک اور نتیجہ یسوعی برادری (Jesuits) کا قیام تھا۔ اس برادری کا بانی سپین کا ایک شخص اگنیشس لویولا (1556ء—1491ء) تھا جس کا پہلا کیریئر فوج تھا۔ لویولا 1521ء میں ایک جنگ میں زخمی ہو گیا اور بیماری کے دوران اُس نے حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے اولیاء کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا۔ وہ اس ادب سے اس قدر متاثر ہوا کہ صحت یاب ہونے پر اُس نے راہبانیت اختیار کر لی، غربت، پاکیزگی اور اطاعت کی قسمیں کھائیں، اپنے ہتھیار حضرت مریمؑ کے گرجا میں لٹکائے اور خود کو مسیحؑ کا سپاہی بننے کے لیے وقف کر دیا۔ اگلے برسوں میں لویولا نے روحانی مشقیں کیں، جن کا مقصد شعور کی آزمائش اور مراقبے کے لیے راہ ہدایت کا کام دینا تھا۔ یہ مشقیں روحانی سربراہ کی زیر نگرانی ہوتیں اور چار ہفتوں میں مکمل ہوتیں۔

تعلیم کی ضرورت کے احساس پر لویولا واپس مکتب میں چلا گیا اور انجام کار پیرس کی یونیورسٹی میں الہیات کا مطالعہ کیا۔ اُس نے اپنے گرد اُن علماء کو بھی جمع کر لیا جنہوں نے اُسے روحانی مشقیں کرائی تھیں۔ مذہب قبول کرنے والے ان افراد میں سے ایک فرانسس ژاویئر (1552ء—1506ء) تھا جو ہندوستان اور جاپان میں عیسائی مبلغ بن گیا۔

لویولا اور اُس کے دوست روم گئے اور 1540ء میں پوپ نے انہیں ایک نئے نظام یعنی یسوعی برادری قائم کرنے کی سرکاری اجازت دے دی۔ عسکری تنظیم، پوپ کی قطعی اطاعت، تحقیق اور تبلیغی سرگرمیاں اِس سلسلے کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ علم و تحقیق پر زور دیا گیا تھا کیونکہ لویولا اور اس کے ابتدائی پیروکار یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ 1556ء میں اپنی وفات سے قبل لویولا نے اپنی برادری کو چند دوستوں سے بڑھ کر ہزاروں کی تعداد تک پھیلتے دیکھا۔ اگرچہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں ہی کے لیے یہ بات تشویش ناک تھی، مگر یسوعی برادری کی ترقی جاری رہی اور اس نے کیتھولک یورپ کے بعض انتہائی قابل جوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Adam, Karl. *The Spirit of Catholicism.* New York: Macmillan, 1962.

2) Filson, Floyd V. *Opening the New Testament.* Philadelphia: Westminster Press, 1952.

3) Hordern, Willaim. *A Layman's Guide to Protestant Theology.* New York: Macmillan, 1957.

4) Klausner, Joseph. *Jesus of Nazareth.* New York: Macmillan, 1934.

5) Marty, Martin E. *A Short History of Christianity.* Cleveland: World Publishing Company, 1959.

ساتواں باب

اسلام

لَا اِلٰہ اِلا اللہ محمدؐ رَسُول اللہ

اسلام دنیا کے بڑے مذاہب میں سب سے کم عمر مذہب ہے۔

یہ افریقہ میں اپنی تبلیغی سرگرمی کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھنے والا؛ اور مشرق وسطیٰ و افریقہ کی نام نہاد تیسری دنیا کی اقوام کا نمایاں اور غالب مذہب ہے۔ مزید بر آں یہ دنیا کے تمام مذاہب میں نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ عناصر بانی اسلام کی ہمہ جہت شخصیت اور ایک تیز ترین اشاعتی دور کے ساتھ مل کر اسلام کو مذاہب عالم میں ایک دلچسپ اور اہم ترین مذہب بناتے ہیں۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خدا صرف ایک ہے' جسے اللہ کہتے ہیں اور یہ وہی خدا ہے جس کی دیگر مذاہب میں دوسرے ناموں کے تحت عبادت کی جاتی ہے۔ وہ کائنات کا قادر مطلق اور حاکم اعلیٰ ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں دیگر پیغمبروں کے ذریعہ خود کو متعارف کرایا ہے مگر اُس کی بہترین اور آخری وحی ساتویں صدی عیسوی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھی۔ اُن تعلیمات کے مطابق اہل ایمان کے پاس صرف ایک زندگی ہے۔ اس زندگی کے بسر کرنے پر ہی ان کی ابدی زندگی کا انحصار ہے۔ اس ایک زندگی میں مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے سر جھکا دینا چاہیے۔ اسی لیے اس مذہب کے پیروکار مسلمان (اطاعت گزار) کہلاتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

فلپ کے ۔ حتی لکھتا ہے: "عربوں کے نام کے گرد وہ ہالہ نور ہے جس کا تعلق فاتحین عالم ہے۔ یہ لوگ اپنے عروج کے ایک سو سال بعد بحر اوقیانوس سے لے کر چین کی سرحدوں تک وسیع سلطنت کے مالک بن گئے جو روم کی سلطنت کے عہد عروج سے بھی عظیم تر تھی۔ ناقابل پیشگوئی توسیع کے اس دور میں انہوں نے اپنے عقیدے' زبان اور حتیٰ کہ طبعی عناصر میں بھی پہلے سے کہیں زیادہ غیر ملکیوں کو شامل کر لیا' بشمول ہیلینیائی' رومن' اینگلو سا کسن یا روسیوں کے۔"

اسلام کا ظہور ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں ہوا۔ مسلمانوں کے مطابق اسلام کی کہانی چھٹی صدی کے حضرت محمد ﷺ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے شروع ہوتی ہے۔ کتاب پیدائش کا آغاز "شروع میں خدا..." سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید اس سے متفق ہے۔ اللہ لفظ کے استعمال میں محض اختلاف ہے۔ "اللہ" ال (خاص) اللہ (خدا) سے مل کر بنا ہے۔ اللہ کا مطلب ہے "خدائے واحد۔"

پھر اللہ نے کائنات کو تخلیق کیا اور اس کے بعد انسان کو۔ اس پہلے انسان کا نام آدم ہے۔ آدم کے جانشینوں میں سے نوح علیہ السلام تھے جن کا بیٹا شیم (Shem) تھا۔ شیم کی اولاد ابراہیم علیہ اسلام سے آ کر ملتی ہے۔ ابراہیم کی شادی سارہ سے ہوئی جس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے بی بی ہاجرہ سے شادی کی۔ حضرت ہاجرہ نے بیٹے "اسماعیل" کو جنم دیا جبکہ سارہ کو بھی اسحاق نامی بیٹا دیا گیا۔ قرآن کے مطابق اسماعیل علیہ السلام مکہ چلے گئے اور ان کی اولاد مسلمان ہوئی' جبکہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد یہودی ہو گئی اور وہ فلسطین میں قیام پذیر رہی۔

ختم نبوت

عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے چھٹی صدی کے نصف آخر میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ سے قبل بھی اللہ کی طرف سے رسول آتے رہے مگر آپ کا رتبہ سب سے بلند تھا اسی لیے آپ کو

"افضل ترین نبی" مانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ پر اپنی شریعت کو مکمل کر دیا۔ آپ ﷺ کے بعد کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔

آنحضور ؐ ایک وحشی قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ آپ 571ء میں مکہ کے ایک معزز قبیلے قریش میں پیدا ہوئے۔ آپ ؐ کی ابتدائی زندگی حادثات سے بھری ہوئی ہے' کیونکہ آپ ؐ کے والد آپ ؐ کی پیدائش سے چند ماہ قبل وفات پا گئے تھے۔ آپ ؐ کی والدہ حضرت آمنہ ؓ چھٹے برس میں اور آپ ؐ کی پرورش کرنے والے دادا' حضرت عبدالمطلب ؓ نو برس کی عمر میں چل بسے۔ ان حالات میں ایک یتیم بچے کی زندگی نہایت مشکل تھی۔ اب آپ ؐ کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری آپ ؐ کے چچا حضرت ابوطالب ؓ پر تھی۔ اس دور میں اللہ کے فرشتے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو کشادہ اور منور کر رہے تھے۔

آپ ؐ کی ابتدائی زندگی کے حالات ہم تک روایات کے ذریعے پہنچے ہیں۔ آنحضور ؐ اپنے حلقہ احباب میں نیک دل اور محبوب تھے۔ آپ ؐ انتہائی شریف الطبع اور نرم دل انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھوں اور صدمات کے ذریعہ آپ ؐ کو انسانیت کا ہمدرد اور حساس انسان بنا دیا تھا۔ آپ ؐ ہمیشہ دوسروں خصوصاً غریبوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے تیار رہتے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق' احساس ذمہ داری اور فرض شناسی نے آپ کو "صادق" اور "امین" کے لقب کا حقدار بنایا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات کے باوجود آپ ؐ اپنے نقطہ نظر اور طرز عمل میں الگ اور ایک فرسودہ اور افراتفری کے شکار معاشرے میں منفرد رہے۔ جوں جوں آپ ؐ بچپن سے نوجوانی اور نوجوانی سے جوانی تک پہنچتے گئے تو ہمعصروں کے ناجائز تصادم' مکہ کے قبائل میں لامتناہی جھگڑوں اور عمومی بے اخلاقی و بدخوئی نے آپ ؐ کے دل میں ان باتوں کے لیے ناپسندیدگی اور خوف پیدا کر دیا۔ خاموشی اور مسلسل غور و فکر کرتے ہوئے آپ ؐ نے داخلی بصیرت حاصل کی۔

بالغ ہونے پر آپ نے تجارت کا پیشہ اپنایا اور پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہ ؓ کو اپنی ایمانداری سے بے حد متاثر کیا۔ اگرچہ وہ آنحضور ؐ سے پندرہ برس بڑی تھیں مگر انہوں نے آپ ؐ کا رشتہ قبول کر لیا۔ یہ رشتہ ہر لحاظ سے خوشیوں کا باعث بنا۔

آنے والے سنگین دور میں جب کفار نے آپ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے اور جینا دشوار کر دیا تو ایسے وقت میں حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کا ساتھ نہایت پُرعزم ہو کر دیا، آپؐ کی دلجوئی کی اور امید کی دھیمی کرن کو زندہ رکھا۔

نبوت سے پندرہ سال قبل آپؐ کی عبادت و ریاضت کا سلسلہ جاری رہا۔ مکہ سے باہر حرا نامی ایک بہت بڑا اور چٹیل پہاڑ تھا جسے خشک مٹی اور صحرا کی ریت نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس پہاڑ میں ایک غار تھی جس میں آنحضورؐ تنہائی کی غرض سے اکثر چلے جایا کرتے۔ آپؐ نیکی اور برائی کے اسرار پر غور و فکر کرتے ہوئے، ظلم، توہم پرستی اور برادر کشی کو مسترد کر کے خدا تک پہنچنے کی راہ تلاش کر رہے تھے۔

آپؐ ایک خدا کو معبود ماننے والے اور باقی تمام چیزوں سے بیگانہ تھے۔ آپؐ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے جو خالق، مالک، انسان کی تقدیر کا تعین کرنے والا حقیقی معبود ہے۔ پوری رات غور و فکر کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ اللہ کی حقیقت آنحضورؐ پر زیادہ واضح ہوتی گئی۔ وہ اللہ جس کی عظمت اور جاہ و جلال نے تمام زمین و آسمان کو بھرنے کے لیے ایک صحرائی غار کو منتخب کیا، یقیناً کوئی عام دیوتا یا دیوتاؤں میں سے عظیم ہستی نہ تھا۔ وہ اپنے نام کی طرح واحد و یکتا تھا۔ جلد ہی اس غار میں وہ آیات نازل ہوئیں جنھوں نے تمام کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

آپؐ غار حرا میں کئی کئی راتیں مسلسل عبادت میں بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک رات کے درمیانی حصہ میں ایک الوہی آواز آئی اور محمدؐ سے پڑھنے کو کہا۔ دو مرتبہ حکم ملا اور آنحضورؐ اِس آواز کی ہیبت و جلال سے سہم کر رہ گئے اور کچھ نہ بول سکے، بھاگ نکلنے کی خواہش کی۔ "پڑھو!" تیسری مرتبہ آواز آئی۔

آنحضورؐ نے پوچھا: "میں کیا پڑھوں؟" جواب ملا:---

(ترجمہ) "پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھ، اور تیرا رب بڑی شان والا ہے جس نے قلم کے ساتھ انسان کو وہ تعلیم دی جو وہ نہ جانتا تھا۔[1]

[1] القرآن الحکیم سورہ 96 آیت 1 تا 5)

اپنی اس کیفیت سے باہر آتے ہوئے آنحضورؐ نے گھر کا رُخ کیا اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آتے ہی آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا ماجرا سنایا۔ اپنی علمی قابلیت کی بناء پر انہوں نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کردی اور آپؐ کو تسلی دے کر خوشخبری سنائی' پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ انہوں نے آنحضورؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی اور کہا "بے شک لوگ تم کو جھٹلائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے اور تم سے لڑیں گے اور تم کو نکال دیں گے۔ اگر میں اس روز تک زندہ رہا تو خدا کے دین کی مدد کروں گا۔"

اس کے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آپؐ نے ایمان و تصدیق کے ساتھ اس کے بوجھ کو اٹھایا۔ آپؐ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے مکہ کے لوگوں کو اس مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ آپؐ کو اپنے ہمسایوں سے تھوڑی بہت حوصلہ افزائی ملی: دراصل حوصلہ شکنی اور کھلی مخالفت زیادہ تھی۔ آپؐ توحید کی تبلیغ اور شرک سے منع کرتے' یہ بات یقیناً کئی مکہ والوں کے خلاف جاتی تھی جن کی کمائی کا انحصار کعبہ کی زیارت کے لیے آنے والوں پر تھا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلامؑ نے آنحضورؐ کو نماز اور وضوء کا طریقہ سکھایا اور سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے ایمان لا کر آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ مردوں میں حضرت علیؓ' حضرت زیدؓ اور آپؐ کے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ پھر متعدد افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ عموماً ان لوگوں کا تعلق غریب گھرانوں سے تھا۔ لیکن ابھی تک آپؐ اپنی قوم اور قبیلہ سے پوشیدہ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند مشرکوں نے دیکھ لیا اور برا بھلا کہا تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک مشرک کا سر پھوڑ ڈالا۔ یہ پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں جہاد کے دوران بہایا گیا۔ آہستہ آہستہ اسلام پھیلنے لگا اور ہر طرف اس کے چرچے ہونے لگے۔ تین سال تک خاموشی سے تبلیغ اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا' "آپؐ حق و باطل کا فرق کیجئے اور مشرکوں کی تکذیب کی کچھ پرواہ مت کیجئے۔" اعلانیہ تبلیغ کرنے پر مشرکین آپؐ کے خلاف ہو گئے۔ قریش نے جب آپ کی استقامت اور حوصلہ دیکھا تو اپنے چند نمائندے حضرت ابو طالب کے پاس بھیجے جنھوں نے ان سے کہا

کہ اپنے بھتیجے کو منع کرو جو ہمارے بتوں کو برا بھلا اور باپ دادا کو جاہل اور گمراہ کہتا ہے۔ حضرت ابو طالب نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا اور حضورؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم میری اور اپنی جان کے ہلاک کرنے کی بات نہ کرو اور ایسے کام کی مجھ کو تکلیف نہ دو جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ آپؐ نے پوری استقامت سے جواب دیا: "اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔" اپنے بھتیجے کی استقامت اور مستقل مزاجی کو دیکھ کر حضرت ابو طالب کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے کہا، "اے بھتیجے، تمہارا جو جی چاہے کرو، میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گا اور سب سے سمجھ لوں گا۔"

کفار کے ظلم و ستم اور بدزبانی حد سے تجاوز کر گئی۔ آخر کار آنحضورؐ نے اپنے پیروکاروں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ 615ء میں تقریباً پندرہ خاندان مکہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ رسول اللہؐ اور باقی مسلمان تبلیغ کی غرض سے مکہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ کفار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتے۔ ان ایذاء رسانیوں کا نتیجہ مکہ والوں کا آپؐ اور آپؐ کے پورے قبیلے سے مقاطعے کی شکل میں سامنے آیا، مگر یہ بے اثر رہا۔

619ء میں حضرت محمد ﷺ کو اپنے دو عظیم محسنوں حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے صدمے اٹھانا پڑے۔ اس سال کو "عام الحزن" کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو طالب رسولؐ اللہ کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے آپؐ کے مصائب میں بہت اضافہ ہو گیا۔ آپؐ کے قبیلہ کے لوگ بھی آپؐ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ یہاں تک کہ کسی مردود نے آپؐ کے سر مبارک میں مٹی ڈال دی۔ آپؐ بنی ثقیف سے مدد لینے طائف گئے تو مشرکین نے انکار کر دیا اور آپؐ کے پیچھے آوارہ لڑکوں کو بھیجا۔ آپؐ نے اس موقع پر دعا کی: "اے اللہ میں اپنی کمزوری اور لوگوں کے مقابلہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں--- تو کمزور کا رب ہے--- اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو ان مصائب کی مجھے پرواہ نہیں، تیری حمایت میرے لیے بہت زیادہ وسیع ہے---" آپؐ بنی ثقیف سے مایوس ہو کر طائف سے مکہ آنے لگے۔ راستے میں جن آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی مدد پر کمربستہ ہوئے۔

آپؐ نے تبلیغ دین کا کام پھر زور و شور سے شروع کر دیا۔ بنو کندہ' بنی کلب' بنی حنیفہ' بنی عامر نے دعوت اسلام رد کر دی۔ حج کے موقع پر بنو خزرج کی ایک جماعت نے آپؐ کی بات غور سے سنی۔ یہودی ہونے کی وجہ سے وہ اللہ کے نبیؐ کو پہچان گئے اور تصدیق نبوت کر کے اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے۔ اب مدینہ کے ہر گھر میں رسولؐ اللہ کا ذکر ہونے لگا۔ اگلے سال حج کے موقع پر انصار کے بارہ آدمیوں نے آپؐ کے ہاتھ پر التوائے جنگ کی شرط پر بیعت کی۔ (تب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔) مکہ میں اسلام کی راہ میں مشکلات پیدا ہوئیں تو اللہ نے حق کے لیے مدینہ کے دروازے کھول دیئے۔ مشرکین نے اسے اپنی شکست جان کر سختیوں میں اضافہ کر دیا۔ قریش انصار کے درپے آزار ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں مدینہ ہجرت کی اجازت دی اور پھر خود بھی روانہ ہو گئے۔ اسی موقع پر اللہ نے کھلم کھلا جہاد کا حکم دیا: "تم ان سے اس قدر لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سب اللہ کے مطیع ہو جائیں۔" مدینہ میں آپ ﷺ بنی سالم بن عوف کے پاس پہنچے کہ جمعہ کا وقت آ گیا۔ اس مقام پر اس روز ایک مسجد بنائی گئی اور جمعہ کی نماز ادا کی۔ اور یہ اسلام میں پہلا جمعہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا۔ اس موقعہ پر اپنے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا: "میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں' اور جو اس کا منکر ہے اس سے اپنی عداوت کا اعلان کرتا ہوں--- تم صدق نیت سے آخرت کے لیے اللہ کے خوف کو پیش نظر رکھ کر نیک اعمال کرو---"

مدینہ میں آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ کی عورتوں نے گھروں کی چھتوں پہ کھڑے ہو کر اور دف بجا کر گیت گاتے ہوئے آپ ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ سات ماہ بعد مسجد نبوی اور متصل حجروں کی تعمیر مکمل ہوئی تو آپ ﷺ نے نقل مکان فرمایا۔ مہاجرین مکہ دین اسلام اور پیغمبر عالمؐ کی خاطر اپنا تمام مال اسباب پیچھے ہی چھوڑ آئے تھے۔ اگرچہ انصار مدینہ نے اپنا سب کچھ ان کو پیش کر دیا لیکن مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں رشتہ مواخات قائم کر دیا۔ اس کے بعد یہود سے معاہدہ کیا اور ایک عہد نامہ لکھ کر دیا جس میں انصار و مہاجرین اور یہود کے حقوق کی شرائط تحریر کی گئیں۔ یہ "میثاق مدینہ" کے نام سے مشہور ہے جس کا خلاصہ یوں ہے:

(1) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔ (2) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (3) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔ (4) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔ (5) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔ (6) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یک دگر ہوں گے اور (7) کسی دشمن سے ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک۔ صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنٰی ہوگی۔

قریش یثرب (مدینہ) سے دور تھے لیکن آپ ﷺ کو امن و سکون سے زندگی گزارتے اور دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لہٰذا یہودیوں کو آپ ﷺ کے خلاف اکسانے لگے۔ مکہ میں رہ جانے والے اہل ایمان پر بھی ظلم و تشدد کی حد کردی۔ ان حالات میں یہ بات حیرت انگیز نہیں ہو سکتی کہ ابھی ہجرت کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ قریش کی طرف سے شر کا اظہار ہونے لگا۔ انہیں آپ ﷺ کے یثرب میں مقیم ہونے سے اس بات کی فکر اور اندیشہ تھا کہ اب یثرب کے راستے شام سے ان کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ اب اسلام اور کفار و منافقین کے مابین کھلم کھلا جنگ کا موقع آیا۔ غزوہ ابواء آپ ﷺ کا پہلا غزوہ تھا۔ پھر سریہ عبیدہ بن حرث' سریہ حمزہ' غزوہ بواط' غزوۃ العشیرہ' سریہ سعد بن ابی وقاص' غزوہ سفوان' سریہ عبد اللہ بن جحش اور غزوہ بدر ہوئے۔ مسلمانوں نے ابوسفیان کے قافلے' جو شام سے واپس مکہ جا رہا تھا' کو لوٹ کر مال غنیمت حاصل کیا اور یوں کفار کی تکالیف کو نامنظور کرنے کا اعلان کیا۔ اہل مکہ اپنے قافلے کے لٹنے کا سن کر جنگ پر آمادہ ہوئے۔ مسلمانوں کا جوش جہاد دیکھ کر آپ ﷺ نے انہیں فتح کی بشارت دی۔ اس جنگ میں ابو جہل اپنے انجام کو پہنچا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے مقتولین کو ایک کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا' "اے کنویں والو' جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا اسے تم نے ٹھیک پایا اور بے شک جو وعدہ میرے رب نے مجھ سے کیا تھا اسے میں نے سچا پالیا۔"

غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد 627ء میں مکہ والوں نے 10,000 لشکریوں کے

ساتھ مدینہ پر حملہ کیا مگر کوئی نمایاں جنگ نہ ہوئی اور مکہ والے واپس چلے گئے۔ اگلے سال آنحضور ؑ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج کی غرض سے مکہ جانے کی کوشش کی مگر مکہ والوں نے آپ ﷺ کا راستہ روک لیا۔ ایک امن پسندانہ معاہدہ طے پایا اور مسلمانوں کو اگلے سال کعبہ اللہ کی زیارت کی اجازت دی گئی۔ 629ء میں اسلام اس قدر مضبوط ہو چکا تھا کہ جب مسلمان حج کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو کسی ایک فرد کو بھی راہ روکنے کی جرات نہ ہوئی۔ 630ء میں حضرت محمد ؐ پورے جاہ و جلال سے کامل فاتح کی حیثیت سے دس ہزار صحابہ کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کعبتہ اللہ تشریف لے گئے اور بتوں کو مٹا دیا۔ اس کارروائی کے ذریعے آخرکار رسول اللہ ﷺ عرب کے لوگوں کے واحد راہنما بن گئے۔

اگلے چند برسوں کے دوران اسلام تیزی سے پھیلا۔ آنحضرت ﷺ نے گردونواح کی اقوام کی طرف اسلام کی دعوت بھیجنے کے لیے قاصد روانہ کیے۔ آپ ﷺ کے صحابہ حبشہ سے واپس آ گئے۔ آپ ﷺ نے شادیاں کیں' جن میں سے بیشتر بیویاں غزوات میں شہید ہونے والے صحابہ کی بیوائیں تھیں۔ دیگر شادیاں سیاسی بندھنوں کی مضبوطی کا باعث بنیں۔

632ء میں آنحضرت ﷺ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر مکہ کی طرف ایک اور حج کا قصد کیا۔ آپ ؐ کی عمر مبارک اس وقت 62 برس اور صحت کمزور تھی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے خطبتہ الوداع دیا۔ جس میں آپ ؐ نے مندرجہ ذیل اصول قائم کیے:

1۔ قیامت تک کے لیے تمہارا خون اور مال اسی طرح تم پر حرام ہے جس طرح کہ آج کے دن اور اس مہینے کی حرمت ہے'
2۔ تم اپنے رب سے ملو گے اور وہ تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا'
3۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو اسے چاہیے کہ وہ امانت رکھوانے والے کو واپس کر دے'
4۔ ہر قسم کا سود ساقط ہے'
5۔ جاہلیت میں جتنے خون ہوئے ان کا ہرگز انتقام نہ لیا جائے'

6۔ اپنے دین کی حفاظت کے لیے شیطان سے ڈرتے رہو'
7۔ تمہاری بیویوں پر تمہارا اور تم پر ان کا حق ہے'
8۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

مدینہ واپس آنے پر آنحضور ﷺ نے مسلمانوں سے ایک الوداعی خطاب کیا اور پھر اپنی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں وفات پا گئے۔ روایت کے مطابق دو شنبہ کے روز صبح کے وقت نماز ہو رہی تھی کہ آپؐ پردہ اٹھوا کر حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو مسلمان آپؐ کو تندرست دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ اسی روز مسجد سے واپس تشریف لانے کے بعد آپؐ نے اوپر نگاہ کر کے فرمایا: "اللہ ' رَفیق الاعلیٰ"۔ پھر رسول اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

آپؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے درمیان خلافت کا معاملہ پیدا ہوا۔ آخر کار اتفاق رائے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ رسول پاکؐ کے جنازے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ادا کردہ یہ الفاظ مسلمانوں کی اپنے پیغمبرؐ کے بارے میں تفہیم کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

> "اے لوگو! اگر کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا ہے تو یاد رکھو محمدؐ فوت ہو چکے ہیں' لیکن اگر کوئی شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرتا۔"[1]

قرآن مجید:

اسلام کی مقدس کتاب قرآن کہلاتی ہے۔ قرآن کا لفظی مطلب "پڑھنا" یا "بار بار دہرانا" ہے۔ لہٰذا عنوان اس بنیادی عقیدے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مسلمان اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ یہ آسمان میں لکھی جانے والی ابدی مقدس کتاب ہے اور اسے بتدریج آنحضرت ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل کیا گیا۔ یہ عنوان

---

[1] 'Muhammad: Prophet and Statesman' مصنف W.Montgomery Watt' ص 228۔

"قرآن" پہلی سورۃ یا وحی کے پہلے الفاظ کی بھی عکاسی کرتا ہے "اِقرا باسم ربک الذی خلق" یعنی "پڑھ اللہ کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا۔۔۔"

غالباً کسی الہامی کتاب نے اپنے ایمان لانے والوں پر اس قدر اثر نہیں ڈالا جتنا کہ قرآن نے۔ یقیناً کوئی کتاب اتنی زیادہ نہ پڑھی گئی ہے اور نہ اسے حفظ کیا گیا ہے۔ عیسائی اور یہودی بائبل کو سنجیدگی سے لیتے ہیں' جبکہ انہوں نے صدیوں سے اس میں کئی ترامیم اور تنقید کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راسخ العقیدہ یہودی یا عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ بائبل کا موجودہ متن خدا تعالیٰ کا اصل کلام نہیں ہے۔ اسلام کے ساتھ یہ معاملہ نہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے: یہ ابدی' یقینی اور ناقابل تنسیخ ہے۔ اسے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور یہ کتاب نازل ہونے کے وقت سے لے کر آج تک اُسی حالت میں قائم ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان اس کی تلاوت کرتے اور اسے زبانی یاد کرتے ہیں۔ یہ اُن کی تعلیم کا ایک ذریعہ ہے اور عربی کے مطالعہ کے لیے قرآن نصابی کتاب بن جاتی ہے۔ سکول جانے والے مسلمان بچے کے لیے پورا قرآن حفظ کرنا غیر معمولی نہیں ہے۔ قرآن مجید سے لی گئی آیات کو مسلمان سجاوٹ کے لیے اپنے گھر کی دیواروں پر کندہ کرتے ہیں؛ موت سے پہلے مسلمان عموماً اسی کتاب مقدس کی تلاوت سنتا ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل ہے جو آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی سے لے کر آپ کی زندگی کے اختتام تک نازل ہوا۔ چونکہ آنحضور ﷺ امی تھے لہٰذا آپ وحی کو زبانی یاد کر لیتے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ان الفاظ کو پتوں' پتھروں' ہڈیوں یا چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھ لیا کرتے۔ رسول پاک ﷺ کی وفات کے بعد اس مواد کو اکٹھا کیا گیا۔ بعد میں خلفاء کرام نے قرآن مجید کو محفوظ کیا اور اسے کتابی صورت دی۔

قرآن مجید کو سورتوں کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے بعد قرآن پاک کو سورتوں کی طوالت کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ شروع میں لمبی سورتیں اور آخر میں چھوٹی سورتیں رکھی گئی ہیں۔ سب سے طویل سورۃ[1] میں 287 آیات اور

---

[1] سورۃ بقرہ' پارہ 1

سب سے چھوٹی سورۃ[1] صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔

اسلام کا تصور خدا

قرآن مجید چونکہ اللہ کی کتاب ہے لہٰذا اس کی تعلیمات تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم بن جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے کس قسم کی زندگی بسر کرنے اور انسانیت کی ابدی تقدیر کی توقع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا قادر مطلق ہے۔ مذہب اسلام توحید پر سختی سے زور دیتا ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ کثرت پرستوں اور عیسائیوں کے برخلاف مسلمان ایک کامل' ابدی اور لاشریک خدا کو مانتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف یہودیت ایسی قطعی واحدانیت کی قائل ہے۔

"وہ ذات جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے اور جس نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور جس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں۔ اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے پھر اس کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔"[2]

"تو کہتا چلا جا کہ درحقیقت اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں۔

۔ نہ اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی بھی شریک کار نہیں۔"[3]

- اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود' علیم و خبیر اور کائنات کا قادر مطلق خالق ہے۔ قرآن مجید میں اس صفت پر بہت زور دیا گیا ہے:

"تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا ہے پھر وہ تخت پر مضبوطی سے قائم ہو گیا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانکتا ہے جو

---

[1] سورۃ الکوثر پارہ 30۔

[2] القرآن الحکیم سورۃ الفرقان آیتہ 2۔

[3] القرآن الحکیم سورۃ اخلاص۔

اسے جلدی سے پکڑنا چاہتی ہے۔ سورج اور چاند کو اور ستاروں کو اس نے اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ سب اس کے حکم کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ سنو' پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے' اور قانون بنانا بھی۔ اللہ بہت برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔[1]

مسلمانوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' مثلاً الملک' القدوس' السلام اور الخالق۔

جہاں اللہ تعالیٰ طاقت' بادشاہت اور جلال کی خصوصیات کا حامل ہے وہاں وہ اپنے انصاف اور رحم کی خصوصیات سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ وہ برائی کا بدلہ انصاف کے ساتھ اور راستی کا رحم کے ساتھ دے گا۔

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جنہوں نے بدی کی وہ اس کے عمل کے مطابق ان کو بدلہ دیتا ہے اور جنہوں نے نیکی کی اُن کو نیک بدلے دیتا ہے۔

یعنی ایسے لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلی بدکاریوں سے بچتے رہتے ہیں مگر یہ کہ ذرا سا گناہ کو چھو جائیں (پھر پچھتانے لگیں) تیرا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ وہ اس وقت سے تم کو خوب جانتا ہے جب اُس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں پوشیدہ تھے۔ پس اپنی جانوں کو پاک مت قرار دو۔ متقیوں کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔[2]

اگرچہ اللہ تعالیٰ اسلام میں خدائے یکتا ہے البتہ اس کی مدد کے لیے دیگر آسمانی مخلوق بھی کار فرما ہے۔ ملائکہ اس کے لیے پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضور ﷺ پر قرآن نازل کیا اور جیسا کہ فرشتوں نے مشرکوں کے خلاف جنگ میں مومنوں کی مدد کی۔ انسانوں اور فرشتوں کے درمیان ایک

---

[1] القرآن الحکیم سورۃ الاعراف آیہ 54

[2] القرآن الحکیم سورۃ النجم آیات 32'33۔

اور مخلوق جن کہلاتی ہے۔ جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بائبلی کتاب ایوب میں ابلیس شیطان جیسا ہی کردار ہے۔ وہ زرتشت مت میں اینگرا مینیو جیسا شر کا دوسرا دیوتا نہیں ہے مگر وہ انسان کے خلاف شر پھیلاتا ہے۔ مسلمان عقیدے کے مطابق ابلیس ہی حضرت آدم کے جنت سے نکالے جانے کا ذمہ دار تھا۔

قضا و قدر:

قرآن مجید میں بیان ہے کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور انہیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے والے نیک لوگوں کو اس کی رضا کے آگے سر جھکانا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت اور بادشاہت کے باعث اس مذہب کو بیان کرنے کے لیے "تقدیر پرستی" اور "قضا و قدر" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اسلام' کالونیت [جان کالون کی مذہبی تعلیمات جن میں خدا کے اقتدار اعلیٰ' تقدیر اور ازلی گناہ پر زور دیا گیا ہے۔] اور یونانی فلسفے میں اس کی انتہاء یہ عقیدہ ہے کہ زندگی میں انسان کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ اگر کوئی اچھے یا بُرے اعمال کرتا ہے' کامیاب یا ناکام ہوتا ہے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو کائنات کا مالک ہے اور ہر قسم کی تقدیر کا فیصلہ پہلے ہی کر چکا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق لوگوں کے پاس اختیار کی آزادی نہیں لہٰذا وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ خدا سب کچھ ہے انسان محض اُس کے ہاتھ میں کھلونے ہیں۔ درحقیقت اسلام میں تقدیر پرستی کا ایک مضبوط عقیدہ ہے۔ اکثر مسلمان اس کے لیے انشاء اللہ (اگر خدا نے چاہا) بولتے ہیں۔ بایں ہمہ اسلام کو مکمل طور پر تقدیر پرست مذہب کہنا درست نہیں ہے۔ تمام فرقے اس بات پر متفق نہیں ہیں' بلکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ انسان کسی حد تک اپنے برے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اس کے لیے اُس سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے خیر اور شر کی دونوں راہیں رکھی ہیں اور اُس کو اختیار ہے جس کو چاہے اپنا لے۔ اس حوالے سے انسان مکمل طور پر آزاد ہے۔

معادیات

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حشر کے روز جزا و سزا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ یہ عقیدہ اسلام سے قبل بھی رائج تھا مگر اسلام میں آخرت پر ایمان لانا واجب ہے۔ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ موت کے وقت انسان کا جسم زمین میں چلا جاتا ہے اور اس کی روح حیات نو تک نیند کی کیفیت میں رہتی ہے۔ روز حشر اللہ کا ایک فرشتہ بگل بجائے گا' زمین ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور جسم اپنی روحوں سے دوبارہ جا ملیں گے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا
اور جب ستارے جھڑ جائیں گے
اور جب سمندر پھاڑ کر ملا دیئے جائیں گے
اور جب قبریں اکھیڑ کر اِدھر اُدھر بکھیر دی جائیں گی۔[1]

ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو جزا دی جائے گی اور برے اعمال کرنے والوں کو سزا ملے گی۔ تمام لوگ کتاب میں درج اعمال کی بنیاد پر صلہ پائیں گے۔

اور اُن کے اعمال کی کتاب ان کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ پس تو ان مجرموں کو اس کی وجہ سے جو اس میں لکھا ہو گا ڈرتے دیکھے گا اور اس وقت وہ کہیں گے کہ اے افسوس ہماری تباہی (سامنے کھڑی ہے)' اس کتاب کو کیا ہے' نہ کسی چھوٹی بات کو اس کا احاطہ کیے بغیر چھوڑتی ہے اور نہ کسی بڑی بات کو۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا اسے اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔[2]

اسلام میں دوزخ اور جنت حقیقی مقامات ہیں جنہیں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:
جب وہ بات جس کے اٹل ہونے کا فیصلہ ہے عملاً ہو جائے گی۔

---

[1] القرآن الحکیم سورۃ الانفطار آیات 1 تا 4۔
[2] سورۃ الکھف آیت 50۔

اس کے واقع ہونے کو اپنے وقت سے ٹلانے والی کوئی چیز نہیں۔
وہ بعض کو نیچا کرنے والی اور بعض کو اونچا کرنے والی ہے۔
جس دن ملک کو ہلا دیا جائے گا
اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردیا جائے گا۔
سو وہ ایسے ہوں گے جیسے ہوا میں چاروں طرف اڑنے والے باریک ذرات'
اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔
ایک تو داہنے ہاتھ والے ہوں گے اور تجھ کو کیا معلوم کہ داہنے ہاتھ والے کیسے ہوں گے؟
اور ایک بائیں ہاتھ والے' اور تجھے کیا معلوم کہ بائیں ہاتھ والے کیسے ہوں گے؟
اور ایک گروہ آگے نکل جانے والوں کا ہوگا' سو وہ تو بہرحال دوسروں سے آگے ہی رہیں گے۔
اور وہ لوگ (اللہ تعالیٰ کے) مقرب ہوں گے۔
نعمت والی جنتوں میں پہلے ایمان لانے والوں میں ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔
اور بعد میں ایمان لانے والوں میں سے ان کی تعداد تھوڑی ہوگی۔
وہ جڑاؤ چھپر کھٹوں پر تکیہ لگا کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔
ان کے پاس خدمت کے لیے کثرت سے نوجوان خادم آئیں گے جو کہ ہمیشہ اپنی نیکی پر قائم رکھے جائیں گے۔
وہ گلاس اور آفتابے اور چشموں سے بھرے ہوئے پیالے لے کر (آئیں گے جنہیں پی کر)
نہ تو جنتیوں کو خمار ہوگا اور نہ وہ لغو کلام کریں گے۔
(اور وہ خادم) اُن کے پاس ایسے پھلوں کے طشت لے کر آئیں گے' جن کو وہ پسند کریں گے۔
اور پرندوں میں سے اُن پرندوں کے گوشت جن کو وہ پسند کریں گے۔

اور کالی پتلیوں والی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جو محفوظ موتیوں کی طرح ہوں گی۔
یہ سب کچھ مومنوں کے اعمال کی وجہ سے جزا کے طور پر ملے گا۔
وہ جنتوں میں نہ تو کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ کا کلمہ۔
ہاں مگر ایسا قول سنیں گے جو سلام پر مشتمل ہو گا۔
اور دائیں طرف کے آدمیوں کا بھی حال سُن
اور تجھے کیا معلوم ہے کہ دائیں طرف کے آدمی کیا ہیں؟
وہ بغیر کانٹوں کی بیریوں کے باغوں میں رہیں گے۔
اور کیلوں میں جن کے پھل ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوں گے۔
اور ایسی چھاؤں میں جو بہت لمبی ہو گی۔
اور ایسے پانیوں میں جو گرائے جا رہے ہوں گے۔
اور بہت سے پھلوں میں' نہ تو وہ کاٹے جائیں گے اور نہ اُن سے اُن جنتیوں کو روکا جائے گا۔
اور شاندار بیویوں کے ساتھ رہیں گے۔
ہم نے ہی اُن کو بنا رکھا ہے۔
اور کنواریوں کو پیدا کیا ہے۔
نہایت خوبصورت اور جنتیوں کی ہم عمر' دائیں طرف والے گروہ کے لیے۔
یہ گروہ شروع میں ایمان لانے والے لوگوں میں سے بھی کثرت سے ہو گا۔
اور آخر میں ایمان لانے والوں میں بھی کثرت سے ہو گا
اور بائیں طرف والے' تجھے کیا معلوم ہے کہ بائیں طرف والے کیسے لوگ ہوں گے؟
وہ گرم ہواؤں اور گرم پانیوں میں رہیں گے۔
اور ایسے سایہ میں رہیں گے جو سیاہ دھوئیں کی طرح ہو گا۔
نہ وہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ اس کے نیچے رہنا عزت بخشے گا۔

وہ اس سے پہلے دنیا میں بڑے آرام سے رہتے تھے اور بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔
وہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے'
کیا ہم کو پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یا ہمارے باپ دادوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو گا۔
تُو کہہ دے کہ پہلے بھی اور پچھلے بھی' سب کے سب ایک معلوم دن کے وعدہ کی طرف اکٹھے کر کے لے جائے جائیں گے۔
پھر تم' اے جھٹلانے والے گمراہو تھوہر کے درخت میں سے کھاؤ گے۔
اور اس سے پیٹ بھرو گے۔
اور پھر اس پر گرم پانی پیو گے اور پیاسے اونٹ کی طرح پیتے جاؤ گے
یہ اُن کی جزا سزا کے دن مہمان نوازی ہو گی۔[1]

مذاہب عالم کا طالبعلم جلد ہی مسلمانوں کے عقیدۂ آخرت اور زرتشت مت' یہودیت اور عیسائیت میں اس کے تصور میں مماثلت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسلام کی جنت اور دوزخ میں صرف وہی فرق ہے جو خاص طور پر ایک بدو کے لیے پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ جنت ایک خوبصورت باغ میں بہتی ندیوں اور گھنے سایوں میں واقع ہے۔ راستبازوں کو ایسا مشروب پلایا جائے گا جو اُن کے شعور اور احساسات سے انہیں لاتعلق نہ کرے گا۔ جہنم گرم ہواؤں' تاریک دھوئیں اور کھاری پانی سے بھرا ہوا مقام ہے۔ اللہ نے چونکہ اسلام کو عرب میں نازل کیا اس لیے انسانوں کو اسی خطے کی مثالیں دے کر سمجھایا۔

اسلام کے پانچ ستون

ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے انسان کو جن باتوں پر عمل کرنا چاہیے

[1] قرآن الحکیم سورۃ 56: آیت 1 تا 56۔

انہیں "اسلام کے پانچ ستون" کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ پانچ ستون یا فرائض یہ ہیں:---توحید' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج۔

1۔ توحید:

ایک مسلمان کا سب سے عام مذہبی عمل کلمہ طیبہ کو بار بار دہراتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔" اس کلمے کو "شہادت" کہا جاتا ہے۔ یہی وہ پہلے الفاظ ہیں جنہیں ایک مسلمان بچہ سنتا ہے' اور عموماً یہی الفاظ ایک مسلمان کی زبان سے مرتے وقت ادا ہوتے ہیں۔ پرہیزگار اس کلمے کو ہر روز کئی مرتبہ ادا کرتا ہے اور اس کلمے کی محض ادائیگی ہی پڑھنے والے کو مسلمان بناتی ہے۔

2۔ صلوٰۃ (نماز):

کلمے کے ساتھ ساتھ مسلمان پر روزانہ نماز ادا کرنا فرض ہے۔ آنحضور ﷺ نے روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ یہ پانچ اوقات فجر' ظہر' عصر' مغرب' عشاء ہیں۔ مسلمان علاقوں میں موذن دن میں پانچ مرتبہ نماز کے وقت کی یاددہانی کے لیے اذان دیتا ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں' نماز کے لیے آتے ہیں۔ نماز سے قبل انہیں خود کو پاک اور صاف کرنا ہوتا ہے۔ مساجد میں عموماً ہاتھ' پاؤں اور چہرے کو دھونے (وضو) کے لیے سہولیات مہیا ہوتی ہیں۔ اگر پانی مہیا نہ ہو تو مسلمان ریت یا مٹی سے طہارت کر لیتے ہیں۔ مناسب صفائی کے بعد عبادت کرنے والے قبلہ رُخ ہو کر نماز ادا کرنے کے لیے تکبیر پڑھتے ہیں۔ مساجد میں عموماً مرد ہی نماز ادا کرتے ہیں کیونکہ عورتوں کو گھر پر ہی نماز ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

3۔ زکوٰۃ:

صاحب حیثیت مسلمانوں پر غرباء کی مدد کرنا فرض کیا گیا ہے۔

"اور تم سب نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰتیں دو' اور اس رسول کی

اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔[1]

"یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے لیے اپنے مال میں سے ایک اچھا حصہ کاٹ کر الگ کر دیا ہے' اُن کے مالوں کو اُن کی خاطر بڑھایا جائے اور ان کو معزز بدلہ دیا جائے گا۔[2]

ابتدائی طور پر خیرات کا مقصد محض اپنے مذہب کے غرباء' بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرنا تھا مگر بعد میں یہ ہر فرد کی دولت پر 2 سے 3 فیصد کے حساب سے بطور ٹیکس لاگو کر دیا گیا۔

4۔ صوم (روزہ)

بیشتر مذاہب میں سال میں ایک مرتبہ روزہ کسی نہ کسی صورت میں فرض ہے' مگر عموماً یہ نہایت مختصر عرصے کے لیے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہودی یوم کفارہ میں روزہ رکھتے ہیں۔ دیگر مذاہب میں خصوصی مواقع پر بعض کھانوں پر پابندی ہے: مثلاً رومن کیتھولک عیسائی لینٹ (Lent) میں گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ تاہم' مسلمان ماہ رمضان میں ہر قسم کے کھانے' مشروب اور جنسی تعلقات سے ایک خاص وقت تک پرہیز کرتے ہیں۔ روزے قرآن حکیم کے نازل ہونے کے مہینے کی یاد میں رکھے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق سحری سے لے کر غروب آفتاب تک ہر قسم کی جائز خوراک بھی منع ہے۔ شام کو جب سورج غروب ہو جائے تو مسلمان روزہ افطار کر لیتے ہیں۔ روزہ بیمار' مسافر' دودھ پلانے والی ماؤں اور چھوٹے بچوں پر فرض نہیں۔ رمضان کے اختتام پر مسلمان مذہبی تہوار مناتے ہیں جسے عید کہا جاتا ہے۔

5۔ حج

حج ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔ بیت اللہ کی زیارت کرنا مسلمانوں

[1] القرآن الحکیم سورۃ النور آیت 56۔

[2] القرآن الحکیم سورۃ الحدید آیت 18۔

کے مذہبی وظائف کا پانچواں بنیادی عنصر ہے۔ ذوالحجہ کے مقدس مہینے میں دنیا بھر سے ہزاروں حجاج کرام خانہ کعبہ کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں۔ حج عیدالفطر سے دس ہفتے بعد ہوتا ہے۔ حجاج کرام روضہ رسول پر بھی حاضری دیتے ہیں۔ حج دنیا بھر کے مسلمانوں میں جذبہ اتحاد کو بھی فروغ دیتا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات میں تمام دنیاوی امتیازات ختم ہو جاتے ہیں۔ حج دنیا کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی ممنوعات

قرآن مجید اور مسلمانوں کی روایت میں امتناعات کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ خنزیر کا گوشت اسلام میں منع ہے کیونکہ یہ سب سے پلید ہوتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے برخلاف اسلام میں شراب حرام ہے۔ جواء بازی بھی اسلام میں سختی سے منع ہے۔

جہاد

مسلمان مقدس جنگوں پر جانا اور اللہ کے نام کی خاطر مشرکین سے لڑائی کرنے کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں جہاد کا مطالبہ کیا گیا اور اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ جہاد بھی پھیلتا گیا۔ جہاد میں فتح یاب ہو کر لوٹ آنے والا غازی کہلاتا ہے اور میدان جنگ میں شہید ہونے والے کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ جہاد مخصوص حالات میں فرض کیا گیا لہٰذا اس کی حُرمت اور تقدس کا خیال رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

اسلام کی اشاعت

اسلام تاریخ میں ایسے موقع پر پھیلا جو اس کے لیے نہایت موزوں تھا۔ یہ ایسے وقت میں ظاہر ہوا جب عرب لوگ ایک متحد کر دینے والی قوت کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے; جب بازنطینی سلطنت اندرونی اختلافات کی وجہ سے انتشار کا شکار ہو رہی تھی; اور جب سلطنت فارس زوال کی طرف مائل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سو سال کے اندر اندر مذہب اسلام عرب لوگوں کے لیے اتحادی قوت

بن چکا تھا: اس نے فلسطین' فارس اور مصر کو فتح کر لیا تھا اور شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا چین میں پھیل رہا تھا۔ اگلی صدیوں میں اسلام نے پورے مشرق وسطیٰ کو فتح کر لیا اور ہندوستان' چین اور آخر کار بحرالکاہل کے جزائر کی طرف رخ پھیر لیا۔ اس اشاعت کی کئی وجوہات تھیں۔

1۔ اشاعت اسلام کے لیے مشرکین سے جنگیں لڑی گئیں۔

2۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اگرچہ یہ عرب سے ظاہر ہوا مگر اس کے اندر تعصب اور نسلی امتیاز نہیں ہے۔ سب لوگ اللہ کی مخلوق ہیں اور سب کو مسلمان کی حیثیت میں قبول کر لیا جاتا ہے۔

3۔ اسلام ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ علم' مراقبہ یا عظیم قربانیوں کا مطالبہ کرنے والے دیگر مذاہب کے برعکس اسلام سادہ اور واضح مذہب ہے۔ توحید کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے: اسلام کے پانچ ارکان پر باقاعدگی سے عمل کرنے والا اچھا اور متقی مسلمان ہے۔

4۔ ابتداء میں مسلمانوں کے اردگرد کی دنیا پیچیدہ اور اس کی حالت نہایت خراب تھی۔ بازنطینی عیسائی حکمرانوں نے عرب عیسائیوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا تھا اور اسی لیے مسلمان فاتحین کا استقبال حملہ آور فوج کے طور پر نہیں بلکہ نجات دہندہ کی حیثیت سے کیا گیا۔

رسول پاک ﷺ کی وفات سے قبل اسلام نے عرب ریاستوں کو فتح اور متحد کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ تحریک پھیلتے ہوئے عرب سے باہر نکل گئی۔ 634ء میں دمشق: 636ء میں فارس اور 638ء میں یروشلم نے اسلام قبول کیا: مصر بھی 640ء میں فتح کر لیا گیا۔ بعد کی دہائیوں میں اسلام نے اپنی فتوحات کو استحکام دیا۔ ساتویں صدی کے آخر تک شمالی افریقہ کے بیشتر علاقے مسلمان ہو گئے۔ 711ء میں مسلمان سپین میں داخل ہوئے جہاں انہوں نے اگلے سات سو سال تک حکومت کی۔ 732ء میں چارلس مارٹل نے جنگ ٹور کے ذریعہ انہیں یورپ میں مزید فتوحات سے روک دیا۔ مگر اس جنگ کے لیے یورپ کا مذہبی ورثہ عیسائیوں کے بجائے مسلمان ہی تھے۔ قسطنطنیہ میں 1453ء تک مسلمانوں کے حملوں کی مزاحمت کی گئی۔ مقلیہ

کو نویں صدی میں فتح کرلیا گیا اور یہ کافی عرصہ تک اٹلی کے خلاف حملوں کی بنیاد بنا۔ چین' شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں اسلامی ریاستوں کے استحکام سے مسلمانوں نے مشرق کی طرف رُخ کیا۔ گیارھویں صدی میں بغداد کی خلافت نے اپنی فتوحات کو ہندوستان اور چین تک بڑھا دیا۔ آج ہندوستان کا بڑا حصہ مسلمان ہے اور چین میں ایک اندازے کے مطابق 3 کروڑ مسلمان ہیں۔ چودھویں صدی میں انڈونیشیا بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوگیا اور پندرھویں اور سولہویں صدیوں میں اسلام نے بحرالکاہل کے جزائر میں لوگوں کو مسلمان کیا۔ اُنیسویں صدی کے آخر تک مسلمان دنیا ان حدود کے اندر رہی۔ تب افریقہ میں تبلیغی سرگرمی شروع ہوئی اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

خلافت

اسلام رومن کیتھولک عیسائیت کی طرح حکومتی مذہب نہیں' اس کی وجوہ میں سے ایک یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی پیروی نجی طور پر بھی کی جاسکتی ہے۔ ایک اچھے مسلمان کے زیادہ تر فرائض گھر میں ہی کسی مذہبی راہنما کی عدم موجودگی میں بھی ادا کیے جاسکتے ہیں۔ اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ آنحضورؐ نے اپنا جانشین نامزد نہ کیا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی اولاد میں سے صرف حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں اور آپؐ نے کبھی واضح طور پر انہیں اپنا جانشین مقرر نہ کیا۔ جانشینی کا صرف ایک اشارہ یہ ملتا ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لیے مقرر کیا تھا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان شدید تذبذب کا شکار ہوئے' لیکن کچھ دیر بعد طے پاگیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے۔ رہنمائی کے لیے قرآن مجید کو آخری ہادی تسلیم کیا گیا۔

تاریخ اسلام میں خلافت ایک مرکزی اتحادی عہدہ ہے۔ ابتداء میں خلیفہ آنحضورؐ کے صحابہؓ تھے اور انہوں نے اہل ایمان کے پاکیزہ راہنماؤں کے طور پر عمل کیا۔

انہیں انتخاب یا متفقہ رائے کے ذریعے چنا گیا۔ بعد ازاں خلافت موروثی ہوئی اور اس کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ خلفائے راشدین کو "راسخ العقیدہ" سمجھا جاتا ہے کیونکہ انہیں آنحضورؐ کے صحابہؓ میں سے منتخب کیا گیا تھا۔ یہ چاروں خلفاء حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور آنحضور ﷺ کے داماد حضرت علیؓ تھے۔ ان خلفاء کے لیے زندگی آسان نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جھوٹے نبیوں کے فتنوں اور بغاوتوں کو دبانے کے ساتھ ساتھ عرب قوم کو متحد کرنے کی کوشش بھی کرنا پڑی۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوئے اور شورش انگیزی کے ایک دور کے بعد خلافت حضرت علیؓ سے چھین کر انہیں بھی شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسلام میں پہلی سلطنت تشکیل پذیر ہوئی۔

661ء اور 750ء عیسوی کے درمیان اسلام پر اُموی خلفاء کی حکومت تھی جنہوں نے اپنا صدر مقام دمشق (شام) کو بنایا۔ اُموی خلفاء بادشاہوں کی طرح حکومت کرنے، علاقے فتح کرنے اور مال غنیمت بانٹنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ اُن کے بعد سلطنت عباسیہ آئی جس نے 750ء اور 1258ء تک بغداد سے حکومت کی۔ عباسیوں نے اُمویوں کو بھی پیچھے چھوڑا اور ایسی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی جس کا انداز آپ الف لیلیٰ میں دیکھ سکتے ہیں۔ عباسی خلافت کے دور میں ہی اسلام اپنی تہذیب کی رفعت کو پہنچا۔ بغداد میں ہی یہودیوں اور مسلمانوں نے مل کر یونانی فلسفیوں اور سائنس دانوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور انہیں محفوظ کیا۔ تاہم، دسویں صدی کے بعد مسلم تہذیب کا عہد زریں زوال پذیر ہوا اور خلافت اپنی طاقت کھونے لگی۔

عباسیوں کی جگہ مملوکی تُرکوں نے لی جنہوں نے مصر سے مسلم سلطنت پر حکومت کی۔ مملوکیوں کی جگہ سولہویں صدی میں عثمانی تُرک آئے جنہوں نے خلیفہ کے لقب کو تُرکی کے سلطان کا ہم معنی بنا دیا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد جب سلطنت عثمانیہ ٹوٹی تو خلافت بھی معدوم ہو گئی۔ تاہم، تب سے یہ محض ایک لقب ہے جو اپنے اندر وہ جلال اور طاقت نہیں رکھتا جو اسے عباسی خلفاء کے دنوں میں حاصل تھی۔

اسلام اور جدید دنیا

خلافت بغداد کی رفعتوں سے بعد کے سالوں میں اسلام نسبتاً معمول کی روش پر چلنے لگا۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں فلسطین میں مقدس مقامات کی خاطر عیسائی ملیبیوں کے ساتھ جنگیں ہوئی جنھوں نے ایک غیر معمولی مسلمان راہنما صلاح الدین کو پیدا کیا؛ اسلام مشرق میں ہندوستان' چین اور بحرالکاہل کے جزائر میں پھیل چکا تھا اور سولہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ نے ترقی کی تھی' لیکن بحیثیت مجموعی اسلام کبھی دولت' طاقت اور حیات عقلیہ کے اُس سنہری دور تک نہ پہنچ سکا جو اسے عباسی خلفاء کے دور میں حاصل ہوئی تھی۔

جب یورپی اقوام قرون وسطیٰ کے دھندلکوں میں سے نکل کر صنعتی دور میں داخل ہو رہی تھیں تو بیشتر اسلامی اقوام ابھی تک قبل از صنعتی ترقی کے معاشروں میں زندہ تھیں۔ اسلامی دنیا میں اس خاموش عہد کی کئی ایک وجوہ بتائی جاتی ہیں۔ ایک واضح ترین وجہ خود مذہب کی بنیاد پرستانہ نوعیت ہے۔ زیادہ تر مذاہب بنیادی طور پر بنیاد پرست ہیں۔ آنحضور ﷺ انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام کے طور پر آئے اور قرآن مجید اللہ کا آخری عظیم پیغام ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ قرآن کو جانا اور اپنی زندگی پر لاگو کیا جائے۔ چنانچہ خلفائے بغداد کے عظیم عہد کے بعد مسلمانوں کو حصول علم اور زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے بہت کم اندرونی محرک مل سکا۔

مسلمانوں کے درمیان تبدیلی کے فقدان کی ایک اور وجہ یورپی اقوام کے مقابلہ میں اُن کا خود تشفی کا احساس ہوگی۔ مسلمانوں نے اپنی زمینوں پر حملہ کرنے والے عیسائی ملیبیوں کو فیصلہ کن طور پر شکست دے دی تھی۔ بعد میں انھوں نے قسطنطنیہ کے ناقابل تسخیر سمجھے جانے والے شہر کو عیسائیوں سے چھین لیا تھا۔ چنانچہ اسلامی دنیا عیسائی اقوام پر عسکری اور ثقافتی برتری کا احساس رکھتی تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی میں جب نپولین نے مصر کو فتح کیا تو تب کہیں آ کر مسلم اقوام کو پتا چلا کہ یورپی کسی بھی حوالے سے برتر ہو سکتے ہیں۔

نئے دور کی جانب مسلم اقوام کی سست پیش رفت کی تیسری وجہ یہ تھی کہ اسلام میں نہایت رجعت پسند گروہوں نے تبدیلی کے خلاف جدوجہد میں قیادت سنبھال لی۔ تبدیلی کے خلاف نہایت زبردست وہابی تحریک کی بنیاد 1744ء میں محمد ابن عبدالوہاب نے رکھی۔ وہابی ہر قسم کی تبدیلی کی مخالفت کرنے والے روایت پرست تھے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے یورپی طریقوں کی قبولیت کی مخالفت کی' بلکہ انہوں نے صوفیوں وغیرہ کی جانب سے پیش کی گئی اندرونی ترمیموں کو بھی نامنظور کیا۔ وہابی تحریک سعود خاندان کے گھرانے سے منسلک ہو گئی۔ انیسویں صدی میں وہابیوں نے صوفیاء اور ان لوگوں کو دبایا جنہیں وہ تبدیلی کا حامی سمجھتے تھے۔ آج اسلامی دنیا میں وہابی تحریک زیادہ مضبوط نہیں لیکن انیسویں صدی میں اس کی موجودگی تبدیلی کے خلاف مسلمانوں کی پوشیدہ خواہش کا اظہار کرتی ہے۔

جدید دنیا کے ساتھ مسلم دنیا کی لاتعلقی کا خاتمہ بیسویں صدی کے ابتدائی حصہ میں ہوا۔ اُس وقت تک نقل و حمل اور مواصلات کے ذرائع اس حد تک جدید ہو چکے تھے کہ مسلم دنیا یورپی دنیا کی آسان رسائی میں آگئی۔ پہلی عالمی جنگ نے سلطنت عثمانیہ کو اتحادیوں کے ساتھ مل کر جدوجہد میں شریک کیا۔ اتحادیوں کی شکست کے ساتھ ہی سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور یورپی طاقتوں نے مشرق وسطیٰ کے کچھ حصوں پر اختیار قائم کر لیا۔ پہلی عالمی جنگ سے بعد کے سالوں میں سابقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل مختلف مسلم ریاستیں آزاد اقوام بن گئیں۔ انجام کار انہوں نے یورپی حکومتوں کے ساتھ اپنے بندھن توڑے اور آزادی حاصل کی۔ مزید برآں' مشرق وسطیٰ کی بیشتر اقوام میں خام تیل کی بہت بڑی مقدار پائی گئی اور یوں اُن کی دولت اور سیاسی قوت راتوں رات بڑھ گئی۔ ان عوامل نے داخلی اور خارجی دونوں لحاظ سے اسلام میں دوبارہ دلچسپی کو فروغ دیا۔ چاہے دنیا چاہتی تھی یا نہیں لیکن مشرق وسطیٰ کی مسلم ریاستوں کو دوبارہ کبھی نظرانداز نہ کیا جا سکا؛ وہ نہایت اہم ہیں۔

اسلام میں اندرونی دلچسپی کا بڑھنا مختلف طریقوں سے ظاہر ہوا۔ اول صورت اندرونی اصلاحی تحریکیں ہیں۔ کچھ مسلمانوں نے قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں اور انہیں دورِ حاضر کے ساتھ منطبق کیا۔ دیگر اصلاحات نے مسلم برادریوں میں شادی اور طلاق

کے قوانین کو تبدیل کر کے انہیں مغربی اقوام کے ان قوانین کا ہم پلہ بنایا۔

بیسویں صدی میں اسلام کی حیات نو کا واضح ترین نتیجہ افریقہ میں اس کی نہایت فعال تبلیغی تحریک ہے۔ صحرائے صحارا کے جنوب میں مسلم مبلغین کی تحریک انیسویں صدی کے اواخر میں شروع ہوئی جب غلاموں کی تجارت کا خاتمہ ہوا اور سیاہ فاموں کی تبدیلی مذہب ممکن ہوئی۔ تاہم' اسلام ساتویں صدی سے افریقہ کے مختلف علاقوں میں موجود رہا ہے۔ سب سے پہلے شمالی افریقہ فتح اور دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اندرونی علاقے بالخصوص شہر بھی طویل عرصہ تک مسلم اثرورسوخ کے مطیع رہے' مسلمان تاجروں نے براعظم کے متعدد علاقوں میں کام کیا۔ تاہم اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں یورپی اقوام کی آبادیاتی قوتوں نے مسلم تبلیغی سرگرمی کو اندرونی علاقوں میں ممکن بنایا۔ آبادیاتی طاقتوں نے افریقہ کو نقشوں' جدید ذرائع آمد ورفت و مواصلات کے ساتھ عیسائی اور مسلمان مبلغوں دونوں کے لیے کھول دیا۔ آبادیاتی اقوام کے ہاتھوں افریقیوں کے ساتھ زیادتیوں نے بھی اسلام کے لیے دروازے کھولے۔ اگرچہ اسلام میں رنگ یا نسل کا کوئی تعصب موجود نہیں' لیکن اسے تیسری دنیا کے ایسے لوگوں کے مذہب کے طور پر تصور کیا جا سکتا ہے جنہیں عیسائی آبادیاتی طاقتوں نے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران مسلمان مبلغین افریقہ میں اس قدر موثر رہے ہیں کہ 1968ء میں لگائے گئے اندازے کے مطابق غالباً افریقہ کے ایک چوتھائی باشندے مسلمان تھے۔ اگر تبدیلی مذہب کی موجودہ شرح جاری رہی تو وہ دن دور نہیں جب سارے براعظم کو مسلم دنیا کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔

مذہب کے طور پر اسلام ترقی کے دو اہم ادوار میں سے گزرا ہے--- ایک اپنی تاریخ کی ابتداء میں اور دوسرا بیسویں صدی میں عرب ریاستوں کی اہم عالمی طاقتوں کے ظہور کے ساتھ اور افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد میں تیز اضافہ کے باعث۔ اب اسلام کو بڑا عالمی مذہب تسلیم کیا جاتا ہے جو دنیا کے فلسفوں' آرٹ' فن تعمیر اور سیاست پر اپنے اثرات مرتب کرتا رہے گا۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Andrae, Tor. *Mohammed, the Man and His Faith.* London; George Allen and Unwin,1936

2) Arberry, A. j. *The Holy Koran.* New York: Macmillan, 1953.

3) Cragg, Kenneth. *The House of Islam.* Encino, Calif: Dickenson Publishing Company, 1975.

4) Guillaume, Alfred. *Islam.* Baltimore: Penguin, 1954.

5) Watt, W. Montgomery. *Muhammad, Prophet and Statesman.* London oxford Universty Press, 1964

◐ ◐ ◐

تیسرا حصہ

ہندوستان

مذاہب کے جدید قاری کے لئے ہندوستان میں پیدا ہونے والے مذاہب سے زیادہ باعث دلچسپی چیز اور کوئی نہیں - ہندومت' جین مت' بدھ مت اور سکھ مت کی مذہبی تعلیمات و تجربہ میں گہرائی اور تنوع واقعی شاندار اور حیرت انگیز ہے - آج مغربی اقوام کے قارئین زین بدھ مت کی سادہ باطنیت' بھگوت گیتا کی خوبصورتی' ویدانت کی پیچیدگی اور جینیوں کے تصور اہنسا کو پہلے سے کہیں زیادہ سراہتے ہیں - جدید ایشیاء کو سمجھنے کے لئے ان مذاہب کے بنیادی ادب' تاریخ اور عقائد کی تفہیم لازمی ہے -

آٹھواں باب

ہندومت

"جس طرح کوئی شخص اپنے پرانے کپڑے اتار کر نئے پہن لیتا ہے' اُسی طرح روح پھٹے پرانے جسموں کو چھوڑ کر نئے جسموں میں داخل ہو جاتی ہے۔" (بھگوت گیتا' باب 2)

غالباً دنیا کے تمام مذاہب میں سے قدیم ترین اور سب سے پیچیدہ مذہب ہندومت ہے۔ آج کے بہت سے فعال مذاہب تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں یا بعد میں شروع ہوئے' جبکہ ہندومت کے کچھ مذہبی نظریات اور صورتیں تیسرے ہزاریے قبل مسیح میں شروع ہوئیں۔ ہندومت میں تقریباً ہر اُس مذہب کی کوئی نہ کوئی صورت یا انداز ملتا ہے جو قابل تصور یا فعال رہا ہو۔ غالباً یہ تمام مذاہب میں سب سے زیادہ رواداری روا رکھنے والا مذہب ہے اور اس کی وسعت ارواح پرستی سے لے کر کچھ نہایت اعلیٰ مرتبہ اور مفصل فلسفیانہ نظام تک پھیلی ہوئی ہے اس وسیع پیمانے میں ہندومت ہزاروں چھوٹے بڑے دیوتاؤں' ان کی عبادت گاہوں اور ان کے پجاریوں کو جگہ دیتا ہے۔ لہٰذا کسی ہندو کے لیے ممکن مذہبی خیالات عموماً لامحدود ہوتے ہیں۔

ہندومت تین دوسرے مذاہب کے لیے بھی وسیلہ رہا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں دو انقلابی تحریکیں جین مت اور بدھ مت ہندومت میں سے ابھریں اور روایتی ہندوستانی مذہبی نظریات کو چیلنج کیا۔ ایک وقت میں ایسا ظاہر ہونے لگا کہ یہ دو تحریکیں

شاید ہندوازم کی جگہ لے لیں گی۔ تاہم' چند صدیوں کے دوران ان کے نمایاں عناصر ہندومت میں جذب ہو گئے جو ہندوستان کے بنیادی مذہب کی حیثیت سے دوبارہ ابھرا۔ آج جین مت ہندوستان میں اقلیتی مذہب ہے اور بدھ مت کی' جس نے اگرچہ دیگر ایشیائی قوموں پر بہت زیادہ اثرات مرتب کیے' ہندوستان میں کوئی حیثیت نہیں۔ پندرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر مسلمانوں کے حملوں کے بعد سکھ مت اسلام اور ہندومت کے امتزاج کے طور پر اُبھرا۔ تاہم' یہ کبھی بھی اقلیتی مذہب سے زیادہ حیثیت نہ بنا سکا۔ ہندومت نے چیلنج کرنے والے مذاہب کو اپنے اندر جذب کر کے اور ان کی نمایاں صفات کو ہندو سوچ کے مرکزی دھارے میں شامل کر کے ان پر غلبہ پالیا۔

دنیا کے کئی دوسرے بڑے مذاہب کے برخلاف ہندومت کا کوئی قابل ذکر بانی نہیں تھا۔ اگرچہ اس کی تاریخ میں بہت سے عظیم استاد اور پیشوا گزرے ہیں' مگر کوئی بھی ایسا نہیں جس کی تعلیمات بعد کی ہندو فکر کا سرچشمہ بنی ہوں۔

لفظ "ہندو" سنسکرت میں دریائے انڈس کے نام "سندھو" سے آیا ہے۔ اگرچہ ہندومت بہت سے مذہبی عقائد اور افعال کی نمائندگی کرتا ہے' یہ عموماً ہندوستان کے لوگوں کے مذہب پر لاگو ہوتا ہے۔ ایک لحاظ سے ہندوستانی ہونا' ہندو ہونا وغیرہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اپنی پوری تاریخ میں بہت سے لوگ ہندومت میں داخل ہوئے مگر یہ بدھ مت' عیسائیت اور اسلام کی طرح کبھی ایک فعال تبلیغی مذہب نہ بن سکا۔

ہندومت کے ماخذ

آریاؤں سے قبل کا ہندوستان:

ہندومت کی تاریخ دوسری صدی قبل مسیح کے دوران ہندوستانی لوگوں کے آریائی فاتحین کی ہجرت سے شروع ہوتی ہے۔ جو مذہب یہ فاتحین اپنے ساتھ لائے وہ مقامی لوگوں کے مذہب کے ساتھ مل جل گیا اور اُن کے درمیان جس تہذیب نے ترقی پائی وہ کلاسیکی ہندومت بن گیا۔

تاہم' آریائی مذہب پر بات کرنے سے پہلے ہمیں ہندوستان کے آریاؤں سے قبل

کے مقامی باشندوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ دراصل ان لوگوں کے بارے میں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ 1920ء سے پہلے قبل از آریائی لوگوں کے بارے میں معلومات کا واحد ذریعہ ابتدائی ہندومت کا ویدی ادب تھا۔ چونکہ یہ آریاؤں کا مذہبی ادب تھا' اس لیے ہندوستان کے مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کے بارے میں حوالہ جات بنیادی طور پر منفی تھے اور لوگوں کو غیر مہذب اور وحشی کے طور پر پیش کیا گیا۔ تاہم' 1920ء میں وادی سندھ میں آثاریاتی کھدائی عمل میں آئی اور کم از کم دو قبل از آریائی شہر دریافت ہوئے۔ وید میں پیش کیے جانے والے تصور کے برعکس یہ کھدائی بتاتی ہے کہ 2500 قبل مسیح میں وادی سندھ میں اعلیٰ ترقی یافتہ تہذیب موجود تھی۔ شہروں میں نالیوں کے انتظام کے ساتھ بہت اچھی گلیاں تھیں؛ انہیں اردگرد کی جدید زرعی برادریاں خوراک فراہم کرتی تھیں' اور ان قبل از آریائی لوگوں کے پاس تحریری زبان موجود تھی۔ بدقسمتی سے ابھی تک اس زبان کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور ان لوگوں کی زندگی اور مذہب سے متعلق معلومات کا ایک وسیع خزانہ پوشیدہ ہے۔

ہم قبل از آریائی لوگوں کے مذہب کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں وہ ماہرین آثاریات کو ملنے والے بہت سے مجسموں اور تعویذوں سے پتا چلتا ہے۔ ان میں سے بہت سے اُس شبیہ کو ظاہر کرتے ہیں جنہیں زرخیزی کے دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں کچھ جسم کنول آسن میں بیٹھے ہوئے ہیں جسے بعد میں یوگا' ہندومت اور دیگر فرقوں نے اختیار کر لیا۔ لہٰذا اندازہ ہے کہ بربریت سے کہیں دُور' قبل از آریائی لوگ نہایت مہذب شہروں میں بسنے والے لوگ تھے' اور یہ کہ بعد کے ہندومت نے اپنے کچھ دیوتا اور دستور اسی ابتدائی عرصہ سے حاصل کیے ہیں۔

آریاؤں کی آمد:

آج کے طالب علم کے لیے لفظ "آریا" عموماً اُس سے مختلف مفہوم رکھتا ہے جو بیسویں صدی کی نازی (Nazi) تحریک نے اُسے دیا۔ ہٹلر نے اپنے لوگوں کو اعلیٰ ترین نسل کا ظاہر کرنے کے لیے 'گورے' لمبے اور نیلی آنکھوں والے لوگوں کو "آریائی نسل" کا نام دیا۔ نازی تحریک کے لیے یہ لوگ بلند تر نسل تھے جنہوں نے دنیا کو تاریخی

طور پر اپنی قوت اور تہذیب دی۔ دوسرے طبقے مثلاً سامی' یہودی اور حبشی ان آریاؤں سے صریحاً کمتر تھے۔ بلاشبہ اس کی کوئی آثاریاتی یا تاریخی بنیاد نہیں ہے۔ اصل آریائی کوئی ایک نسل نہیں تھی اور ان میں وہ جسمانی خصوصیات موجود نہیں تھیں جو نازی تحریک والے ان کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔

"آریا" سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے عالی مرتبہ' "معزز افراد"؛ یہ لفظ مہاجرین کے ایک گروہ پر لاگو ہوتا تھا جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایران کے خطوں سے وادی سندھ میں آئے (آریاؤں کے عزیز و اقارب جو ہجرت کر کے ہندوستان نہ آئے وہ سلطنت فارس کے بانی بن گئے' جس نے چھٹی صدی سے چوتھی صدی قبل مسیح تک مشرق وسطیٰ پر حکمرانی کی۔ جب فارس کے جدید لوگ اپنی قوم کے لیے نام تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اسے ایران کہا' جس کا مطلب ہے آریاؤں کی سرزمین۔)

1750 اور 1200 قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں آریائی وادی سندھ میں نقل مکانی کر کے آئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس خطے کی اعلیٰ تہذیب یافتہ شہری ثقافتیں ختم ہو چکی تھیں کیونکہ انہیں آریاؤں نے بہ آسانی فتح کر کے اپنی ثقافت میں جذب کر لیا تھا۔ ابتدائی آریاؤں کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ ویدی ادب میں بکھرے ہوئے حوالہ جات اشارہ کرتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر آوارہ خانہ بدوش تھے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ریوڑ کے پیچھے جاتے تھے۔ بظاہر ان کی کوئی مستقل بنیادیں یا شہر نہیں تھے۔ اُس عرصہ کے آریا قبیلوں کی صورت میں ترتیب دیئے گئے تھے جن کی سربراہی سردار کرتے تھے جنہیں راجہ کہا جاتا تھا۔ آریا لوگ ہند یورپی زبان بولا کرتے تھے جو سنسکرت کے لیے بنیادی اور جو یورپ کی زبانوں کے ساتھ مشترکہ خصوصیات رکھتی ہے۔ یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ہی کہیں آکر اُن لوگوں نے وادی سندھ میں شہروں کے اندر آباد ہونا شروع کیا اور کچھ راجوں نے اپنے لیے چھوٹی چھوٹی سلطنتیں جمع اور تعمیر کرنا شروع کر دیں۔

ابتدائی ذرائع کے مطابق آریائی معاشرہ نے تین بنیادی صورتوں میں ترقی کرنا شروع کی۔ مختلف آریائی دیوتاؤں کے مسالک کی خدمت کرنے والے اعلیٰ مرتبت

پجاری برہمن کہلاتے تھے۔ سردار اور جنگجو کشتریہ کہلاتے تھے جنہیں معاشرے کے بالائی طبقے سے نزدیک سمجھا جاتا تھا۔ دونوں بالائی طبقات کے خادم سمجھے جانے والے عام لوگ اور تاجر ویش کہلاتے تھے۔ چوتھا طبقہ آریوں کی تسخیر سے پہلے والے لوگوں پر مشتمل تھا جنہیں شودر کہا جاتا تھا۔ شودروں کو معاشرے کے مکمل ارکان کی حیثیت نہ دی جاتی اور عموماً آریوں کے غلاموں یا نوکروں کے درجے پر رکھا جاتا۔ ہندوستانی معاشرے میں یہ تقسیم صدیوں تک قائم رہی اور ان کے نیچے کئی ذیلی تقسیمیں تھیں جو نام نہاد نظام ذات کی بنیاد بن گئیں۔

آریائی مذہب:

آریائی حملہ آوروں کے مذہب سے متعلق علم کا بہترین ذریعہ ویدک ادب ہے' لیکن یہ ادب اُس وقت مرتب ہوا جب آریائی کافی عرصہ ہوا ہندوستان میں آباد ہو چکے تھے اور مقامی لوگوں اور اُن کے مذہب کے ساتھ گھل مل چکے تھے۔ ویدوں میں کیا کچھ حقیقتاً آریائی اور قبل از آریائی ہے' اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ بایں ہمہ آریائی مذہب کے بارے میں کچھ بنیادی مفروضے قائم کیے جاسکتے ہیں۔

یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ ہندوستان کے آریائی حملہ آور اپنے ساتھ دیگر ہند-یورپی لوگوں کی طرح کثرت پرست مذہب لے کر آئے۔ آریائی دیوتاؤں کو یونانی-رومی معبد کے دیوتاؤں ساتھ ملانے کی خاصی کوششیں ہوتی رہیں۔ آریائی جن دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے وہ مختلف فطری قوتوں مثلاً طوفان' سورج' چاند اور زرخیزی کی شخصی صورتیں لگتی ہیں۔

آریائی دیوتاؤں کی پرستش کا بنیادی طریقہ بدیہی طور پر قربانی تھا۔ اگرچہ ہندوستان پر تسلط کے ابتدائی دنوں میں آریائی بنیادی طور پر خانہ بدوش لوگ تھے' لہٰذا انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لیے معبد قائم نہ کیے' بلکہ کھلی جگہوں پر بنائی گئی قربان گاہوں پر ان کے لیے قربانیاں پیش کرتے رہے۔ یہ زیادہ تر جانوروں کی قربانیاں ہوتی تھیں۔ لیکن اس میں دودھ کی بنی ہوئی اشیاء مثلاً مکھن بھی دیوتاؤں کو پیش کیا جاتا۔ ایک اور سیال جو بظاہر بھینٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا' مقدس پودے سوم (Soma) کا

رس تھا۔ سوم پودے کی حقیقی شناخت جدید دنیا کے لیے ختم ہو چکی ہے۔ قدیم متن اسے مقدس پودے کے طور پر بیان کرتے ہوں جو اِندر دیوتا نے زمین پر بھیجا جاتا۔ سوم رس کو پجاری کے لیے نہایت لذیذ اور قوت افزاء بیان کیا جاتا جو اسے پیتا اور دیوتاؤں کو بھی ساتھ شریک کرتا۔ جدید ہندوستانی جس پودے کو سوم (Soma) کے طور پر جانتے ہیں وہ لذیذ اور قوت افزاء نہیں بلکہ اسے پینے والوں کو متلی ہوتی ہے۔ قدرتی طور پر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ اصل سوم شاید ایک قسم کی مشروم یا ایسا کوئی پودا ہے جو مدہوشی پیدا کرتا ہو۔

غالباً کسی بھی مذہب میں کبھی بھی کی جانے والی سب سے قیمتی اور مفصل قربانی کے بارے میں کہا جاتا کہ وہ آریاؤں نے کی۔ یہ نام نہاد گھوڑے کی قربانی تھی۔ اخراجات اور پیچیدگی کے باعث اشومیدھ (گھوڑے کی قربانی) آریائی حکمرانوں تک ہی محدود تھی۔ یہ قربانی ایسی تھی جو قیاساً کسی گناہ عظیم کی تلافی یا اس میں حصہ لینے والوں کو زبردست مذہبی قوت دینے میں غیر معمولی اثر رکھتی تھی۔ اشومیدھ ان حکمرانوں کے لیے بھی مددگار تھی جو اپنی سلطنت کو وسیع کرنا چاہتے تھے' اور بلاشبہ یہ ہندوستانی حکمرانوں کے لیے اس کی ایک زبردست کشش تھی۔ ایک جوان نر گھوڑے کو اس قربانی کے لیے چنا جاتا اور اُسے ایک سال کے لیے کھیتوں میں گھومنے پھرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ حکمران کے خادم گھوڑے کے پیچھے پیچھے جاتے۔ اگر گھوڑا کسی ایسے علاقے میں جانکلتا جو حکمران کے تسلط میں نہ ہوتا تو اُس راجا کو وہ زمین اپنی کہلانے کے دعویٰ کا حق ہوتا۔ ایک برس بعد گھوڑے کو واپس لایا جاتا۔ اُس وقت دوسرے کئی جانور بھی دیوتاؤں کے لیے قربان کیے جاتے تھے۔ اس عظیم سوختنی قربانی میں ہر قسم کے جانور' مکھی سے لے کر ہاتھی تک شامل ہوتے تھے اور بعض اوقات چھ سو حیوانات سے زیادہ کی قربانی کی جاتی۔ پھر اس مقدس گھوڑے کی کھال کھینچی جاتی اور راجا کی بیویاں گھوڑے کے جسم کے ساتھ زرخیزی کی رسوم میں حصہ لیتیں۔ آخر کار لاش کو باقاعدہ ذبح کیا جاتا اور حکمران اور اس کا خاندان اسے کھاتے۔ داستانی اعتبار سے اگر کوئی شخص ایک سو اشومیدھ (گھوڑے کی قربانی) کرلیتا تو اُسے تمام دیوتاؤں اور کائنات کا حاکم بنایا جاسکتا تھا۔ بدقسمتی سے جو اس کی خواہش کرتے انہیں ایسے کام کے لیے ایک

سو سال سے زائد عمر اور وافر دولت چاہیے ہوتی۔ نتیجتاً کسی حکمران کی ایک بھی مثال ایسی نہیں جو اس قربانی کو ایک سو مرتبہ ادا کر سکا ہو۔ آخری مرتبہ ہندوستان کے ایک حکمران نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں گھوڑے کی قربانی کی۔

ویدک دَور

وید:

ہندومت کا بنیادی مقدس صحیفہ وید ہیں۔ یہ کتابیں ہندو نظریۂ کائنات کے سمجھنے کا ذریعہ ہیں' اور بعد کا تمام مواد انہی کا حوالہ دیتا ہے اور محض انہی پر بات کرتا ہے۔ ویدوں نے اس وقت تشکیل پائی جب آریائی ہندوستان آئے اور وہاں آباد ہوئے اور مقامی لوگوں کے مذہب کے ساتھ اپنا مذہب مخلوط کر لیا۔ وید کے لکھے جانے کے قطعی دور کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ علماء کا یقین ہے کہ ابتدائی ویدی بھجن دو ہزار قبل مسیح سے پہلے آریاؤں کی آمد سے قبل ترقی پا چکے تھے اور وہ چھٹی صدی عیسوی میں بھی بدستور ترقی پذیر تھے۔ باقی اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ ویدی ادب کا بہت سا حصہ پندرہ سو تا چار سو قبل مسیح میں معرض وجود میں آیا۔ دوسرے بہت سے قدیم مذہبی ادب کی طرح ان کتب کے قطعی نقطۂ آغاز اور ترقی کے بارے میں جاننے کا کوئی یقینی راستہ موجود نہیں۔ بلاشبہ انہیں تحریری شکل میں لانے سے قبل کئی نسلوں تک زبانی یاد اور منتقل کیا جاتا رہا؛ لہٰذا ان کے آغاز اور تکمیل کے مابین صدیاں گزر گئیں۔

وید بنیادی طور پر چار ہیں۔ پہلا اور سب سے اہم رگ وید ہے۔ (وید لفظ کا اصل مطلب "علم" ہے) یہ آریائی دیوتاؤں کے لیے ایک ہزار سے زائد مناجاتی گیتوں کا مجموعہ اور اس میں کئی دوسرے مواد بھی موجود ہیں۔ یہ ان دیوتاؤں کی بنیادی اساطیر پر مشتمل ہے۔ دوسری ویدی کتب زیادہ تر اسی مواد پر مشتمل ہیں جو اصل میں رگ وید میں موجود ہے۔

دوسری کتاب یجروید (رسومات کا علم) ہے۔ یہ دیوتاؤں کے حضور قربانی کے دوران گائے جانے والے مواد کا مجموعہ ہے۔ تیسری کتاب سام وید بنیادی مناجاتی

گیتوں میں سے اشعار کا مجموعہ ہے جو پروہتوں کی طرف سے قربانی پر پڑھے جاتے۔ چوتھی کتاب' جو رگ وید کے بعد دوسری اہم کتاب ہے' اتھرو وید ہے۔ ("رشی اتھرو کی طرف سے دیا جانے والا علم")۔ یہ دیوتاؤں کے لیے کی جانے والی مقبول عبادتوں میں استعمال کی جانے والی رسومات پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ہی برائی کو بھگانے کے لیے سحر اور جادو بھی ہوتے۔

ویدی کتب میں سے ہر ایک کے چار حصے ہیں۔ ہر ایک میں دیوتاؤں کے لیے مناجاتی گیت (منتروں) پر مشتمل ایک سیکشن ہے۔ بہت سے قدیم مذاہب کی طرح مناجاتی کتب اور مذہبی شاعری تمام مذہبی ادب میں سب سے قدیم سمجھی جاتی ہے کیونکہ یہ اُس دور کو منعکس کرتی ہے جب دیوتاؤں کے لیے اور ان کے بارے میں اقوال کو بغیر تحریری صورت کے یاد کیا' دوہرایا اور ایک نسل سے دوسری تک منتقل کیا جاتا۔ ہر ویدی کتاب کا ایک حصہ رسوماتی مواد (برہمہ) پر مشتمل ہے جس میں پرستش کرنے والے کو اپنی قربانی وغیرہ کی رسوم ادا کرنے کے مناسب طریقہ میں ہدایات دی گئی ہیں۔ برہمن کو منتر حصہ کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ وید کا تیسرا حصہ آرنیک کہلاتا ہے جو سنیاسیوں کے لیے مذہبی ہدایت نامہ ہے۔ چوتھے حصے اُپنشد کہلاتے ہیں اور فلسفیانہ مواد پر مشتمل ہیں۔ منتر اور برہمہ وید میں قدیم ترین حصے سمجھے جاتے ہیں جن میں بعد ازاں آرنیک اور اُپنشد کو شامل کر لیا گیا۔ اپنی حتمی شکل میں وید "ویدی" زبان میں لکھے گئے جو کہ ابتدائی سنسکرت کی پیش رو ہے۔

وید میں کئی آریاؤں اور قبل از آریائی دیوتاؤں کا بنیادی ذکر اور اسطوریات موجود ہیں۔ اِندر دیوتا بھجنوں میں سب سے زیادہ توجہ کا مرکز ہے' جو کہ طوفان' بادل اور بارش اور آسمان کا حکمران ہے۔ اِندر خصوصاً اس لیے اہم ہے کیونکہ اسے شیطان ذتر کے فاتح کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ صرف رگ وید میں دو سو پچاس سے زائد بھجن ایسے ہیں جو خصوصاً اس سے مخاطب ہیں۔ مندرجہ ذیل بھی ان میں سے ایک ہے۔

> اے اِندر' ماضی میں قدیم دور کے رشی تیری قوت کے حامل تھے۔ یہ ایک قوت زمین پر اور اگنی (آگ) کی صورت میں ہے' دوسری صورت آسمانوں میں رہنے والے سورج کی ہے۔ دونوں دو پھریروں کی طرح ایک ہیں۔

اِندر کے پاس شیطانوں کی برائی سے بھری ہوئی زمین تھی۔ اُس نے اسے ٹھہرایا اور پھر پھیلایا۔ اس نے شیطانوں کو بجلی کے کوندے سے مارا' بادلوں کو منتشر کیا اور پانیوں کو آسمان سے برسایا۔ اُس نے ناگ آسُور (شیطان) کو مارا; اُس نے ردھین کو موت سے دوچار کیا اور مفرور ویامس کو قتل کیا۔

وہ اپنی طاقت پر اعتماد کے ساتھ گھومتے ہوئے داسوں کے شہروں کو بجلی کے کوندے سے تباہ کرتا ہے۔

اے کوندے کے مختار' اپنے ہتھیار ہمارے دشمنوں داسوں پر چلا اور آریوں کی طاقت اور رفعت میں اضافہ کر۔ ہم عظیم اعمال کرنے والے بیل کو پیش کرنے کے لیے سوم تیار کرتے ہیں جو اسے پینے کا مستحق ہے۔ وہ ان لوگوں کی دولت لے لیتا ہے جو قربانی نہیں کرتے' اور اسے قربانی کرنے والے کو دے دیتے ہیں۔

اِندر نے چار آسوروں شُوسن' پپرو' کویَو اور وتر کو تباہ کرنے کے بعد سمبارا کا قلعہ زمین بوس کیا۔ مترا' ورونا' آدیتی' پرتھوی اور داؤ ہماری یہ دعا قبول کرے۔[1]

ویدی ادب میں بہت سے دیگر آریائی دیوتاؤں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اگنی' آگ کے دیوتا کا دو سو سے زائد بھجنوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اُسے بنیادی طور پر پجاریوں کا دیوتا اور دیوتاؤں کے پجاری کی حیثیت دی جاتی ہے۔ وہ دیوتاؤں کی مناسب قربانی میں رہنمائی کرتا ہے اور اگنی کے دیوتا کے طور پر وہی دوسرے دیوتاؤں کی سوختنی قربانیاں لاتا ہے۔ ورونا دیوتا کو بھی ویدی ادب میں بھجنوں میں شریک کیا گیا ہے۔ وہ کائنات کے نظم و ضبط کا دیوتا جانا جاتا ہے اور وہ جو گناہگاروں کو معافی دیتا ہے۔

اے ورونا' تمام دنیا کے رہنما' بہت سے بہادروں کے آقا' ہم تیرے پُرمسرت مسکن میں رہیں۔ آدیتی کے بیٹے کے ہاتھوں سے محفوظ رہیں' ہمارے گناہ معاف کرا اور

---

[1] رگ وید' 1:103

ہمیں اپنا دوست بنا۔[1]

وید میں وشنو کا بھی مختصراً ذکر ملتا ہے' کیونکہ اس کے مرتب ہونے کے وقت وہ اہم دیوتا نہ تھا' وہ بعد کے ہندومت میں بنتا تھا۔ ایک اور دیوتا جس کا کام اور نام بعد کے ہندومت میں تبدیل ہوتا تھا' بعد میں رِشیو' موت اور تباہی کے دیوتا کے طور پر پہچانا جانے لگا۔ بعد کے وقتوں میں رِشیو' وشنو اور برہمہ ہندومت میں تین سب سے مقبول دیوتا بن گئے۔ وید میں مُردوں کی سب سے زیادہ توجہ حاصل کرنے والا دیوتا یم (Yama) ہے۔ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ مرنے والا پہلا فرد تھا اور نتیجتاً مردوں کا دیوتا بن گیا۔

> اے قربانی کرنے والے 'ہون (Oblations) کے ساتھ ہمارے اجداد کے بادشاہ کی عزت افزائی کر' بادشاہ کی عزت افزائی کر۔ تمام انسان یم سے رجوع کرتے ہیں' وہ نیک اعمال کرنے والے تمام انسانوں کو بلا تکلیف اُن کی منزلوں تک پہنچاتا ہے۔
>
> یم ہمارے فضائل اور قباحتیں جانتا ہے۔ کوئی اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ جس راہ سے ہمارے اجداد گئے تمام پیدا ہونے والے اُسی راہ سے جائیں گے۔[2]

آریائی دیوتاؤں کے بھجنوں کے علاوہ ویدوں میں قدیم ہندوستانی زندگی کا حکایاتی اور اساطیری مواد بھی شامل ہے۔ ان میں سے منو کی کہانی دلچسپ ترین ہے۔

> وہ منو کے نہانے کے لیے پانی لائے جیسے اب ہاتھ دھونے کے لیے لایا جاتا ہے۔
>
> وہ نہا رہا تھا کہ اُس کے ہاتھوں میں ایک مچھلی آگئی۔
>
> مچھلی نے اُس سے کہا' "مجھے پالو' میں تمہیں بچاؤں گی۔" منو نے

---

[1] رگ وید' 2:28

[2] ایضاً' 10:14

پوچھا، "تم مجھے کس سے بچاؤ گی؟" مچھلی بولی، "ایک سیلاب تمام مخلوقات کو بہا لے جائے گا، میں تمہیں اس سیلاب سے بچاؤں گی۔" منوؑ نے پھر پوچھا، "میں تمہیں کیسے پالوں؟"

مچھلی بولی: "مچھلی، مچھلی کو نگلتی ہے۔ جب تک ہم چھوٹی رہیں تباہی ہماری منتظر رہتی ہے۔ پہلے مجھے ایک مرتبان میں رکھنا۔ جب میں اُس میں نہ سماؤں تو ایک تالاب کھود کر مجھے اس میں ڈال دینا۔ جب میں وہاں بھی نہ سماؤں تو مجھے سمندر پر لے جانا۔ تب میں خطرے سے باہر ہوں گی۔"

یہ مچھلی بہت تیزی سے بڑی ہوئی۔ تب اس نے کہا، "سیلاب فلاں فلاں سال میں آئے گا۔ میری نصیحت پر عمل کرکے ایک کشتی تیار کرو۔ جب سیلاب آئے تو اس میں بیٹھ جانا اور میں تمہیں سیلاب سے بچالوں گی۔"

منو مچھلی کی پرورش کے بعد اسے سمندر پر لے گیا۔ اُس نے مچھلی کے بتائے ہوئے سال میں اُس کی ہدایت کے مطابق ایک کشتی تیار کی اور سیلاب آنے پر اس میں بیٹھ گیا۔ تب مچھلی تیرتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ اُس نے مچھلی کے سینگ کے ساتھ رسہ باندھ دیا اور یوں تیزی سے شمالی پہاڑ پر پہنچ گیا۔

مچھلی نے کہا، "میں نے تمہیں بچالیا۔ کشتی کو ایک درخت سے باندھ دو اور جب تم پہاڑ کے اوپر موجود ہو تو پانی سے دور نہ جانا۔ پانی پیچھے ہٹنے کے ساتھ ساتھ نیچے اُترتے جانا۔" یوں وہ درجہ بدرجہ نیچے اُترا اسی لیے شمالی پہاڑ کی اس ڈھلوان کو "منو کی اُترائی" کہتے ہیں۔ سیلاب تمام مخلوقات کو بہا لے گیا، صرف منو سلامت بچا۔

اپنے وارث کی خواہش میں اس نے پوجا شروع کی اور کٹھن ریاضت کی۔ تب اُس نے پکائے ہوئے گوشت کی بھینٹ چڑھائی۔ پانیوں کو پگھلا ہوا مکھن، چھاچھ اور وہی نذر کیا۔ ایک سال میں ان میں سے ایک عورت پیدا ہوئی۔ وہ نچڑتی ہوئی باہر آئی، پگھلا ہوا مکھن اُس کے نقشِ پا میں جمع ہوتا گیا۔

وہ وارث کی خاطر عورت کے ساتھ مل کر پوجا اور ریاضت کرتا رہا۔ عورت کے ذریعہ اُس کی یہ نسل پیدا ہوئی۔ یہ منو کی نسل ہے۔ وہ عورت کے ذریعہ سے جو بھی

رحمتیں چاہتا تھا اُسے دی گئیں۔[1]

اُپنشد:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' ہر وید کا چوتھا حصہ اُپنشد[2] کہلاتا ہے۔ اس مواد میں قدیم فلسفیانہ بحثیں ملتی ہیں جو بعد کے تمام ہندو فلسفے کی بنیاد بنیں۔ اگرچہ ہو سکتا ہے کہ ان مقالہ جات کی اصل تعداد کافی زیادہ ہو' البتہ تقریباً دو سو اُپنشد موجود ہیں۔ وہ ایک سے پچاس صفحات سے زائد تک طوالت میں مختلف ہیں۔ ان میں چودہ بنیادی اُپنشد کہلاتے ہیں۔ علمی تحقیق اشارہ کرتی ہے کہ قدیم ترین اُپنشد غالباً نویں صدی قبل مسیح اور چھٹی صدی عیسوی میں لکھے گئے۔

کچھ علماء کہتے ہیں کہ اُپنشد وید کا ایک اہم حصہ ہیں اور یہ کہ وہ قدیم بھجنوں اور رسوماتی متن پر فطری بحث ہیں۔ یہ لوگ اُپنشد کو وید کے باقی حصہ میں پائے جانے والے مواد کا فلسفیانہ تاثر سمجھتے ہیں۔ دوسرے اس بات سے اختلاف رکھتے ہیں اور دونوں کے درمیان پائی جانے والی بے ربطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وید کے باقی ادب میں بھجن' منتر' داستانیں اور رسومات واضح طور پر کثرت پرستانہ ہیں اور بے شمار دیوتاؤں کی موزوں پُوجا کا طریقہ بتاتے ہیں' جبکہ اُپنشدوں کا طریقہ کار وحدت پرستانہ ہے۔ وہ قیاس کرتے ہیں کہ صرف ایک حقیقت' غیر شخصی دیوتائی ہستی یعنی برہمہ موجود ہے۔ باقی تمام ہستیاں محض برہمہ کا اظہار ہیں۔ جو کچھ بھی برہمہ نہیں وہ مایا ہے۔ (اُپنشدوں اور باقی کے ویدک ادب میں صرف یہی بنیادی فرق نہیں' بلکہ لگتا ہے کہ اُپنشد دیگر ویدک کتب کے تجویز کردہ پروہتانہ انداز عبادت کے رد عمل میں لکھے گئے ہیں۔ بیشتر وید اس تعلیم کے مبلغ نظر آتے ہیں کہ عبادت کا موزوں طریقہ مختلف آریائی دیوتاؤں کو بھینٹ چڑھانا ہے جبکہ اُپنشد ریاضت پر بطور ذرائع عبادت زور دیتے ہیں۔ وہ تعلیم دیتے ہیں کہ لوگوں کا اصل مسئلہ اپنی صورتحال سے لاعلمی (اودیا) ہے اور جب

---

[1] ستوپد براہمن 1:8۔

[2] اُپنشد کا بنیادی مطلب "قریب ہو کر بیٹھنا" ظاہر کرتا ہے کہ استاد اور شاگردوں کے درمیان بحث ہی ان میں شامل ہے۔

لوگ اس لاعلمی کو شناخت کر لیں گے اور حقیقی علم جان لیں گے تو اُسی وقت ہی وہ نجات پا سکیں گے۔ وہ عالم جو اُپنشد اور وید کے دیگر حصوں کے درمیان ان ضروری اختلافات کی نشاندہی کرتے ہیں' یقین رکھتے ہیں کہ اُپنشد کے نقطۂ آغاز میں فرق رہا ہے اور بعد کے عرصے میں یہ ویدک ادب کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ غالباً یہ کہنا درست ہو گا کہ چونکہ اُپنشد ہندو فلسفے کے لیے بنیاد کے طور پر نہایت بااثر رہے ہیں' اس لیے وہ عام لوگوں میں زیادہ مقبولیت کبھی نہیں پا سکے۔ وہ پیچیدہ اور مشکل بحثیں ہیں اور وہ نظریۂ دنیا کے قبول کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں جسے آسانی سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ وید کا باقی حصہ عام لوگوں کو پوجا کا طریقہ بتانے کے لیے ہے جبکہ اُپنشد مٹھی بھر ہندوستانی دانشوروں میں ہی مقبول رہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں' اُپنشد کا اساسی مفروضہ یہ ہے کہ کائنات میں ایک سچی حقیقت ہے; وہ حقیقت برہمہ کے طور پر جانی جاتی ہے۔ برہمہ ابدی' لامحدود' ناقابل ادراک' غیر جنسی' ماضی' حال' اور مستقبل کے بغیر اور مکمل طور پر غیر شخصی ہے۔

یقیناً یہ دنیا ازل میں لامحدود برہمہ تھی--- مشرق اور شمال میں لامحدود--- ہر سمت میں لامحدود--- وہ ناقابل ادراک روح مطلق لامحدود' غیر مخلوق' ناقابل استدلال اور سوچ سے ماوراء ہے--- اُسی کی روح اثیر (Ether) ہے (میتریہ اُپنشد Vi:17)

ہماری دنیا میں بسنے والے بنی نوع انسان برہمہ کا مظہر ہیں۔ وہ روحیں ہیں جو برہمہ کو بنانے والی روحوں کے عظیم سمندر کا حصہ ہیں۔ لہٰذا تمام مظہراتی وجود مایا (التباس) ہے جو حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ برہمہ سے علاوہ کسی شخص کی انفرادیت--- جس دنیا میں وہ رہتا' جسے دیکھتا' سنتا' چھوتا اور محسوس کرتا ہے--- وہ سب ایک مایا' ایک خوابُ ہے۔

مایا پیدا کرنے والا ساری دنیا کو اس برہمہ میں سے صادر کرتا ہے۔
اور ہر کوئی اِس مایا میں پابند ہے۔
اب ہمیں جان لینا چاہیے کہ فطرت مایا ہے'

اور یہ کہ خدائے مطلق ہی مایا کو پیدا کرتا ہے۔

(شوتیا شوتر اُپنشد 10-9)

انسان کی لاچاری یہ ہے کہ وہ اس مایا اور لاعلمی کی دنیا میں محدود ہے' اور اسے ہی حقیقی سمجھتا ہے' مگر برہمہ کے ساتھ اپنی سچی مینیت سے آگاہ نہیں۔ "لاعلمی کی پوجا کرنے والے اندھی تاریکی میں داخل ہوتے ہیں۔" بدستور اسی لاعلمی میں رہنے والے کرم کے ذریعہ زندگی سے بندھے رہتے ہیں جو انہیں غیر مختتم طور پر پیدائش' زندگی' موت اور دوبارہ پیدائش (سمسار) کے چکر میں رکھتا ہے۔ اس چکر سے مکتی اور زندگی سے خلاصی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب زندگی کی مایا کا حقیقی علم موجود ہو۔ "خدا کو جاننے کے ذریعہ انسان تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔" جب التباس حیات کا درست علم حاصل ہو جائے تو انسان زندگی کی پابندیوں سے آزادی اور برہمہ کے ساتھ اتحاد پا سکتا ہے۔ یہ مشکل ہے۔ یہ منزل کافی مطالعہ کے بعد آتی ہے۔ "اٹھو' جاگو' رشیوں کے پاس جاؤ اور علم سیکھو۔ دانا کہتے ہیں کہ یہ راستہ اُسترے کی دھار کی طرح تیکھا ہے اور منزل کو پانا نہایت مشکل ہے۔"

اُپنشد میں یہودی تالمود سے ملتے جلتے مواد کا مجموعہ ملتا ہے۔ ان کتابوں کے فلسفیانہ حصے کو بیان کرنے کے لیے بہت سی داستانیں اور کہانیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ وہ اکثر اوقات شاگرد کی گرو کے ساتھ گفتگو کی شکل میں ڈھالی جاتی ہیں اور صریحاً صدیوں کے دوران اکٹھی کی گئی ہیں۔ چانڈوگیہ اُپنشد میں ایک بیٹے اور اس کے باپ کے درمیان گفتگو کا ریکارڈ موجود ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو اس انداز میں نصیحت کرتا ہے:

"نمک کے اس ٹکڑے کو پانی میں رکھو اور کل صبح میرے پاس آؤ۔"

شوتیا کیتو نے ویسا ہی کیا جیسا اُسے بتایا گیا تھا۔ پھر اس کا باپ کہتا ہے:'

"کیا تمہیں یاد ہے' نمک کا وہ ٹکڑا جو کل شام تم نے پانی میں رکھا تھا؟ کیا تم اسے یہاں لا سکتے ہو؟"

اُس نے اسے بہت ٹٹولا لیکن تلاش نہ کر سکا۔ وہ مکمل طور پر تحلیل ہو چکا تھا۔

اُس نے کہا "کیا تم اسے (پانی کو) آخر سے چکھ سکتے ہو؟ اس کا ذائقہ کیسا ہے؟"

"نمکین۔"

"اسے درمیان سے چکھو' اس کا ذائقہ کیسا ہے؟"

"نمکین۔"

"تم اسے بالکل آخری حصے سے چکھو' یہ کیسا ہے؟"

"نمکین!"

"اسے پھینک دو' اور پھر میرے پاس آؤ۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی لیکن وہ نمک کو ہمیشہ اسی حالت میں رہنے سے روک نہ سکا۔

باپ نے کہا: "میرے پیارے بیٹے' یہ سچ ہے کہ تم یہاں موجود ہونے کا ادراک نہیں کر سکتے' لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ تم یہاں موجود ہو۔

"یہ لطیف ترین جوہر ساری کائنات کا نفس ہے' یہ حقیقی ہے' یہ ذات مطلق ہے' یہ تم ہو سویتا کیتو!"

"جناب' کیا آپ براہ مہربانی میری مزید رہنمائی کریں گے؟"

اس نے کہا "میرے پیارے بچے' میں ضرور کروں گا۔" (چانڈوگیہ اُپنشد)

منو کا ضابطہ قانون

کلاسیکی عہد کے دوران لکھے جانے والے روایتی ہندوستانی ادب کا ایک اور نمونہ منو کا اخلاقیاتی ضابطہ قانون ہے۔ تین سو قبل مسیح اور تین سو عیسوی کے درمیان کسی وقت لکھا جانے والا یہ ضابطہ اپنی اعلیٰ مذہبی یا فلسفیانہ تعلیمات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس دور میں ہندوستانی زندگی کی تصویر پیش کرنے کی وجہ سے اہم ہے۔ اس کتاب میں طالب علم کا واسطہ ہندوستانی تاریخ کے کلاسیکی عہد کے دوران مثالی قرار دیئے جانے والے اخلاقیاتی اور سماجی معیار اور وید کی مذہبی اور فلسفیانہ تعلیمات کے ہندوستانی معاشرے پر اثرات سے پڑتا ہے۔ مزید برآں یہاں بہت سی سماجی اور مذہبی روایات کی جڑیں بھی ملتی ہیں جنہیں جدید دور میں ہندومت کی کردار سازی کرنا تھی۔

منو کے ضابطہ قانون کے بنیادی مفروضوں میں سے ایک ذات پات کا نظام ہے جو

بظاہر قدیم آریاؤں کے معاشرے کی تقسیم سے پروان چڑھا۔ منو کے ضابطہ قانون میں ذات کی تقسیم کو خدا کی جانب سے منظور شدہ پیش کیا گیا:

دنیاؤں کی نشوونما کے لیے' برہمہ نے برہمن' کشتریہ (جنگجو)' ویش (تاجر)' اور شودر (کم درجہ کے خادموں) کو بالترتیب اپنے چہرے بازوؤں' رانوں اور پیروں سے پیدا کیا (منو کا ضابطہ قانون 1:31)

پہلی تین ذاتوں کو "دوہرے جنم کی حامل" ' جبکہ چوتھی ذات شودر کو ایک جنم والی کہا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بلند تر ذاتیں پہلے ہی ایک زندگی کا تجربہ کر چکی ہوتی ہیں اور یہ کہ سب سے کمتر ذات کے افراد نے اپنی پیدائش اور دوبارہ جنم کا ابھی آغاز ہی کیا تھا۔

ہر ذات کے افراد کے مخصوص فرائض (دھرم) اور مواقع ہوتے ہیں اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔

برہمنوں کے لیے اُس نے تعلیم دینے' مطالعہ کرنے' قربانی دینے' قربانی کی نگرانی کرنے' تحائف لینے اور دینے کے وظائف پیدا کیے۔

کشتریوں کے لیے اُس نے مختصراً لوگوں کی حفاظت' تحائف دینے' قربانی ادا کرنے' تعلیم حاصل کرنے اور نفسانی مسرتوں سے لاتعلقی پیدا کی۔

ویش کو اُس نے مویشیوں کی حفاظت' خیرات' قربانی کی ادائگی' تعلیم حاصل کرنے' تجارت کرنے' سود پر لودھار دینے اور زراعت کے لیے پیدا کیا۔

قادر مطلق نے شودروں کے لیے صرف ایک پیشہ بنایا: اپنے سے بالائی تینوں ذاتوں کی بلا رقابت خدمت۔ (ایضاً"91-1:88)

صریحاً لوگ شودر کے طور پر زندگی کی ابتداء کرتے' خوش دلی اور فرمانبرداری سے خدمت کرتے اور رفتہ رفتہ' جنم در جنم نظام ذات میں ترقی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ برہمن کے اعلیٰ رتبے تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس ابتدائی مرحلے میں بھی ہندوستانی معاشرہ متعین ذاتوں پر مطمئن تھا' اور ان طبقات میں اوپر کی طرف جانے کا واحد ذریعہ دوبارہ جنم تھا۔

منو کا ضابطہ قانون اس دور میں دوبارہ جنم کی تفہیم کا درجہ بھی پیش کرتا ہے۔ انسان جسم سے سرزد ہونے والی برائی کے نتیجہ میں ساکن اشیاء (پودوں وغیرہ) کی زندگی حاصل ہے' زبان سے سرزد ہونے والے گناہ کے نتیجہ میں پرندوں اور درندوں کی زندگی' اور ذہن سے سرزد ہونے والی برائی کے صلہ میں پست ترین جنم کی زندگی حاصل کرتا ہے۔

اگر انسان صرف اچھے اعمال کرے اسے دیوتا بنایا جائے گا; اگر وہ ملے جُلے اعمال کرے تو وہ ایک انسان پیدا ہوگا; اور اگر وہ صرف برے اعمال کرے تو اُسے ایک پرندہ یا جانور بنا کر پیدا کیا جائے گا۔ بری زبان کا نتیجہ علم کی تباہی ہے; برے ذہن کا نتیجہ اعلیٰ منزل کا کھونا ہے; اور گندے جسم کا نتیجہ دنیاؤں کا نقصان ہے۔ پس ہر ایک کو تین چیزوں کی حفاظت کرنے دو۔ برا بولنے کی سزا خاموشی ہے; برے ذہن کی روزہ; اور برے اعمال کی سانس پر قابو ہے۔ (ایضا" 12:9)

منو کے ضابطہ قانون کی ایک اور مرکزی تعلیم مختلف درجات ہیں جن میں سے گزر کر ایک شخص سے کامیاب زندگی کی توقع کی جاتی تھی۔ ہندوستانی شخص کو زندگی کے پہلے دور میں طالب علم سمجھا جاتا ہے' جو وید کا مطالعہ کرتا اور اپنے استاد کو گہری توجہ دیتا ہے۔ دوسرے دور میں وہ گھر کا سربراہ بن جاتا ہے اور اپنی ہی ذات کی موزوں لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ منو کے ضابطہ قانون میں بیان ہونے والی مثالی شادی میں مرد اپنی بیوی سے کافی بڑا ہوتا ہے۔ "مرد جب سربراہ خانہ بنتا ہے اور اس کی عمر تیس برس ہو تو اُسے اپنی پسند سے بارہ سالہ لڑکی سے شادی کرنی چاہیے۔ چوبیس سالہ شخص آٹھ برس کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔" (ایضا" 9:94)

سربراہ خانہ اور فراہم کنندہ کا کردار نہایت اہم ہے' کیونکہ یہ سربراہ خانہ ہی ہے جسے معاشرے کا بنیادی پتھر سمجھا جاتا ہے۔ جب صاحب خانہ کے طور پر فرد کے فرائض مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے' تو اُسے جنگل میں گوشہ تنہائی میں چلے جانا چاہیے اور کچھ برس ترک دنیا' غور و فکر اور قربانیاں ادا کرنے میں گزارنے چاہئیں۔ آخر کار جب اُس کے بن باس کے دن مکمل ہو جائیں تو اُسے ایک بھکاری (سنیاسی) بن

جانا چاہیے۔ یہ چاروں ادوار صرف دوہرے جنم کے حامل (تین اعلیٰ ذاتیں) لوگوں کا معیار ہیں؛ شودر کا تمام تر کردار تمام عمران بلند تر ذاتوں کی خدمت کرنا ہے۔ زندگی کے چاروں ادوار معاشرہ کے لوگوں کے لیے بھی ہیں۔ عورتوں کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ سربراہ خانہ کے قبضہ اور حفاظت میں گھر کے اندر ٹھہری رہیں۔

> عورت خواہ نوجوان لڑکی' ایک بالغ دوشیزہ یا ایک بوڑھی عورت ہو وہ خود مختاری سے گھر کے اندر بھی کوئی کام نہیں کر سکتی۔
>
> نوجوانی میں اُسے اپنے باپ کے اختیار میں اور جوانی میں اپنے خاوند کے اختیار میں رہنا چاہیے۔ جب خاوند مرجائے تو اُسے اپنے بیٹوں کی حفاظت میں ہونا چاہیے۔ اُسے خود مختاری کو پسند نہیں کرنا چاہیے۔
>
> اُسے اپنے باپ' شوہر یا بچوں سے علیحدگی کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ ان سے علیحدہ ہو کر وہ دونوں خاندانوں کے لیے بدنامی کا باعث بنتی ہے۔ (ایضاً 149-5:147)
>
> وہ گھر کی بھلائی اور روشنی کے لیے ہیں۔
>
> وہ پرستش کے لائق ہیں۔ گھر میں ایک طرف عورت اور دوسری طرف دولت' حسن اور تابناکی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ (ایضاً 9:26)

منو کا ضابطہ قانون بنیادی طور پر اس دور کے اخلاقی اور کرداری معیاروں کا ایک بیان ہے۔ یہ قتل' ڈکیتی اور جنسی بے راہروی کے خلاف ممانعتوں پر مبنی ہے۔ اُس عہد کے اخلاقی مقاصد کو مندرجہ ذیل دس خصوصیات میں خلاصتہً بیان کیا گیا ہے:

خوشگواری' صبر' ذہن پر اختیار' چوری نہ کرنا' پاکیزگی' حواس پر قابو' ذہانت' علم' سچائی اور زُود حسی کا نہ ہونا۔ (ایضاً 6:92)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آج بھی ہندوستانی معاشرے میں مویشیوں کی زندگی پر انعام مقرر ہے اور انہیں ذبح کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ "ویش کو شعائر مقدسہ کو پورے کرنے اور بیوی کو قبول کر لینے کے بعد خود کو تجارت اور مویشیوں کی حفاظت میں لگا دینا چاہیے۔" (ایضاً 9:326) بہت بڑے گناہوں میں ایک "گائے کو مارنا"

ہے۔ (ایضاً 11:59) جو لوگ عظیم گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں اُن کی نجات اس میں ہے کہ وہ "ایک سال تک اپنے ذہن کو کنٹرول کر کے ا[illegible] ئف کا مطالعہ کرتے ہوئے گائے کے ساتھ گزاریں---" (ایضاً 11:257)

منو کا ضابطہ قانون ہندوستانی نظریۂ اُلوہی زماں کی تفہیم میں بھی مدد دیتا ہے جو فی الواقع نہ ختم ہونے والا ہے۔

آنکھ کے پپوٹے کی اٹھارہ حرکات کشٹ کہلاتی ہیں' کل (Kala) میں تیں کشٹ ہوتے ہیں' تیں کل ایک مہورت تشکیل دیتے ہیں اور تیں مہورتیں ایک دن اور رات بناتے ہیں۔

سورج انسانوں اور دیوتاؤں کے لیے رات اور دن کی تقسیم کرتا ہے۔ رات انسانوں کی نیند اور دن ان کے کام کاج کے لیے ہے۔

اجداد کی رات اور دن انسانوں کا ایک مہینہ ہے۔ اس کے چودہ روز کا سیاہ عرصہ ان کی سرگرمی کے لیے اور سفید ان کی نیند کے لیے ہے۔

دیوتاؤں کی رات اور دن انسان کا ایک سال ہے۔ سال کا موسم گرما ان کا دن اور موسم سرما ان کی رات ہے۔

اب تم برہمہ کی رات اور دن اور ان کے دورانیہ کو سمجھ گئے' اور باری باری آنے والے ادوار کو بھی۔

کِرت کا عہد چار ہزار سال پر مشتمل ہے۔ چار سو سال پہلے اور چار سو سال بعد میں اس عہد کے لیے درمیانی وقفے ہیں۔

دیگر تین عہدوں کے ساتھ اُن کے سابق اور بعد کے دھندلکوں کے معاملہ میں ہزاروں اور سینکڑوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

دیوتاؤں کا یُگ پیچھے مذکور چار ادوار سے بارہ ہزار گنا بتایا جاتا ہے۔

دیوتاؤں کے ایک ہزار یُگ برہمہ کا دن ہے۔ اُس کی رات بھی اتنی ہی لمبی ہے۔

دن اور رات کا علم رکھنے والے برہمہ کے ایک ہزار یُگ لمبے دن

کو مبارک دن کہتے ہیں۔ اُس کی رات بھی مبارک ہے۔
بحیثیت مجموعی ہندوستانی فلسفہ نے وقت کو غیر مختتم طور پر مختلف چکروں میں سے گزرتے ہوئے تصور کیا۔ وقت کا ایک چکر مکمل ہونے پر دنیا نابود ہو جاتی ہے اور تمام رُوحیں معطل ہستی میں سما جاتی ہیں۔ کچھ دیر ستانے کے بعد دُنیا دوبارہ شروع ہوتی ہے اور روحیں نئے جسم اختیار کرتی ہیں۔

جین مت اور بُدھ مت:

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں دو نئے مذاہب اُبھرے جنہوں نے ہندوستانی نظریۂ دنیا میں نجات پانے کی متبادل راہیں متعارف کرائیں۔ انہیں بعد کے ابواب میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا' لیکن ہماری کلاسیکی ہندومت کی بحث میں اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ بانی مذہب کے سامنے چیلنج کے طور پر آئیں۔
جین مت اور بدھ مت دونوں قربانی کے نظام کو زندگی سے نجات حاصل کرنے کے ذریعہ کے طور پر مسترد کرتے ہیں' جیسا کہ وید میں سکھایا گیا ہے۔ وہ دونوں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ زندگی سے نجات دیوتاؤں کے حضور قربانی کرنے یا کسی دوسری عبادت سے نہیں بلکہ فرد کی اپنی ہی زندگی کے کارناموں سے ملتی ہے۔ ان دونوں نے وید کو مقدس صحیفہ ماننے سے انکار کر دیا اور تعلیم دی کہ کسی بھی ذات کا کوئی بھی فرد جو اچھی زندگی گزارے' نجات پا سکتا ہے۔
جین مت نے بتایا کہ رہبانیت کے ذریعہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص جسم کی مسرتوں اور راحتوں سے جس قدر محروم ہو' اُسی قدر جلد وہ جنم اور دوہرے جنم کے لامحدود چکر سے آزادی حاصل کر سکے گا۔ مزید بر آں جین مت نے جانوروں کے ساتھ روایتی ہندوستانی تعلق کو وسیع کیا اور بتایا کہ ہر قسم کی زندگی مقدس اور محبت کے لائق ہے اور جب بھی ممکن ہو انہیں محفوظ کیا جائے۔ جب جین مت اپنی مقبولیت کے دور میں تھا' تو اس نے عام آدمی سے اتنا زیادہ کچھ تقاضا کیا کہ کبھی عوامی تحریک نہ بن سکا۔ جین مت کے نقطۂ نظر کے بعد آنے والی صدیوں میں ہندومت نے اس کے رہبانیت اور اہنسا (عدم تشدد) کے نظریات کو اپنا لیا' اور آج جین مت

ہندوستانی باشندوں کی صرف ایک معمولی اقلیت ہے۔

بُدھ مت بہت سی ایسی خواہشات اور عقائد میں سے اُبھرا جنہوں نے جین مت کی بنیادیں تشکیل دی تھی۔ تاہم' یہ تعلیم دیتا ہے کہ جب فرد پجاریوں اور قربانی کے نظام کے بغیر زندگی سے الگ ہو سکتا ہے تو رہبانیت کی انتہاء ضروری نہیں۔ ایک دور میں بدھ مت اپنے زیادہ معتدل رویوں کے ساتھ ہندوستان کے مذہب کے طور پر ظاہر ہوا؛ حتیٰ کہ یہ ایک تبلیغی مذہب بن گیا اور دیگر ایشیائی اقوام کی طرف اپنے مبلغین بھیجے۔ تاہم' ہندومت نے انجام کار خود کو دوبارہ منوایا اور بدھ مت کے امتیازی خواص جذب کر لیے۔ بدھ مت کے بانی گوتم بُدھ کو ہندو دیوتاؤں کے گروہ کا رُکن بنایا گیا اور اس کی بہت سی تعلیمات ہندو مت کا ایک حصہ بن گئیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آتے آتے ہندوستان میں چند ایک بودھی ہی رہ گئے (البتہ بدھ مت متعدد دیگر ایشیائی اقوام کا غالب مذہب بنا اور وہاں آج بھی زندہ ہے)۔ چھٹی صدی قبل مسیح کے دوران ہندوستان میں جین مت اور بدھ مت کی سربلندی اور مقبولیت عیاں کرتی ہے کہ سبھی ہندوستانیوں کو کلاسیکی ہندومت کی تعلیمات میں تشفی نہیں ملتی تھی۔

بھگوت گیتا:

کلاسیکی ہندومت پر غالباً آخری بیان ہندوستانی ثقافت اور مذہب کی رزمیہ نظم بھگوت گیتا ہے۔ یہ نظم ہندومت کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو یونانیوں اور ہیلینیائی ثقافت کے لیے ہومری رزمیہ نظمیں۔ ہومری نظموں کی طرح بھگوت گیتا ایک عظیم جنگ کا منظر پیش کرتی ہے؛ یہ عظیم بہادروں اور دیوتاؤں کی جنگوں کی کہانیاں بیان کرتی ہے اور ثقافت کے بنیادی فلسفے پر مشتمل ہے۔

بھگوت گیتا نسبتاً طویل نظم مہابھارت کے متن میں ملتی ہے۔ مہابھارت ہندوستانی تاریخ کے آغاز سے دو سرکردہ خاندانوں کے درمیان جھگڑوں کی کہانی ہے۔ بالآخر یہ دونوں خاندان کورو کشیتر کی جنگ میں اکٹھے ہوئے جسے تاریخ دان اندازاً 850 تا 650 قبل مسیح کے درمیان بتاتے ہیں۔ اس جنگ سے ذرا پہلے ایک جنگجو ارجن اپنے مقدر اور اپنے سامنے موجود جھگڑے کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے۔ اس کا رتھ بان کرشن

اس کے ساتھ مکالمہ کرتا ہے۔ مہابھارت کے باب 25 اور 42 کے درمیان موجود اُن کی یہ گفتگو بھگوت گیتا کو تخلیق کرتی ہے۔

جبکہ مہابھارت کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ اسے ایک طویل عرصہ پہلے مرتب کیا گیا۔ غالباً یہ نویں یا آٹھویں صدی قبل مسیح کے آغاز میں شروع ہوئی؛ بھگوت گیتا کے بارے میں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ دوسری صدی قبل مسیح اور تیسری صدی عیسوی کے درمیان مرتب ہوئی۔ بھگوت گیتا کے اٹھارہ ابواب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں جواں جنگجو ارجن میدان جنگ پر نظر دوڑاتا ہے اور ہونے والی جنگ اور اس میں اپنے کردار پر غور و فکر کرتا ہے۔

> وہاں کھڑے ہوئے ارجن نے دونوں فوجوں میں اپنے باپ داداؤں' استادوں' ماموؤں' بھائیوں' بیٹوں' پوتوں' دوستوں' چچاؤں اور خیرخواہوں کو دیکھا۔ اُس کنتی کے بیٹے نے ان سب کو' اپنے رشتوں کو قریب سے دیکھا۔ (بھگوت گیتا II' 30-26)
>
> غم نے اُسے آگھیرا تھا' وہ مایوس ہوا اور کہا' "میری ٹانگیں جواب دے رہی ہیں اور اپنے ہی لوگوں کو جنگ کے لیے صف آراء دیکھ کر منہ خشک ہوا جاتا ہے' میرا جسم لرزاں اور بال کھڑے ہیں۔ میری کمان' میرے ہاتھ سے پھسلتی ہے اور میری جلد جلتی ہے' میں کھڑا ہونے کے قابل نہیں اور میرا ذہن چکراتا ہے۔"
>
> "اگر لالچی خیالات میں ڈوبے ہوئے لوگ خاندان کو تباہ کرتے اور دوستوں سے بے وفائی کرنے کو گناہ نہیں سمجھتے تو پھر ہم یہ بات کیوں نہیں جانتے کہ ہمیں اس گناہ سے دامن بچانا چاہیے؟"
>
> اگر دھرت راشٹر کے ہتھیار بند بیٹے مجھ نہتے کو مار ڈالیں تو یہ میرے لیے بہتر ہوگا۔" (ایضاً 1.46)

لہٰذا ہر دور کے دیگر جنگجوؤں کی طرح ارجن جنگ کے نقصانات اور بالخصوص خاندانی جنگ کے بارے میں تفکر کرتا ہے اور جنگ میں غیر مسلح ہو کر جانے اور پھر

خودکشی کرنے کے بارے میں سوچتا ہے۔ ارجن کی سوچ بچار کا جواب اس کا رتھ بان کرشن دیتا ہے۔ نظم کا باقی حصہ ارجن اور کرشن کے مابین زندگی کی فطرت اور فرد کے فرائض کے متعلق گفتگو ہے۔ نظم کے دوسرے حصہ میں کرشن بتاتا ہے کہ وہ وشنو دیوتا کا اوتار ہے۔ درحقیقت وہ زمین پر فانی لوگوں کی مدد کے لیے آیا ہے جو اپنے مسائل کے ساتھ جدوجہد کر رہے ہیں۔ تیسرے حصہ میں کرشن اور ارجن فانی مخلوقات کو درپیش زندگی کے مسائل پر بحث جاری رکھتے ہیں۔

ارجن کو کرشن کی زیادہ تر نصیحت اور تعلیم اُپنشد کے فلسفے کا عکس ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ جن چیزوں کو فانی لوگ زندگی اور اس کے مسائل سمجھتے ہیں وہ محض ایک فریب (التباس) ہیں۔ کرشن جس بات کی ارجن کو زیادہ واضح انداز میں تعلیم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اُسے جنگ میں جانے سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ کشتریہ طبقے کا فرد ہے اور یُدھ کرنا اور مارنا اُس کا فرض (دھرم) ہے۔ اگر ارجن کا تعلق کسی اور مثلاً برہمن طبقہ سے ہوتا ہے تو وہ میدان جنگ کو مسترد کرنے کا جواز پیش کر سکتا تھا۔ تاہم جنگ کشتریہ کا دھرم ہے اور ارجن کے لیے اس فرض کی ادائیگی ضروری تھی۔

کام کو ادھورا چھوڑ کر
کوئی شخص کام سے چھٹکارا نہیں پا سکتا
نہ ہی تیاگ سے
وہ کاملیت کا انعام پا سکتا ہے۔

کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی
ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا
کیونکہ فطری تقاضوں کے تحت
ہر شخص بے اختیار اور کام کرنے پر مجبور ہے۔

بھگوت گیتا کی بنیادی تعلیمات اور مذہبی تفسیریں بہت سی ہیں۔ واضح تعلیم یہ ہے کہ افراد کو اپنی ذات کا فرض ادا کرنا اور اس طرح "کرم" سے گریز کرنا چاہیے۔۔۔ کرم وہ قوت ہے جو لوگوں کو جنم، موت اور دُہرے جنم کے لامتناہی سلسلے میں باندھ دیتی

ہے۔ ہر ذات پر عائد کردہ ذمہ داریاں مذہبی فرائض بنادی گئی ہیں۔
گیتا میں نظر آنے والے ہندوستانی مذہب کی دوسری خصوصیت ذاتی نجات کے مختلف ذرائع کو قبول کرنا ہے۔ لوگ تارک الدنیا ہو کر' مراقبے کے ذریعہ' دیوتاؤں کی پوجا کرنے اور اپنی ذات کے اصولوں کی پیروی کرنے سے نروان حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہندومت دنیا کے بیشتر مذاہب سے زیادہ روادار سمجھا جاتا ہے اور بھگوت گیتا اس بات کو واضح کرتی ہے۔
گیتا کی غالباً سب سے پائیدار تعلیم وشنو کا بطور دیوتا انکشاف ہے جو محبت کرنے والا اور انسانوں کے بارے میں متفکر ہے۔ اُس کی دلچسپی ایسی ہے کہ وہ مختلف روپ دھارتا ہے اور مخصوص حالات میں انسانوں کی مدد کے لیے زمین پر آتا ہے۔ جیساکہ کرشن کہتا ہے' "جب کبھی دھرم زوال کا شکار ہوتا ہے اور ادھرم (ناراستی) فروغ پاتی ہے تب وشنو دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔"
بعد از کلاسیکی ہندومت میں وشنو سب سے زیادہ مقبول دیوتا بن گیا۔ بھگوت گیتا اسے واضح کرتی ہے کہ وشنو جیسے دیوتاؤں کی بھگتی نجات کے جائز ذرائع میں سے ایک ہے۔

ارجن' اس بات کا یقین رکھو:
میری بھگتی کرنے والا شخص کبھی نقصان میں نہیں رہتا۔
کیونکہ جو شخص بھی مجھ میں پناہ لیتا ہے
چاہے وہ شودر ہی ہو'
بلکہ عورتیں اور دستکار' حتیٰ کہ غلام بھی'
اس اعلیٰ ترین راہ پر چل سکتے ہیں۔

اس لیے اے ارجن! جو کچھ تو کرے' کھائے
جو کچھ بھینٹ اور دان کرے اور جو ریاضت کرے
اُن سب کو میری نظر کر دے' یہ میری عبادت ہو گی۔
اے ارجن' تو مجھ میں دل لگا' میری بھگتی کر'

میرے لیے ہی بھینٹ اور قربانی کر'
تو مجھے نمسکار کر' اپنی آتما کو میرے ساتھ جوڑ
تو مجھے ہی پائے گا' اس میں ذرا بھی شک نہیں۔

(IX'31'32'34)

بعد از کلاسیکی ہندومت:

بھگوت گیتا کی تکمیل کے ساتھ ہی ہندوستانی مذہب کا کلاسیکی دور اختتام کو پہنچتا ہے۔ یہ دور آریاؤں کی ہندوستان میں آمد سے شروع ہوا۔ اس میں ویدوں کی ترقی اور دیگر مذہبی ادب مثلاً منو کا ضابطہ قانون اور بھگوت گیتا کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کا مواد' اس کا فلسفہ اور اس میں پیش کردہ دیوتا بعد کے ہندومت کے لیے بنیاد بن گئے۔

بعض علماء کلاسیکی اور بعد از کلاسیکی دور کے درمیان برہمن مت اور ہندومت کے حوالہ سے فرق کرتے ہیں۔ برہمہ مت میں ہندوستانی لوگوں کا مذہب زیادہ تر یونانی رومی دنیا کی طرح کا تھا۔ دیوتاؤں کو کھلی جگہوں پر بنائی گئی قربان گاہوں پر قربانی ادا کر کے پوجا کی جاتی تھی۔ رسومات اور قربانی کے طریقوں میں ماہر پجاری نہایت اہم تھے۔

کلاسیکی دور کے ختم ہونے کے بعد رفتہ رفتہ ہندوستانی مذہب میں نمایاں تبدیلیاں متعارف ہوئیں۔ اگرچہ بہت سے دیوتاؤں کا وجود ابھی تک مانا جاتا تھا' لیکن چند بڑے دیوتاؤں کی عبادت ہی تمام دلچسپی کا محور تھی۔ عبادت ان دیوتاؤں کی بھگتی بن گئی۔ ان کے لیے معبد تعمیر کیے گئے اور ان کی اعلیٰ صفات کے متعلق بھجن مرتب کیے گئے۔ کلاسیکی دور کا ادب ہندوستانی تاریخ کی عظیم رزمیہ نظموں کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے' جبکہ بعد از کلاسیکی دور کا ادب ان دیوتاؤں کو مرکز بناتا ہے۔ بڑے دیوتاؤں کو مختلف صورتیں اختیار کرتے ہوئے اور انسان کے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے دیکھا جاتا تھا۔ بعد از کلاسیکی ادب میں خصوصی دلچسپی دیوتاؤں کی کئی ایک بیویاں تھیں۔ ان دیویوں میں سے اکثر اپنے ساتھی کی طرح مقبول تھیں اور ہندوستان کے بہت سے عوام ان دیویوں کے لیے وقف ہو گئے' ان کی پوجا کے لیے عبادت گاہیں تعمیر کی گئیں۔

بعض علماء اُس تبدیلی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جو کلاسیکی اور بعد از کلاسیکی

دور کے درمیان ہندوستان میں زندگی کی طرف بنیادی رویے میں رونما ہوئی۔ ہندوستان میں آمد کے وقت آریائی جارحانہ اور رجائیت پرست تھے۔ یا سیت پسند لوگ اپنے گھروں سے ہزاروں میل ہجرت نہیں کرتے' نہ کسی علاقے کو فتح کر کے خود کو اس کے حکمرانوں کے طور پر قائم کرتے ہیں۔ تاہم' جدید ہندومت کے آغاز کے ساتھ ہی مخصوص منفی اور حیات کو مسترد کرنے والی قوتیں اُبھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر ہندومت کا بنیادی نقطۂ نگاہ یہ ہو کہ زندگی پیدائش' زندگی' موت اور دوبارہ جنم کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے اور یہ کہ مذہب کا مقصد زندہ رہنے کو ترک کر دینا ہے تو یہ یقیناً ایک منفی اور حیات کو مسترد کرنے والا مذہب ہوگا۔ وہ راہب جو اس زندگی کی آسائشوں اور سکون کو مسترد کر دیتے ہیں' جنگجو سے زیادہ مذہبی اور ثقافتی ہیرو بن جاتے ہیں۔ ان تبدیلیوں میں سے کوئی بھی ایک رات یا ایک صدی میں وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ ان کی جڑیں ویدوں میں بھی ملتی ہیں۔ البتہ عیسوی دور کے آغاز کے ساتھ ہی بنیادی مذہبی ڈھانچے میں مخصوص تبدیلیاں ظاہر ہوئیں۔

تین مرکزی دیوتاؤں کی بھگتی:

جیسا کہ ہم نے بارہا مشاہدہ کیا ہے ہندومت اپنے پیروکاروں کے لیے نجات کے بہت سے راستے پیش کرتا ہے۔ افراد ایک یا زیادہ ہندوستانی دیوتاؤں کی بھگتی سے نروان حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ ان دیوتاؤں یا دیویوں کو ان کے معبد میں پوجنے' قربانی ادا کرنے' دعا مانگنے اور معبد کے پجاریوں کی مدد کرنے وغیرہ کے ذریعہ مکمل مذہبی توجہ دے سکتے ہیں۔ اس طرح سے دیوتا یا دیویاں پیروکار پر مہربانی کر سکتے ہیں' یقین کرنے والے کو زندگی میں سہارا دیتے اور نروان کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ نجات کے اس راستہ کو بھگتی مارگ (راہ عشق) کہتے ہیں۔

حقیقت مطلق برہمہ ہندو سوچ کا مرکز و محور ہے۔ وہ ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ تاہم' بعد از کلاسیکی ہندومت اُسے تین صورتوں یا افعال کی صورت میں دیکھتا ہے۔ یہ تینوں' جنہیں تری مورتی کہا جاتا ہے' تخلیق' زندگی اور موت ہیں۔ برہمہ کے ان تینوں افعال میں سے ہر ایک کو کلاسیکی ادب کے دیوتا کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ برہمہ پیدا

کرنے والا؛ وشنو زندگی دینے والا؛ اور شیو مارنے والا ہے۔ ان تینوں دیوتاؤں کے پیروکار برہمہ کے تمام افعال کو اپنے منتخب کردہ دیوتا میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

برہمہ:

ہندو عبادت گاہ عامہ کے تینوں سرکردہ دیوتاؤں میں سے برہمہ سب سے کم توجہ حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ برہمہ کا بطور خالق کائنات بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے' لیکن سارے ہندوستان میں اُس کے لیے صرف دو معبد مخصوص ہیں اور اُس کے پاس پیروکاروں کے لیے کوئی مسلک موجود نہیں۔ جب برہمہ کو ہندوستانی آرٹ میں پیش کیا جاتا ہے تو اُسے چار باریش چہروں اور چار بازوؤں کے ساتھ سرخ رنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ اُس کی ملکہ بیوی' سرسوتی' سائنس اور دانش کی دیوی ہے۔ اگرچہ برہمہ ویدوں میں مذکور نہیں ہے مگر اُس کے اور اس کی تخلیقی سرگرمی کے متعلق بعد از ویدی دور میں کافی اساطیر تخلیق ہوئی ہیں۔

شیو:

بعد از کلاسیکی ہندومت میں سب سے مشہور دیوتا' شیو ہے جسے "ہلاک کرنے والا" کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ شیو' موت' تباہی اور بیماری کا دیوتا ہے۔ برہمہ کی طرح شیو بھی ویدک ادب میں مذکور نہیں' لیکن اُس کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ اُس نے آریائی دیوتا رُودر سے ترقی حاصل کی۔

شیو کے وظائف بہت سے ہیں۔ وہ نہ صرف موت' بیماری اور تباہی بلکہ رقص کا بھی دیوتا ہے۔ شیو سے متعلقہ اسطورہ میں اس کے رقص کے بارے میں متعدد بیانات موجود ہیں۔۔۔ عموماً غریب لوگوں پر ہیبت ناک انداز میں رقص کرتے ہوئے جنہوں نے نادانستہ طور پر اُسے ناراض کیا۔ وہ ہندو جوگیوں کے لیے خصوصی دیوتا ہے غالباً اس لیے کہ اپنے جسم کو اذیت دینے اور تباہ کرنے کے عمل میں یہ ہیبت ناک دیوتا ہی اُن کے لیے قریب ترین حقیقت تھی۔ شیو کی سب سے عام علامت ترشول ہے۔ اکثر اوقات جوگی ترشول اٹھائے ہوئے یا اپنے چہروں پر ترشول کی تصویر کشی کیے ہوئے نظر آئیں

گے۔

غالباً شیو کی مقبولیت کی سب سے اہم وجہ یہ حقیقت ہے کہ وہ سبزے ' حیوان اور انسانی تولید کا دیوتا ہے۔ ہندوستانی فکر میں موت دوبارہ جنم کا آغاز ہے۔ لہٰذا آگے بڑھتے ہوئے پتا چلتا ہے کہ موت کا دیوتا تولید اور جنسیت کا بھی دیوتا ہے۔ شیو کی اسطورہ میں اُسے ایک مستقل طور پر ایستادہ لِنگ (عُضو خاص) والا اور ہمہ وقت جنسی طور پر ہوشیار بیان کیا جاتا ہے۔ شیو کی دیگر علامتیں نر اور مادہ جنسی اعضاء یعنی لِنگ اور یُونی ہیں۔ لہٰذا شیو اُن لوگوں کا خصوصی دیوتا بن گیا جو زرخیزی کے خواہش مند تھے یا جنس کو مذہب کی بنیاد کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

شیو بھگت شیو پرست کہلاتے ہیں۔ آج ہندومت میں شیومت کے کئی طبقے ہیں۔ سب ویدوں اور مخصوص شیوی کتب سے مقدس صحائف کی طرح عقیدت رکھتے ہیں۔ اُن کا فلسفیانہ نظریہ یہ ہے کہ شیو حقیقت مطلق ہے؛ وہ تخلیق کرنے والا' زندگی اور موت دینے والا دیوتا ہے۔ بنی نوع انسان کو جہالت' کرم اور التباس کے سبب شیو سے الگ سمجھا جاتا ہے۔ شیو سے تعلق بنانے کی خاطر لوگوں کو اُس کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی' اور اُس کی عبادت کرنی چاہیے' اور اس کے معبد میں اُس کے حضور پیش ہوں۔ انہیں گرو کی زیر ہدایت مطالعہ اور مراقبہ کرنا چاہیے۔ بعض شیو پرستوں کی نظر میں خصوصی منتر دوہرانا ضروری ہے۔ یہ تمام افعال شیو اور پوجا کرنے والے کے مابین اتحاد قائم کرتے ہیں اور قطعی نتیجہ موکش (نجات) ہوتا ہے۔

شیو کی بہت سی بیویاں بھی اُسی کی طرح مقبول ہیں۔ کئی دیویوں کو اُس سے ملایا جاتا ہے لیکن سب سے اہم اور مقبول "کالی" یا "دُرگا" ہے۔ کالی شیو سے بھی زیادہ ہیبت ناک ہے۔ اُسے بارہا انسانی کھوپڑیوں کا گلوبند پہنے' شکار کے گوشت کو پھاڑتے اور خون پیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اسطورہ اُسے کلکتہ کے جدید شہر کی بناء پڑنے کے ساتھ ملاتی ہے۔

> جب کالی مرگئی تو شیو غم و غصے میں تھا۔ اُس نے اس کی لاش کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور دنیا کے گرد دیوانہ وار رقص کرنے لگا جو آہستہ آہستہ زیادہ غضبناک ہوتا گیا۔ دیگر دیوتاؤں نے محسوس کیا کہ اگر شیو کو

روکا نہ گیا تو ساری دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اور جب تک شیو کی بیوی اس کے کندھوں پر ہے وہ رُکے گا نہیں۔ چنانچہ وشنو نے ایک چھری لی اور لاش پہ دے ماری جس کے باعث وہ باون حصوں میں تقسیم ہو کر ساری روئے زمین پر بکھر گئی۔ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی بنگال میں ایک بڑے دریا کے کنارے گری اور وہاں ایک مندر تعمیر کیا گیا۔ لوگ اس جگہ کو کالی کٹ کہتے ہیں۔

کالی سے منسوب متعدد فرقوں میں سے ایک ٹھگوں کا گروہ بھی تھا۔ بھگتوں کے اس فرقے کا بنیادی کام گلا دبا کر مارے ہوئے انسانوں کو دیوی کی بھینٹ کرنا تھا۔ چنانچہ وہ ویرانے میں کسی تنہا شکار کا آہستہ آہستہ گلا دباتے ہوئے کالی کو پکارتے اور موت کی کشمکش کا نظارہ کرنے کی دعوت دیتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ گیارھویں اور بارھویں صدی کے بعد ہندوؤں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلمان بھی ٹھگوں کے مسلک میں شامل ہو گئے۔ برطانیہ نے انیسویں صدی میں اس تنظیم کو غیر قانونی قرار دیا۔

وشنو:

بعد از کلاسیکی دور کی ہندو تریموُرتی (تثلیث) کا تیسرا دیوتا وشنو--- زندگی دینے والا ہے۔ شیو کے برعکس وشنو کو محبت' شفقت اور درگزر کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ وشنو کی مرکزی خصوصیت انسانیت سے اُس کا تعلق ہے' جس کا اظہار وہ اکثر اوقات مختلف شکلوں میں زمین پر ظاہر ہو کر کرتا ہے۔ اسطورہ کے مطابق وشنو نو صورتوں میں زمین پر ظاہر ہو چکا ہے اور اس دور (کلپ) میں دسویں مرتبہ ظہور پذیر ہو گا اور دنیا کو ختم کر دے گا۔ بعض اوتاروں میں اس نے انسانی شکل اختیار کی۔ بھگوت گیتا کے مطابق وہ کرشن کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے۔ چونکہ ہندومت نے بُدھ مت کی امتیازی خصوصیات کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اس لیے یہ تعلیم دی گئی کہ وشنو گوتم بدھ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے۔ وہ لوگوں کی مدد کرنے کے لیے کئی جانوروں اور دیگر مخلوقات کی شکل میں زمین پر عیاں ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر' یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وشنو متسیہ کے طور پر ظاہر ہوا' (وہ مچھلی جس نے ایک بڑے سیلاب سے منو کو بچایا)۔ ہر

لحاظ سے وہ انسانیت کی مدد کے لیے آیا کیونکہ وہ زندگی عطا کرنے والا اور اُسے بچانے والا ہے۔

وشنو بھگت وشنو پرست کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں وہ اپنے خدا سے دلی محبت' اور اُس کی حمد میں لکھی جانے والی اپنی نظموں اور گیتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ سکھ مت کے بانی کبیر اور نانک اس روایت کے شاعر تھے۔ شیو پرستوں کی طرح' وشنو کی پُوجا کرنے والے اپنے دیوتا کو حقیقت مطلق سمجھتے ہیں۔ عموماً وہ نجات کو بھگتوں کے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ وشنو کی محبت اور عقیدت کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

دیوتا کی بھگتی کی ایک اعلیٰ مثال' جو پچھلے چند برسوں میں بہت سے امریکی شہروں میں پہچانی جانے لگی ہے' نام نہاد ہرے کرشن تحریک ہے۔ کرشن دیوتا کے بھگتوں کا یہ گروہ کرشن کے انسانی شکل میں ظاہر ہونے کو اپنا نقطۂ آغاز سمجھتا ہے جیساکہ بھگوت گیتا میں درج ہے۔ اُس وقت سے ہندوستان کے باشندوں کا ایک گروہ ایسا ہے جس نے خود کو مکمل طور پر کرشن کی بھگتی کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ موجودہ حالت میں تحریک درحقیقت پندرھویں صدی میں شروع ہوئی۔ اُس وقت ایک شخص کیتنیہ مہاپربھو نے کرشن کی پوجا کا عقیدہ اختیار کر لیا۔ اپنے وجد میں اُس نے اپنے شہر کی گلیوں میں ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔ اُس نے کرشن کے لیے خاص منتر گایا جس کے بارے میں اُس کا یقین تھا کہ وہ اُسے دیوتا سے تعلق تلاش کرنے میں مدد دے گا۔ دوسرے لوگ کیتنیہ اور اس کے پیغام سے متاثر تھے اور کرشن کی پوجا کرنے والوں کا ایک چھوٹا گروہ تشکیل پایا۔ کیتنیہ حیرت انگیز طور پر 1534ء میں غائب ہوگیا اور اپنا کوئی نقش بھی نہ چھوڑا۔

1922ء میں کلکتہ سے ابھے چرن دے نامی شخص کیتنیہ کی پیروی کرتے ہوئے کرشن کا بھگت بن گیا۔ 1954ء تک وہ تبلیغی سرگرمیوں کے قابل نہ تھا جب وہ ایک کیمیکل فرم سے بحیثیت منیجر ریٹائر ہوا۔ اُس وقت اُس نے اپنا نام اے۔سی بھگتی ویدانت سوامی پربھو پاد رکھ لیا اور کرشن کی تعلیمات کی تبلیغ شروع کر دی۔ 1965ء میں اُس نے امریکہ کا سفر کیا اور نیویارک کے پارکوں میں ہر روز بھجن گانا شروع کر دیئے۔ جلد ہی اُس کے پیروکار پیدا ہو گئے اور 1966ء میں سوامی پربھوپاد نے نیویارک

International Society of Krishna Consciousness (ISKCON) میں کے لیے پہلا معبد کھولا۔ اگلے سال سان فرانسسکو کے ضلع ہیٹ ایشبرے میں ایک اور مرکز کھولا گیا۔ 1974ء کے لگ بھگ دنیا میں اڑسٹھ مراکز قائم تھے جن میں سے اٹھائیس امریکہ میں ہیں۔

ISKCON تحریک کا فلسفہ اس کی مرکزی کتاب "Back to Godhead" کے عنوان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اپنی موجودہ صورت میں انسانیت دیوتا پن سے الگ ہوئی ہے۔ بنی نوع انسان التباسات کے جال میں لپٹے ہوئے ہیں اور اپنی توجہ ناجائز اختیارات حاصل کرنے میں لگا رکھی ہے۔ لوگ اس جال کو محسوس کر کے اور دیوتا پن سے واقفیت حاصل کر کے ہی منزل مقصود کو پا سکتے ہیں۔ ISKCON کی تعلیمات کے مطابق انسان "کرشن آگاہی" کے ذریعہ آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو کرشن کے ساتھ ہم آہنگی کی تلاش کرنی چاہیے جو کہ تمام غیبی قوتوں کا علامتی نمائندہ ہے۔ کرشن گیان منتر پڑھنے' مطالعہ کرنے اور مراقبے سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ کرشن آگاہی کو ایک عام انسان کی روزمرہ زندگی میں تلاش کرنا ممکن ہے' تاہم یقینی راستہ زندگی اور دنیاوی اشیاء کو تیاگنے اور ISKCON معبد میں شامل ہونے میں مضمر ہے۔

ISKCON معبد میں بھگتوں کی زندگی نہایت منظم اور باقاعدہ ہوتی ہے۔ اس میں شریک ہونے والے افراد تمام دنیاوی اشیاء کو چھوڑ دیتے ہیں اور محض اسی پر اکتفا کرتے ہیں جو معاشرہ انہیں فراہم کرتا ہے۔ وہ مختلف ارغوانی رنگ کے چوغوں میں ملبوس ہوتے تھے اور نر بھگت اپنے سروں کو منڈوا دیتے اور سر پر صرف ایک لٹ رکھتے ہیں۔ وہ ہر روز صبح تین بجے دن کا آغاز کرنے کے لیے جاگتے جو مراقبہ' مطالعہ' معبد میں کورس اور عوامی گیت' فروخت کاری اور بھیک مانگنے پر مشتمل ہوتا۔ انہیں گوشت' کافی' چائے' الکوحل' نکوٹین اور دوسری منشیات منع ہیں۔ جنسی تعلقات صرف شادی شدہ افراد تک محدود تھے اور وہ تولید کے روحانی مقصد کے لیے مخصوص اوقات میں ہی تعلق قائم کر سکتے تھے۔

ان تاکیدی ضابطوں کے باوجود ISKCON تحریک متحدہ امریکہ اور مغربی یورپ

میں نئے داخل ہونے والوں کے لیے کافی حد تک کامیاب رہی۔ حتیٰ کہ اس نے ہندوستان میں مرکز کھولنے کے لیے مبلغین بھیجے۔

راہِ علم:

بعد از کلاسیکی ہندو مت میں لوگ ایک یا زیادہ دیوتاؤں کا انتخاب کرنے کا حق رکھتے تھے اور ان کی بھگتی سے نجات حاصل کرتے۔ غالباً یہ اکثر لوگوں کے لیے سب سے زیادہ قابل قبول نروان حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ تاہم 'نروان کا ایک اور ایسا ہی قابل قبول راستہ ان کے لیے ہے جو اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ اسے نام نہاد راہ علم (جنان مارگ) کہا جاتا ہے۔ وہ دولتمند اور فطین لوگ جن کے پاس مقدس تحریرات کی مختلف فلسفیانہ تفاسیر پڑھنے کا وقت تھا' ان کے لیے راہ علم نفع بخش تھی۔
عموماً جب لوگ راہ علم کو ہندو مت میں نروان کے ذرائع کے طور پر لیتے ہیں تو ان کی مراد فلسفے کے مختلف نظام فکر ہوتے ہیں جو نروان کے لیے راہیں دکھاتے ہیں۔ یہ نظام فکر سانکھیہ ' یوگا' میماسا' ویشک' نیائے اور ویدانت ہیں۔ سب کی بنیاد ویدوں پر ہے' سب کا مقصد نروان ہے اور سب دوبارہ جنم اور وجود ازل پر یقین رکھتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے فلسفیانہ نظام فکر عموماً ان چھ تک محدود ہیں' ان چھ کے ساتھ کئی دیگر معمولی نظام فکر اور اختراعات بھی موجود ہیں۔

سانکھیہ نظام فکر:

کہا جاتا ہے کہ سانکھیہ نظام فکر کا بانی کپل منی ہے جس کا زمانہ چھٹی صدی قبل مسیح ہے۔ سانکھیہ نظام فکر جین مت اور بدھ مت کے زمانہ کے دوران ابھرا اور صریحاً ان دونوں مذاہب کو متاثر کیا اور جواب میں خود بھی ان سے متاثر ہوا۔ جین مت اور قدیم بدھ مت کی طرح سانکھیہ نظام فکر میں کسی شخصی دیوتا کا وجود نہیں اور اسے زندگی کی جانب ایک ملحدانہ رویے کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ جین مت کی طرح یہ کائنات کو روح (پُرش) اور مادہ (پراکرتی) کی قوتوں کے ساتھ ثنویت کے طور پر لیتے ہیں۔ جو چیز بھی وجود رکھتی ہے وہ یہی دو قوتیں ہیں اور انہی میں سے وہ سب کچھ

پھوٹتا ہے جسے ہم دنیا میں جانتے ہیں۔

یوگ نظام فکر:

تمام ہندو فلسفے میں سے یوگا مغربی باشندوں کے لیے سب سے زیادہ جانا پہچانا نظام ہے' اگرچہ وہ محض جسمانی یا ہٹھ یوگ یا رہبانیت کی مختلف انتہاؤں کو جانتے ہیں جنھیں یوگی حاصل کر سکتا ہے۔ لفظ "یوگ" (یوج–Yuj) سے ماخوذ ہے جس کا مطلب "جوتنا" یا "شامل کرنا" ہے۔ یوگ بنیادی طور پر سانکھیہ نظام فکر کے فلسفیانہ نقطۂ نظر پر قائم ہے جو دنیا کو ثنویت سمجھتے ہیں' اور تعلیم دیتا ہے کہ فرد کو اپنی انفرادی روح کو خدا کے ساتھ باندھ لینا چاہیے۔

مختلف یوگی حالتوں میں بیٹھے ہوئے افراد کو پیش کرنے والے مجسمے تیسری دہائی قبل مسیح میں قبل از آریائی شہروں میں ملے ہیں۔ تاہم یوگ کا موجودہ فلسفہ رشی یا جناو لکیہ کے ذریعہ ترقی پایا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ اس کا دور 200 قبل مسیح اور 500 عیسوی کے درمیان میں تھا اور اس نے یوگ کی تعلیمات کو اپنے "یوگ سوتر" میں بیان کیا۔

یوگ کی بنیادی خصوصیت مراقبہ ہے۔ مراقبہ دیوتاؤں کے لیے بھی ضروری ہے... اگر وہ جنم' موت' اور دوبارہ جنم سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

یوگ کی کئی قسمیں ہیں' ہر ایک کی کئی خصوصیات ہیں اور ہر ایک مختلف قسم پر زور دیتی ہے۔ راجا یوگ ذہنی اور روحانی ترقی پر زور دیتا ہے۔ یوگ نظم وضبط کی اس صورت میں فرد کو اپنا ذہن' غصہ' حرص' نفرت' لالچ وغیرہ سے آزاد کرنے کے لیے کئی ادوار سے گزرنا پڑتا ہے۔

یوگ کی ایک اور وسیع پیمانے پر پہچانی جانے والی اور عملی صورت ہٹھ ہے جو جسمانی تہذیب پر زور دیتی ہے۔ ہٹھ میں فرد کو آٹھ ادوار سے گزرنا ہوتا ہے۔

1۔ ہٹھ میں کوئی مقام حاصل کرنے سے پہلے فرد کو پرہیزگاری کے کچھ عہد (یام) کرنا پڑتے تھے۔ یہ عہد زندہ مخلوقات کو نقصان پہنچانے اور ناپاکی کے خلاف ہیں۔

2۔ اس دور میں فرد اندرونی اختیار' سکون اور طمانیت (نیم) حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

3۔ تیسرے مرحلے میں فرد مخصوص آسن (بیٹھنے کے مختلف انداز) سیکھتا اور ان پر عمل کرتا ہے جو یوگ کا مقصد حاصل کرنے میں مدد دینے کے لیے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

4۔ جب ایک مرتبہ آسن پر اختیار حاصل ہو چکے تو فرد تنفس کی مشق (پراناپم) کرتا ہے۔

5۔ پانچواں مرحلہ حسیات پر قابو (پرتی ہار) ہے جس میں فرد بیرونی دنیا سے باہر نکلتا ہے۔

6۔ چھٹا مرحلہ ایک ہی چیز پر اِنتہائی توجہ (دھارن) قائم رکھنا ہے۔

7۔ پھر فرد مراقبے کی کیفیت (دھیان) کو پانے کی کوشش کرتا ہے۔

8۔ بالآخر یوگی سادھی کی تلاش کرتا ہے جس میں وہ برہمہ کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے۔

جو لوگ ان مراحل کو طے کرتے ہیں وہ اعلیٰ جسمانی قوتیں اور ارتکاز فکر کی نمایاں صلاحیتیں حاصل کر لیتے ہیں۔ یوگا پر کمال حاصل کرنے والے یوگی وہ لوگ ہیں جو تپسیا کے ایسے غیر معمولی کرتب دکھاتے ہیں جنہیں مغربی ذہن نے یوگ ہی سمجھنا شروع کر دیا۔

میماسا نظام فکر:

میماسا نظام فلسفہ کا پورا نام "پورو میماسا" یعنی ویدوں کا ابتدائی تجزیہ ہے۔ اس نظام کے ماننے والوں کے لیے بنیادی صحائف وید اور میماسا سُوتر ہیں' جنہیں تقریباً 200 ق م میں لکھا گیا۔ میماسا فلسفہ کے نمائندہ پیروکار کمارل بھٹ اور پربھاکر تھے جو آٹھویں صدی عیسوی میں گزرے ہیں۔

میماسا کا بنیادی نظریہ دوبارہ جنم سے گریز کرنا ہے۔ یہ ویدوں میں بتائے گئے قوانین کی اطاعت اور ان میں بتائی گئی رسوم کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے۔ ابتدائی پیروکاروں نے دیوتاؤں کے وجود سے انکار کیا' لیکن آٹھویں صدی تک آتے آتے اس نظام فکر کے کچھ فلسفی شیو پوجا کرنے کے حوالے سے مشہور تھے۔

وسشک نظام فکر:

وسشک کا لفظی مطلب "اختصاص" (Particularity) ہے۔ وسشک مکتبہ فکر غالباً چھٹی صدی قبل مسیح میں ابھرا جب بدھ مت اور جین مت کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ وسشک کا بانی کناڈ تھا جس نے بنیادی دستاویز وسشک سوتر تحریر کیا۔ برہمہ کے سوا ہر چیز غیر حقیقی ہونے کی تعلیم دینے والے فلسفوں کے برخلاف وسشک تعلیم دیتا ہے کہ کائنات نو مختلف عناصر سے مل کر بنی ہے: مٹی، پانی، ہوا، آگ، روح، ذہن، اثیر، وقت اور خلاء۔ چونکہ یہ عناصر ازلی اور غیر تخلیق شدہ ہیں اس لیے کائنات میں دیوتاؤں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس مکتبہ فکر میں بعد کے مفکروں نے ایک ہستی مطلق کا نظریہ اپنایا جو کائنات کو درست راہ پر چلاتی ہے۔

نیایہ نظام فکر:

نیایہ نظام فکر نے وسشک نظام کا مابعد الطبیعیاتی ڈھانچہ ہی اپنا لیا اور ہندوستانی فلسفوں کی زمرہ بندی کرنے والوں نے عموماً انہیں ساتھ ساتھ رکھا۔ نیایہ کی بنیاد گوتم نامی شخص نے رکھی جو تیسری صدی قبل مسیح میں گزرا اور جس نے نیایہ سوتر تحریر کیا۔ فلسفے کے بعض طلباء گوتم کو "ہندوستان کا ارسطو" کہتے ہیں۔ وسشک کے پیروکاروں کی طرح، وہ قطعی طور پر لامذہب تھا اور کائنات کی حقیقت پر یقین رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے توجیہہ پیش کی کہ انسان کائنات کا حقیقی علم حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح نیایہ مکتبہ فکر بنیادی طور پر منطقی تجزیہ کو کائنات کے بارے میں سچائی تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتا ہے۔

ویدانت نظام فکر:

ہندو فلسفے کا ایک اور نظام فکر ویدانت ہے۔ ویدانت کی اصطلاح (جس کو عموماً "وید کا اختتام" کہا جاتا ہے) اشارہ کرتی ہے کہ ان مکاتب فکر میں مرکزی مواد اُپنشد سے لیا گیا ہے جو ویدک ادب کے آخر میں موجود ہے۔ اس اصطلاح کو "ویدوں کی انتہا" بھی کہتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ویدانت فلسفہ ویدوں میں موجود مذہبی تعلیم کی انتہائی

چوٹی ہے۔ وضاحتوں سے ہٹ کر ویدانت' فلسفہ اُپنشد کی تحریروں اور زندگی پر ان کے نقطۂ نظر پر مبنی ہے۔ یہ یقین رکھا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ ویدانت فلسفہ کی تشکیل رشی بادرائن نے کی جو تقریباً 250 ق-م اور 450 عیسوی کے درمیان گزرا ہے۔ اُس نے ویدانت سوتر لکھی۔

سانکھیہ نظام فکر کے برعکس ویدانت مکتبہ فکر وحدانیت پرست ہے اور کائنات میں صرف ایک اکائی پر یقین رکھتا ہے۔ اس اکائی کو خدا یا برہمہ کہا جاسکتا ہے۔ برہمہ کے سوا کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ انسان کی دنیا' اس کے اجسام' روحیں اور مادی اشیاء حقیقت میں کوئی وجود نہیں رکھتیں۔ لہٰذا انسان کا بنیادی مسئلہ فاسد ہونا نہیں بلکہ اس کی لاعلمی ہے۔ لوگ حقیقت کی اصل سے بے خبر ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ برہمہ سے الگ ہیں۔ یہ بے علمی انہیں پیدائش اور دوبارہ جنم کے چکر میں باندھ دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ آزادی حاصل کر سکیں۔

ویدانت کی ایک شاخ "ادویت" نویں صدی عیسوی میں پھلی پھولی اس لفظ کا مطلب "غیرثنائی" ہے' یعنی Non-dualistic اور اس کے نظریۂ وحدانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا بانی شنکر (838-788 عیسوی) تھا جو غالباً قرون وسطیٰ کے ہندو مت کا سب سے بڑا دانشور تھا۔ اگرچہ یہ شخص اپنے دور کا ایک بہت مشہور جوگی اور استاد تھا پھر بھی وہ ویدوں کی تشریح وتوضیح میں اپنے فلسفیانہ انداز کی بناء پر بہت مقبول تھا۔ فلسفی کی حیثیت سے اس کی صلاحیتوں اور کردار کی وجہ سے بعض مغربی قارئین نے اسے ہندو مت کا آکوینس کہا۔ اس کا سب سے نمایاں ادبی کارنامہ ویدانت سوتر پر اس کا لکھا ہوا تبصرہ ہے۔ یہ تبصرہ ہندو ادب میں اتنا بڑا شاہکار ہے کہ یہ خود کئی تبصروں کا موضوع بنا ہے۔ اپنے تبصرہ میں شنکر نے برہمہ کی قطعی وحدانیت کو اُپنشد کے کلاسیک انداز میں وثوق سے بیان کیا ہے۔ سب کچھ صرف برہمہ ہے۔ کائنات کی باقی ہر شے التباس ہے اور لوگ غیر مختتم آواگون کی پابندی کرنے پر مجبور ہیں' تاآنکہ وہ اس التباس کا پردہ چاک کردیں۔ کافی عجیب بات ہے کہ شنکر خود بھی شیو بھگت تھا کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ شیو برہمہ کی حقیقی فطرت کا بہترین نمائندہ تھا۔

شنکر اپنی بدھ مت کے لیے شدید مخالفت کی وجہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ یقین

کیا جاتا ہے کہ بدھ مت کے خلاف اس کی قیادت اس مذہب کو ہندوستان میں تباہ کرنے اور ہندومت کو اپنی نمایاں حالت میں واپس لانے میں مرکزی عنصر ہے۔

ایک کہانی کے مطابق' شنکر مرا نہیں؛ وہ محض غائب ہو گیا۔ اس وجہ سے کچھ شیو پرست یقین رکھتے ہیں کہ عظیم محقق درحقیقت شیو کا اوتار تھا۔

ہندومت میں قرون وسطیٰ کا دوسرا فلسفی رامانج تھا جس نے ایک تقریر میں ویدوں کے صحیح معنوں کی نمائندگی کی۔ رامانج بارھویں صدی عیسوی میں گزرا اور وہ یقین رکھتا تھا کہ دیوتاؤں کی بھگتی نہایت اہم تھی۔ وہ خود بھی وشنو کا بھگت تھا۔ اُس نے دلیل دی کہ اگر شنکر درست عقیدہ پر تھا اور ہر شخص برہمہ کا محض ایک حصہ ہے تو خدا کی بھگتی ناممکن ہوگی' کیونکہ کوئی شخص کس طرح اپنا ہی بھگت ہو سکتا ہے؟ چونکہ وہ خدا کی وحدانیت کی روایتی ویدانت حالت سے نکل نہ سکتا تھا' لہٰذا رامانج نے ایک پُراعتماد ثنویت کا درس دیا جس میں اُس نے وضاحت کے لیے انسانی جسم اور روح کی مماثلت کو استعمال کیا ہے۔ ایک' دوسری کے بغیر وجود قائم نہیں رکھ سکتی مگر وہ الگ الگ جوہر ہیں۔

اس موضوع میں تیسرا نکتہ نظر مادھو آچاریہ نے پیش کیا۔ جو تیرھویں صدی میں گزرا ہے۔ مادھو بھی وشنو بھگت تھا اور وہ دیوتاؤں کی بھگتی پر واحد موزوں مذہبی تجربے کے طور پر مضبوط عقیدہ رکھتا تھا۔ تاہم' وہ رامانج سے آگے بڑھنے کا متمنی تھا۔ اگرچہ وہ ویدانت کے مجموعی مکتبہ ویدانت میں رہتے ہوئے بھی ثنائیت کی روایت پر عمل پیرا رہا لیکن اُس نے اس عام تصور سے مکمل طور پر دستبرداری کا اظہار کیا کہ خدا ہی سب کچھ ہے اور باقی سب فریب ہے۔ اُس کی نظر میں کائنات اور انسانی روحیں مکمل طور پر برہمہ سے اور ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اس طرح ہر انسان اور روح خدا کی الگ فطرت کی مناسب پرستش کے قابل ہے۔

ہندوستان پر مسلم اثرات

ساتویں صدی عیسوی میں ایک نیا اور اہم مذہب عرب کے صحراؤں سے اُبھرا۔

چند دہائیوں کے اندر اندر مذہب اسلام فتح اور تبدیلی مذہب کے ذریعہ پورے مشرق وسطیٰ پھیل چکا تھا۔ آٹھویں صدی میں یورپ کے اندر یہ عروج پر تھا۔ اسلام نے اپنا رُخ مشرق کی طرف بھی کیا اور آٹھویں صدی کے لگ بھگ ایران اور افغانستان کو فتح کر لیا اور ہندوستان پر گاہے بگاہے حملے کیے۔

712 عیسوی میں مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان کے شمال مغربی حصے فتح کیے۔ گیارھویں صدی میں ترک جرنیل محمود غزنوی نے سترہ مرتبہ ہندوستان پر حملے کیے اور ایک وسیع خزانہ اپنے ساتھ اپنے ہیڈکوارٹر افغانستان لایا۔ تیرھویں صدی میں اسلام ہندوستان پر اس قدر چھا چکا تھا کہ وہاں سلطنت دہلی قائم ہو گئی۔ سولہویں صدی میں ترک حکمرانوں' جنہیں مغل کہا جاتا ہے' کی ایک جماعت نے ایک سلطنت قائم کی اور ہندوستان کے زیادہ تر ذیلی براعظموں پر حکمرانی کی۔ لہٰذا اٹھارہویں صدی میں یہ سلطنت اپنے راستے پر چل نکلی اور بہت سی چھوٹی متحارب ریاستوں میں بدل چکی تھی جو کہ انگریز فوجوں کے حملہ کے لیے آسان شکار گاہ بن گئیں۔ آج اگرچہ ہندو مت ہندوستان میں اکثریت کا مذہب ہے' مگر اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا کی کسی اور قوم کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات ہمیشہ سنگین رہے ہیں۔ ہندو مت اور اسلام جیسے دو مکمل طور پر مختلف مذاہب کا ملنا بہت مشکل ہے۔ جہاں مسلمان توحید پرست ہیں' ہندو لامحدود طور پر کثرت پرست ہیں; مسلمان کسی بھی شکل میں اللہ کا شریک ہونے کا انکار کرتے ہیں' ہندوؤں نے اپنے کئی دیوتاؤں کے مجسموں کو پر آسائش معبدوں میں سجایا ہوا ہے; مسلمان اللہ کی راہ میں گائے کی قربانی گاہے بگاہے کرتے رہتے ہیں جبکہ ہندو گائے کو مقدس جانور سمجھتے اور اُسے کسی بھی نقصان سے محفوظ رکھتے ہیں; اور جہاں مسلمان اللہ کے سامنے مساوات کے قائل ہیں وہاں ہندو روایتی طور پر ذات پات کے نظام کے پیرو ہیں جو معاشرے کو طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ نچلے کی نسبت زیادہ مذہبی عہدوں کا حقدار ہوتا ہے۔

ان وسیع اختلافات کے باوجود ہندو اور مسلمان ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک ساتھ رہے ہیں۔ ہندو مت نے اپنے اسلام سے مخلوط ہونے کے باوجود اپنے بنیادی

نظریات کو نہیں بدلا لیکن ہندوستانی معاشرے نے مسلم دنیا کے کئی عناصر کو اختیار کر لیا۔ خصوصاً مغل سلطنت کے دور میں ہندوستانی معاشرہ آرٹ، فنِ تعمیر، سائنس اور مسلمان دنیا کے لباس کے انداز سے بھی متاثر ہوا۔

پندرھویں صدی میں اسلام اور ہندومت کے درمیان مفاہمت کی نمایاں کوشش کے لیے سکھ مت کا مذہب اُبھرا۔ سکھ مت کو بعد کے باب میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ تاہم، اس موقع پر یہ ضرور کہنا چاہیے کہ سکھ مت نے اسلام کے ناقابل مفاہمت عقیدۂ توحید اور ہندومت کے التباس اور تجسیم نو کے عقائد کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی ضرور کہنا چاہیے کہ اگرچہ ہندو اور مسلمان ہندوستان میں اکٹھے رہتے رہے ہیں، مگر دونوں لوگوں کے درمیان مذہبی اور سیاسی اختلافات آج بھی ہندوستان کو پیش آنے والے مرکزی مسائل میں سے ایک ہیں۔

جدید ہندومت:

تمام بڑے مذاہب کی طرح، ہندومت کو اپنی قومیتی تحریکوں، سماجی اصلاحات، مذاہب کے مابین جھگڑوں اور اپنے سائنسی اختلافات کی وجہ سے دورِ حاضر کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ گزشتہ چار صدیاں روایت سے بندھے ہوئے ہندومت کے لیے بہت کٹھن ثابت ہوئیں۔

جدید دور کے تمام تر عناصر، جنھوں نے ہندومت کو متاثر کیا، میں سے سب سے اہم ہندومت کا عیسائیت سے اختلاف اور اس کے یورپی اور امریکی نمائندے رہے ہیں۔ روایت کے مطابق عیسائیت کو حواری تھامس ہندوستان میں لے کر آیا اور یہ پہلی صدی عیسوی سے ہی وہاں فعال مذہب رہا ہے۔ لہٰذا عیسائیت نے موجودہ زمانہ تک ہندوستانی باشندوں کو بہت کم متاثر کیا۔

ہندوستان اور جدید یورپی اقوام کے درمیان پہلا سنگین جھگڑا 1510ء میں ہوا جب پرتگالیوں نے گوآ کو فتح کیا۔ سترھویں صدی میں انگریزوں نے ہندوستان پر حملہ کیا اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی۔ یہ ہندوستان میں انگریز حکومت کی تین صدیوں تک جاری رہی۔ اگرچہ انگریز ہندوستان میں تاجر اور سپاہی تھے، انھوں نے انیسویں صدی

تک پروٹسٹنٹ مبلغین کو اجازت نہ دی کہ ہندوستانی باشندوں کی تبدیلی مذہب کی کوشش کے لیے ملک میں داخل ہوں۔ اس تاخیر کی ایک وجہ یہ تھی کہ بہت سے پروٹسٹنٹ فرقے پہلے اپنے مبلغین بھیجنے پر سرگرمی نہ دکھاتے تھے۔

ہندوستان میں داخل ہونے والے پہلے مبلغین میں سے ایک ولیم کیری (1761ء-1834ء) تھا۔ انیسویں صدی کے کئی دیگر مبلغین کی طرح کیری کی خدمات صرف اپنے عقیدے کی تبلیغ تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کی زندگی اور تعلیم کے معیار کو بلند کرنے پر بھی مامور تھا۔ ہندوستان میں جدید اشاعت کو شروع کرنے والا وہ پہلا انسان تھا اور اُس نے ہندوستانی باشندوں کے لیے کئی نئے تعلیمی منصوبے بھی شروع کیے۔ دیگر مبلغین کے ساتھ کیری ہندوستانی سماجی زندگی کے اندر کئی رواجوں پر چونکا جو اُسے غیرانسانی اور ضرر رساں محسوس ہوئے۔ ان میں سے ایک "ستی" تھا جس میں ہندوستانی بیوہ سے توقع کی جاتی کہ اپنے مردہ شوہر کے ساتھ ہی ہلاک ہو جائے۔ یورپی مبلغ کے لیے ایک اور حیران کن رواج بچوں کی شادیاں کرنا تھا۔ ذات پات کے کٹر نظام کی وجہ سے ہندوستان میں والدین عموماً موزوں رشتے کا حصول یقینی بنانے کے لیے اپنے کمسن بچوں کی منگنی کر دیتے۔ عموماً اس سے مراد بہت چھوٹے بچوں کی سگائی اور نو' دس برس کے بچوں کی شادی ہے۔ یہ ایسی لڑکیوں کے معاملہ میں خصوصاً سخت گیر تھا جن کا رشتہ ان کے والدین بیس یا تیس سال بڑے مردوں سے کر دیتے تھے۔ یہ رسم اس یقین دہائی پر مائل ہوئی کہ کسی مرد کی خوبصورت جوان بیوہ خود کو فنا کر لے گی۔ مبلغین نے برطانوی حکمرانوں پر دباؤ ڈالا اور کم سنی کی شادی اور ستی کی رسمیں ہندوستان میں سرکاری سطح پر خلاف قانون قرار دی گئیں۔

یورپی لوگوں' ان کے مبلغین اور عیسائیت کے جھگڑے بہت سے ہندوستانیوں کو اپنے مذہب کی طرف واپس لانے کا سبب بنے۔ لہٰذا انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی نے ہندومت میں کئی اصلاحی تحریکیں دیکھیں۔ ایک ابتدائی مصلح رام موہن رائے (1774ء-1833ء) تھا جو "جدید ہندوستان کا باپ" کہلاتا تھا۔ رائے مبلغین کے ساتھ رضامندی پر مائل ہوا اور ستی و کم سنی کی شادی کو روکنے کی کوششوں میں مدد کی۔ اُسے عیسائیت میں بھی کئی قابل قدر عناصر نظر آئے۔ اگرچہ اُس نے عیسٰی کی پیغمبری

کو قبول نہ کیا۔ رام موہن رائے وحدانیت کا قائل تھا اور ہندومت کی' بت پرستی اور کثرت پرستی کو روکنے کا خواہش مند تھا۔ موت کے بعد بھی اپنا کام جاری رکھنے کے لیے رائے نے "برہمو سماج" (خدا کا معاشرہ) کا اہتمام کیا جو انیسویں اور بیسویں صدیوں میں ہندوستان کی تجدید میں مرکزی طاقت بن گئی۔

انیسویں صدی کا غالباً عظیم ترین مصلح سری راما کرشن (1886ء—1834ء) تھا۔ راما کرشن' جو کبھی کلکتہ میں کالی دیوی کا پجاری تھا' فلسفیانہ انداز فکر میں غیر ثنائی ویدانت کا پیرو تھا۔ بعد میں وہ اس بات کا قائل ہوگیا کہ تمام مذاہب کی پشت پر ایک واحد سچائی ہے جسے خدا کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ راما کرشن ناخواندہ تھا مگر عیسائیوں' مسلمانوں اور اسی طرح ہندوؤں کے ساتھ اس کے تعلقات نے اُسے قائل کیا کہ حقیقت بہرحال ایک ہے۔

راما کرشن کی تعلیمات ہندوستان میں شاید اُس کے ساتھ ہی دم توڑ جاتیں اگر اُس کے شاگردوں میں سے ایک نریندر ناتھ دت (1902ء—1836ء) انہیں زندہ نہ رکھتا۔ ویویکانند اوائل عمر میں ہی برہمو سماج کا رُکن بن گیا' بعد میں وہ راما کرشن سے ملا اور اُس کا پیروکار بن گیا۔ وہ ہمالیہ میں کئی برس تک ریاضت کرنے کے بعد جدید دنیا میں پہلا ہندو مبلغ بننے کے لیے روانہ ہوا۔ ویویکانند نے طویل سفر کیے اور ویدانت ہندومت کے فضائل پر لیکچرز دیے جسے وہ "تمام دیگر مذاہب کی ماں" کے طور پر بیان کرتا تھا۔ اُس نے 1893ء میں بمقام شکاگو "مذاہب کی پارلیمنٹ" میں ہندومت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک زبردست تاثر قائم کیا۔ خدا کی وحدانیت کا یہ ترجمان جہاں بھی گیا سامعین کے ذہن پر چھا گیا اور اپنے پیروکار بنائے۔

بیسویں صدی کا مشہور ہندوستانی مصلح موہن داس کمار چند گاندھی (1948ء—1869ء) تھا۔ گاندھی کو برطانوی راج کے اختتام پر مذہبی تصوریت اور سول نافرمانی کے یکجا کرنے کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں کے لیے سیاسی اور معاشرتی فوائد حاصل کرنے پر بہت زیادہ یاد رکھا جاتا ہے۔ گاندھی بنیادی طور پر انگلستان میں تربیت یافتہ قانون دان تھا جہاں اس کا واسطہ انیسویں صدی کے کئی معاشرتی اور سیاسی نظریات سے پڑا۔ وہ عیسائیت' خصوصاً حضرت عیسیٰ کے پہاڑی پر وعظ سے بھی متعارف ہوا۔

برطانوی راج سے آزادی کی جدوجہد میں ہندوستانی لوگوں کے قائد کے طور پر اُس نے ذاتی طور پر بہت فاقے کیے اور کئی برطانوی پالیسیوں کے خلاف ہڑتالیں کیں اور عموماً کامیاب رہا۔ سول نافرمانی اور اہنسا (عدم تشدد) کو اپنانے کے ساتھ گاندھی جین مت کی ذی حیات کو ضرر نہ پہنچانے کی تعلیم سے بھی متاثر تھا۔ اس طرح وہ سبزی خور تھا اور گائے کی حفاظت کے ہندوستانی رواج کا سختی سے دفاع کرتا تھا۔ گاندھی امریکی فلسفی تھورو کے اُس کام کو بھی پڑھتا اور یاد رکھتا تھا' جو سول انتظامیہ کی مجہول مدافعت کی حمایت کرتا ہے۔ نتیجتاً گاندھی مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کی سیاسی فکر کے لیے نمونہ بن گیا جس نے 1960ء میں سول حقوق کے لیے امریکی حبشیوں کی قیادت کی۔ اہنسا کی حمایت کرنے والا گاندھی 1948ء میں اپنے عوام کی آزادی حاصل کرنے کے چند ماہ بعد ایک قاتل کی گولی سے مرا۔

بیسوی صدی کے آخر کا ہندوستان دنیا کے نہایت پیچیدہ مسائل کا شکار ہے۔ اس کے ہندو اور مسلمان باشندوں کے درمیان تصادم کا نتیجہ اکثر خوں ریزی ہوا ہے; اس کی آبادی میں بے حد اضافہ ہوا اور یہ آبادی قوم کے وسائل سے تجاوز کرتے ہوئے بڑھتی چلی جا رہی ہے; اور اسے شمال میں اپنے طاقتور ہمسایہ چین سے حملے کا خوف بھی درپیش ہے۔

ہمیشہ کی طرح' ہندومت ہندوستانی لوگوں کی زندگیوں میں اپنا کردار خاموشی سے ادا کر رہا ہے۔ بعض ہندوستانیوں کا خیال ہے کہ ہندومت کے پاس اپنی قوم کے مسائل کا کوئی حل نہیں اور اس طرح وہ حل کے لیے غیر جانبدار دنیا کی طرف رخ کر چکے ہیں۔ تاہم' اب بھی اکثریت کثیر دیوتاؤں' ادب' وسیع اسطوریات اور ہندومت کے گہرے فلسفے میں سکون تلاش کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Edgerton, Franklin, trans. *Bhagavad Gita*. New York: Harper and Row, 1965.

2) Hinnells, John R. and Sharpe, Eric J., *Hinduism*. Newcastle: Oriel Press, 1972.

3) Hopkins, Thomas J. *The Hindu Religious Tradition*. Encino, Calif.: Dickenson, 1971.

4) Judah, J. Stillson. *Hare Krishna and the Counterculture*. New York: John Wiley and Sons, 1974.

5) Nikhilanada, Swami, trans. *The Upanishads*. 4 vols. New York: Harper and Bros., 1949–1959.

6) Renou, Louis, ed. *Hinduism*. New York: George Braziller, 1961.

نواں باب

جین مت

راست رویے کا جوہر کسی کو نقصان نہ پہنچانا ہے' آپ کو صرف یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عدم تشدد ہی مذہب ہے۔ (نالندیار 15' 14)

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندومت کے خلاف دو احتجاجی تحریکیں اُبھریں۔ یہ دونوں مخالفین جین مت اور بدھ مت تھے' اور انہوں نے ویدک ادب اور برہمن گرو کی تعلیم میں پیش کیے جانے والے نروان کو متبادل معنی دیئے۔ جین مت اور بُدھ مت دونوں نے وید کی قطعیت کو بحیثیت الہامی صحائف مسترد کر دیا اور ہندوستانی ذات پات کے نظام کی مذہبی اہمیت سے انکار کیا۔ ان دونوں نئے مذاہب (یا ہندومت کی نئی صورتوں) میں سے جین مت غالباً پہلا ہے۔

مہاویر کی زندگی:

جین مت کے نقطۂ آغاز کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے' حالانکہ مہاویر (وردھمان) کو اس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ مہاویر کی زندگی حکایتوں سے بھری ہوئی ہے۔ درحقیقت راسخ العقیدہ جین مت میں مہاویر بانیوں کے طویل سلسلہ میں سب سے آخری تھا۔ مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ مہاویر سمیت ان لوگوں کو تیر تھنکر کہا جاتا ہے۔ انہیں ایسے مثالی انسان سمجھا جاتا ہے جنہوں

نے اس زندگی اور نروان کے درمیان پل قائم کیا۔ مجموعی طور پر چوبیس تیر تھنکر اپنے معبدوں میں جین پرستوں کی عقیدت حاصل کرتے ہیں۔

اکثر ذرائع کے مطابق مہاویر کا دور 599 اور 527 ق-م کے درمیان تھا حالانکہ بعض حوالے اس کی موت 467ق-م میں بتاتے ہیں۔ بہرحال کسی بھی لحاظ سے وہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ہی بہترین طور پر موزوں نظر آتا ہے۔ اس صدی میں دنیا نے سدھارتھ گوتم (بدھ)، زرتشت، عبرانی پیغمبر یرمیاہ، یسعیاہ دوم، حزقی ایل، کنفیوشس اور لاؤزے کی تعلیمات سے استفادہ کیا

مہاویر کے حالات زندگی کی تفصیلات بہت حد تک بُدھ کی زندگی سے مشابہ ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ تفاصیل بدھ مت سے لی گئی ہیں۔ بدھ کی طرح مہاویر چھٹی صدی قبل مسیح میں کشتریہ گھرانے میں پیدا ہوا اور اس کا باپ ایک معمولی حکمران تھا۔ دو بیٹوں میں سے مہاویر دوسرے نمبر پر تھا۔ داستان کے مطابق خاندان وافر دولت کا مالک تھا اور پُر آسائش زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ شمالی ہندوستان میں مگدھ کے دارالحکومت ویشالی میں رہتے تھے۔ مناسب عمر میں مہاویر کی شادی ہوگئی اور اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اپنے مقام اور دولت کے باوجود وہ خوش نہ تھا، وہ اپنی اس ناخوشی کا مذہبی حل چاہتا تھا۔ جب گھومتے پھرتے جوگیوں کا ایک گروہ اُس کے گاؤں میں آکر ٹھہرا تو مہاویر نے اُن کے فرقے میں شامل ہونے کی خواہش کی۔ تاہم ایک فرمانبردار بیٹا ہونے کے ناطے اُس نے اپنے والدین کی موت کا انتظار کیا اور جب اُس کے بڑے بھائی نے کامیابی سے خاندان کے معاملات سنبھال لیے تو پھر اُس نے اپنے خاندان، بیوی اور بچے کو الوداع کہا، اپنی دولت اور آسائشوں سے پیٹھ پھیری، اپنے بالوں اور داڑھی کو منڈوایا اور مکتی کی تلاش میں مرتاضوں کے ساتھ جاملا۔

مہاویر کو مرتاضوں کے اس گروہ میں اپنی مکتی نہ ملی جس کی اُسے توقع تھی۔ اس کی بجائے اُسے یہ یقین ہوگیا کہ روح کو اس زندگی سے نجات دلانے کی خاطر اور بھی زیادہ سخت ریاضت کی ضرورت ہے۔ مہاویر نے شدید ریاضت میں اپنی دلچسپی کے علاوہ انجام کار محسوس کیا کہ حصول نجات کے لیے اہنسا (عدم تشدد) کی پابندی بھی لازمی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے راستے پر چلتا چلا گیا۔

مہاویر کے حالات زندگی کے اس دور سے متعلقہ داستانیں اُس کی اپنے اوپر عائد کردہ شدید ریاضت پر زور دیتی ہیں۔ چونکہ وہ لوگوں یا اشیاء کے ساتھ تعلق قائم نہیں رکھنا چاہتا تھا لہٰذا وہ جہاں بھی گیا وہاں ایک جگہ پر ایک سے زیادہ رات کبھی قیام نہ کیا۔ برسات کے موسم میں وہ سڑکوں پر نکلنے سے پرہیز کرتا تاکہ کہیں نادانستہ طور پر اس کے قدموں کے نیچے کوئی کیڑا نہ آ جائے۔ خشک موسم میں وہ کیڑے مکوڑوں کے کچلے جانے سے محفوظ رہنے کے لیے چلتے ہوئے اپنے سامنے سڑک پر جھاڑو دیتا جاتا۔ وہ اپنے پینے والے پانی کو چھان لیتا تاکہ اس کے اندر موجود کسی بھی کیڑے وغیرہ کو نگلنے سے محفوظ رہ سکے۔ کسی بھی حقیقی مرتاض کی طرح وہ کھانے کے لیے بھیک مانگتا۔ لیکن وہ بغیر پکا کھانا کھانے سے انکار کر دیتا اور صرف کسی دوسرے شخص کی چھوڑی ہوئی خوراک کھانے کو ترجیح دیتا تاکہ وہ خوراک کی موت کا باعث نہ بن جائے۔ اپنے جسم کو زیادہ بہتر طور پر اذیت دینے کے لیے وہ سردیوں میں سرد ترین اور گرم موسم میں گرم ترین مقامات کی طرف نکل جاتا اور ہمیشہ ننگا رہتا۔ جب کبھی ناراض یا غصیلے لوگ اپنے کتوں کو مہاویر کے پیچھے بھیجتے تو وہ احتجاج کی بجائے انہیں کاٹنے کی اجازت دے دیتا۔ داستانیں ایسے وقت کے بارے میں بھی بتاتی ہیں جب مہاویر مراقبے میں تھا اور بعض لوگوں نے اُس کے قریب آگ لگا دی تاکہ دیکھ سکیں کہ آیا وہ احتجاج کرتا ہے یا نہیں: اُس نے ایسا نہ کیا۔ ریاضت کے بارہ مشکل ترین سالوں کے بعد اُس نے جنم' موت اور دوبارہ جنم کے غیر مختتم چکر سے موکش (نجات) حاصل کر لی۔ اس طرح وہ اپنے پیرو کاروں کے لیے جین (فاتح) بن گیا کیونکہ اُس نے زندگی کی قوتوں کو بہادری سے فتح کیا تھا۔ اگرچہ مہاویر موکش حاصل کر چکا تھا' وہ تیس برس مزید زندہ رہا اور بہتر سال کی عمر میں مر گیا۔

جین مت کی تعلیمات

دیگر ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت زندگی کو غیر مختتم تجسیم نو سمجھتا ہے۔ لوگ پیدا ہوتے' اپنی زندگیاں گزارتے اور مر جاتے ہیں اور دوبارہ جنم لیتے ہیں۔ ہندوستانی مذاہب اس مذہبی مسئلے کے گرد گھومتے ہیں کہ کوئی فرد زندگی کے چکر سے کیسے نکل سکتا اور زندگی سے دامن کیسے بچا سکتا ہے؟ ہندو مت بھی بدھ مت اور سکھ مت کی

طرح اس کے لیے کئی جواب پیش کرتا ہے۔ جین مت افراد کو کرم (Karma) کی وجہ سے زندگی سے جڑا ہوا سمجھتا ہے۔

تمام زندہ مخلوقات اپنے کرموں (اعمال) کی وجہ سے موجودہ حالت میں ہیں؛ جنموں کے چکر میں بزول' بدکار' تکلیف دہ مخلوقات پیدائش' بڑھاپے اور موت کے ماتحت ہیں۔[1]

بظاہر مہاویر نے تعلیم دی کہ کسی قسم کی سرگرمی کے نتیجہ میں کرم کی بنیاد فرد پر ہے۔ چنانچہ ایک جین کے لیے مثالی زندگی یہی ہو سکتی ہے کہ وہ ہر ممکن حد تک کم عمل کرے اور کرم سے نجات پا کر زندگی سے آزاد ہو جائے۔

سابق کرموں کے اثر اور بندھن کی وجوہات ختم کرنے کے ذریعہ تمام اعمال سے قطعی آزادی کا نام مکتی ہے۔[2]

جین مت کا فلسفیانہ نقطہ نظر دُوئی ہے۔ جین مت کے مطابق دنیا دو اجزاء روح (جیو) اور مادہ (اجیو) سے بنائی گئی ہے۔ روح زندگی ہے' یہ ابدی اور اہم ہے۔ مادہ بے جان' حقیر اور برائی ہے۔ ساری کائنات کو روح یا مادہ کے طور پر شناخت کیا جا سکتا ہے۔ تمام لوگ مادے میں لپٹی ہوئی روح نظر آتے ہیں۔ جب تک روح مادے میں سمائی ہوئی ہے آزاد نہیں ہو سکتی اور زندگی کے غیر مختتم چکر میں رہنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ روح کو مادہ سے آزاد کرنا جین مت کا مقصد ہے۔ یہ فلسفیانہ بنیاد جو جسم کو ایسی برائی سمجھتی ہے جو روح کی خالص اور مکمل ترقی کو روکتی ہے' تمام مرتاضوں کا ہمہ گیر عقیدہ ہے۔ اگر جسم برائی ہے تو مرتاضوں کا جواب یہ ہے کہ روح کی نجات کے لیے جسم کو ہر طرح سے اذیت دی جائے۔ انسانی گنہگاری کے لیے یہ جواب' ہندو مت' بدھ مت' عیسائیت' اسلام اور دنیا کے تقریباً ہر دوسرے مرکزی مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ یہ مذاہب انسان کی کیفیت کے مسئلے کے حل کے لیے دیگر طریقے بھی بتاتے ہیں' جبکہ جین مت اسی پر اکتفا کرتا ہے۔ یہ دنیا کو دوئی کے

---

[1] سوتر کرتانگ' 1' 2' 3' 18۔

[2] توارتھ سُوتر' 2' 10۔

طور پر دیکھتا ہے۔ دنیا کی ثنائی فطرت کے لیے اس کا جواب شدید ریاضت ہے۔ جہاں تمام جین زندگی کی ذمہ داریوں سے الگ نہیں ہوسکتے اور خود کو مرتاض کی زندگی گزارنے کے لیے وقف کردیتے ہیں' ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ وہ نجات کے قریب ترین ہیں۔ مہاویر نے اپنی دولت اور گھر کی آسائشوں سے منہ موڑ کر اور اپنے جسم کو ریاضت کی سختی کے لیے وقف کرکے ایک نمونہ قائم کیا۔

جین مت اس عقیدے کے لیے حمایت کرتا ہے کہ روح کی نجات فرد کے ذریعہ ہی تکمیل کو پہنچنی چاہیے۔ متعلقہ شخص کے عمل سے ہی روح مادہ سے آزاد ہوسکتی ہے اور وہ فرد بیرونی دنیا سے مدد وصول نہیں کرتا اور نہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ جین مت میں دیوتا بہت کم اہمیت کے حامل ہیں۔ جین چونکہ یقین رکھتے ہیں کہ مادہ ابدی ہے لہٰذا انہیں پیدا کرنے والے دیوتا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح دنیا کی تخلیق ہرگز نہیں ہوئی۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ یونہی وجود قائم رکھے گی۔ دیوتاؤں کے بارے میں جین مت کی شناسائی صرف اس قدر ہے کہ وہ انسان سے مختلف مقام پر رہنے والی مخلوق ہے اور وہ اپنی نجات کے لیے کوشش کررہی ہے۔ یہ دیوتا مکتی میں انسان کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ لہٰذا دعائیں اور پرستش بے کار ہیں۔ جین مت دیوتاؤں کے وجود کا اعتراف تو کرتا ہے لیکن ان پر انحصار نہیں کرتا اور اسی وجہ سے اسے ملحدانہ مذہب کہا جاسکتا ہے۔

اپنے مذہب کی بجاآوری کے سلسلے میں جین خود کو دو نمایاں گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں: وہ اکثریت جو اپنے گھروں کو نہیں چھوڑ سکتے اور درویشانہ زندگی کی شدت کو قبول کرلیتے ہیں' اور وہ اقلیت جو ایسا کرسکتے ہیں اور مرتاض بن جاتے ہیں۔ موخرالذکر لوگ جین کے لیے مثالی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جین سنیاسی پانچ قسمیں اُٹھاتے ہیں جو ان کی زندگی میں راہنمائی کرتی ہیں۔

1۔ وہ کسی جاندار کو نقصان نہ پہنچانے کی قسم کھاتے ہیں۔ جینی روایت کے مطابق مہاویر نے تعلیم دی کہ:

ان جانوروں کو مجروح کرنے والا شخص برے اعمال سے پرہیز نہیں کرتا;
اور جو انہیں دکھ نہیں پہنچاتا برے افعال سے دستبرداری اختیار کرتا ہے۔

ان سے بخوبی آگاہ عقلمند شخص حیوانات کے ساتھ بُرا برتاؤ کرے گا اور نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے کا کہے گا اور نہ اجازت دے گا۔ جانوروں سے متعلقہ گناہ کی وجوہ کو جاننے والا شخص جزا یافتہ رشی کہلاتا ہے۔[1]

یہ قسم تمام جینیوں کے لیے نہایت نمایاں خصوصیت اور علامت بن چکی ہے جس سے وہ دنیا میں پہچانے جاتے ہیں۔ کوئی جینی کسی زندہ مخلوق کو نقصان پہنچانے سے گریز کرنے کے لیے بہت آگے تک جا سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ سبزی خور ہیں اور چمڑے وغیرہ کی مصنوعات سے گریز کرتے ہیں جن میں زندگی کی اذیت اور ہلاکت شامل ہو۔ مہاویر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جین سنیاسی بھی حشرات کے کچلے جانے کے خوف سے اپنے سامنے راستہ صاف کرتے جاتے ہیں اور پانی میں کسی بھی قسم کی ممکن زندگی کو محفوظ رکھنے کے لیے پیتے وقت اُسے چھان لیتے ہیں۔ بعض سنگین معاملات میں جینیوں نے بیمار چوہوں کے لیے شفاء خانے بھی قائم کیے ہیں۔ لہٰذا بعض لوگوں نے مضحکہ خیز انداز میں بیان کیا ہے کہ جین وہ لوگ ہیں جو "خدا کا انکار' انسان کی پوجا اور کیڑے مکوڑوں کی افزائش کرتے ہیں۔" زندگی کو نقصان نہ پہنچانے کا جینی اصول غیر جینیوں مثلاً موہن داس گاندھی اور البرٹ شویٹزر (Albert Schweitzer) کے ہاں بے حد مقبول ہوا۔

2۔ جین سنیاسی ہمیشہ سچ بولنے کی قسم کھاتے ہیں' اور اس قسم کی بناء پر ان کی صداقت کے لیے ان کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ تاہم' سچ کے لیے اپنی تلاش میں جین مت سچ کو قطعی کی بجائے اضافیاتی حیثیت میں لیتا ہے۔ (ہاتھی اور نابینا شخص کی مشہور کہانی کو جین دور سے متعلقہ بتایا جاتا ہے جو سچ کی اضافیت کو بیان کرتی ہے۔ اس کہانی میں کئی نابینا افراد کو ہاتھی کے بارے میں بیان کرنے کے کو کہا جاتا ہے۔ ہر کوئی ہاتھی کے مختلف حصہ کو چھوتا ہے اور اس طرح جانور کے بارے میں مختلف انداز میں رائے دیتا ہے۔ ایک شخص کو ہاتھی کا پہلو چھونے سے پتھر کی دیوار محسوس ہوتی ہے؛ دوسرے شخص کے لیے ہاتھی ایک رسے کی مانند ہے کیونکہ وہ اسی دُم پکڑتا ہے؛ ایک اور شخص کان چھونے پر ہاتھی کو پنکھا

[1] آرنیہ سُوتر 1'1'6'6۔

سمجھتا ہے۔ ہر شخص جانور کو سچائی سے بیان کرتا ہے' مگر چونکہ ہر ایک نے اسے مختلف انداز میں دیکھا لہٰذا بیانات کا آپس میں وسیع تضاد ہے۔)

3۔ جین سنیاسی کسی بھی ایسی چیز کو لینے سے انکار کردیتے ہیں جو انہیں نہ دی گئی ہو۔ اس بات نے بھی جینیوں کی ایمانداری کے لحاظ سے ان کے کردار کو نمایاں کیا ہے۔

4۔ سنیاسی کی چوتھی قسم جنسی مسرتوں سے دستبرداری ہے۔ یہ روایتی نفس کشی کے پس منظر میں ہے جس میں جسم کی مسرتوں کو برائی سمجھا جاتا ہے; چونکہ جنس جسم کی سب سے بڑی راحت ہے لہٰذا اس کا تدارک ہونا چاہیے۔ (مہاویر نے نہ صرف جنسی مسرتوں سے دستبرداری اختیار کی بلکہ عمومی طور پر عورتوں سے بھی دستبردار ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ "عورتیں دنیا میں تحریص کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔" لہٰذا آج انتہائی تنگ نظر جینی فرقے عورت کو آشرم میں مکتی تلاش کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔)

5۔ جینیوں کی آخری قسم ہر قسم کے تعلق سے دستبرداری ہے۔ دوسرے افراد یا اشیاء سے تعلق اور محبت ایسا عنصر ہے جو انسان کو زندگی سے باندھے رکھتا ہے۔ (اسی وجہ سے مہاویر اپنے خاندان اور ملکیتی اشیاء سے دستبردار ہوگیا اور کسی جگہ پر ایک دن سے زیادہ ٹھہرنے سے انکار کردیا تاکہ کوئی نیا تعلق قائم نہ ہوسکے)

عام طور پر تمام جینی پہلی تین قسموں کی ہر ممکن پیروی کرتے ہیں جبکہ سنیاسی بن جانے والے پانچوں کی پابندی کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک عام جینی انسان شادی کرسکتا اور خاندان بنا سکتا ہے۔ لیکن اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ مثالی زندگی نہیں گزار رہا اور اس زندگی میں نجات کی توقع نہیں کرتا۔

جینیوں کے صحائف کو آگم (ہدایت نامے) یا سیدھانت یعنی "مقالے" کہا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ جینی یقین رکھتے ہیں کہ یہ آگم مہاویر کے اپنے شاگردوں کو دیئے گئے حقیقی وعظ یا تعلیمات ہیں۔ کئی جینی فرقے حقیقی اور بااعتماد آگم کی تعداد میں اختلاف رکھتے ہیں۔ متعدد کم مشہور آگم ابھی تک انگریزی میں ترجمہ نہیں کیے گئے۔

جین فرقے

80ء عیسوی کے لگ بھگ جین اس مسئلے پر وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہے تھے کہ جین مت کا حقیقی مفہوم کیا تھا۔ اور وہ دو فرقوں میں بٹ گئے جو آج بھی قائم ہیں۔ جینی تعلیمات کی وضاحت میں نسبتاً زیادہ غیر جانبدار نقطہ نظر کا حامل فرقہ شویتامبر (سفید لباس) ہے۔ آج یہ گروہ مرکزی طور پر ہندوستان کے شمالی حصے میں آباد ہے۔ وہ کپڑے پہن کر مہاویر کی تعلیمات کی اپنی وضاحت میں زیادہ آزاد رو ہیں اور "سفید لباس" کہلاتے ہیں کیونکہ وہ برہنگی کی ضرورت کو مسترد کرتے اور اپنے سنیاسیوں کو سفید لباس پہننے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ مذہب اور آشرم میں عورتوں کے داخلے کی بھی اجازت دیتے ہیں اور عورت کے نروان پالینے کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ دونوں فرقوں میں سے شویتامبر زیادہ مقبول ہے۔

دوسرا فرقہ "دیگامبر" (آسمانی لباس) دونوں میں سے زیادہ انتہا پرست ہے اور اس کے ارکان مرکزی طور پر ہندوستان کے جنوبی علاقے میں آباد ہیں۔ دیگامبر قدیم نظریات سے منسلک ہیں اور اپنے سنیاسیوں سے تقریباً برہنہ ہونے کا تقاضا کرتے ہیں: مکمل برہنگی عظیم رتبے کے حامل افراد کے لیے مخصوص ہے۔ مزید برآں وہ یقین رکھتے ہیں کہ عورتوں کو مکتی پانے کا کوئی موقع حاصل نہیں ہے اور وہ مرد کے لیے سب سے بڑی تحریص ہیں۔ لهٰذا عورتوں کو آشرم اور معبد میں داخل ہونے سے منع کیا گیا۔ دیگامبر تو یہ بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ مہاویر نے شادی کی تھی۔

1473ء میں شویتامبر سے ایک تیسرا فرقہ گروہ کی حیثیت سے اُبھرا۔ یہ گروہ ستھانک واسی کے طور پر پہچانا جاتا ہے اور معبدوں اور بُتوں سے اپنی مخالفت کی بناء پر نمایاں ہے۔ یہ دیگر جین فرقوں سے اس لیے بھی مختلف ہے کہ یہ صرف 33 آگموں کو تسلیم کرتا ہے جبکہ دیگر چوراسی آگموں کے قائل ہیں۔

جدید جین مت

ہندو مت جین تعلیمات سے متاثر تھا اور اس کے ریاضت اور اہنسا کے عقائد کو

ہندوستانی مذہب کے ایک باقاعدہ حصے کے طور پر قبول کرلیا گیا۔ اگرچہ کسی وقت جین مت اور اس کی مرتاضانہ تحریک ہندوستان میں بہت مقبول تھی، تاہم آج اسے ہندومت کا ایک اقلیتی فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ اپنی حقیقی صورت میں ہندوستان کے بمبئیٰ خطہ میں بیس لاکھ افراد سے بھی کم تعداد میں نظر آتا ہے۔

زندگی کی تقدیس سے گہری وابستگی کی بناء پر جینیوں کو مخصوص پیشوں میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ کوئی جینی کسی ایسے شعبے سے وابستہ نہیں ہوسکتا جو زندگی کو تلف کر کے منافع لیتا ہو۔ مثال کے طور پر وہ سپاہی، قصاب، چمڑا مزدور اور یہاں تک کہ کسان بھی نہیں ہوسکتے کیونکہ کسان باقاعدگی سے ہل چلاتا ہے اور مٹی میں بسنے والے کیڑے مکوڑوں کی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔ ان ممانعتوں کی وجہ سے جینی کاروباری پیشے اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ ایمانداری اور اخلاقی کردار کے ساتھ اس حقیقت نے جینیوں کو بہترین کاروباری افراد بنا دیا۔ یہ متناقض صورتحال ہے کہ تپسیا اور غربت کے ارادے سے شروع ہونے والا فرقہ اپنے زندگی کے احترام کی وجہ سے ہندوستان کے امیر ترین گروہوں میں شامل ہوگیا۔

اگرچہ جین مت کو دیوتاؤں کی ضرورت نہیں ہے مگر وہ چوبیس تیر تھنکروں کا احترام کرتے ہیں۔ جین پیروکار ان کی پرستش کے لیے ہندوستان میں چالیس ہزار معبد قائم کرچکے ہیں۔ ان معبدوں میں سے اکثر اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہیں، اور کوہ ابو (Mount Abu) پر قائم ایک معبد کو ہندوستان کے سات عجوبوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

معبدوں میں تیر تھنکروں کے علاوہ جین پوجا، گھر کے اندر کئی ایک رسومات پر مشتمل ہے۔ یہ پُوجا مُنجوں کے نام دہرانے اور ان کو پھول اور خوشبویات نذر کرنے پر مشتمل ہوتی ہے۔ پرستش میں جینی بھجن، دعائیں اور منتر پڑھنا بھی شامل ہوتا ہے۔ اکثر جین اپنی پرستش میں مراقبہ اور قسمیں نبھانے کو بھی شامل کرتے ہیں۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Frost, S.E., ed. *The Sacred Writings of the World's Great Religions*. New York: McGraw-Hill, 1972.

2) Jaini, Jagmanderlal. *Outlines of Jainism*. Cambridge: Cambridge University Press, 1916.

3) Stevenson, Margaret. *The Heart of Jainism*. London: Oxford University Press, 1915.

◐ ◐ ◐

دسواں باب

بدھ مت

کوئی انسان کسی چیز سے پیار نہ کرے: محبوب چیز کا کھو جانا باعث دکھ ہے۔ جو لوگ کسی چیز سے محبت یا نفرت نہیں کرتے وہ بندھنوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ (دھمپد' 211)

بدھ مت کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندو مذہبی نظام کی ایک اور وضاحت کے طور پر ہوا۔ بلاشبہ کئی صدیوں تک اسے ہندوستان میں وسیع پذیرائی حاصل ہوئی۔ تاہم تیسری صدی قبل مسیح میں اس نے ہندو مت کی کسی بھی صورت کے لیے کچھ غیر معمولی چیز کو ترقی دی: یعنی تبلیغی سرگرمی۔ ہندوستان کے حکمرانوں نے بُدھ مبلغین کو ہمسایہ ایشیائی ممالک میں بھیجا۔ اسی دوران بدھ مت میں نئے نظریات فروغ پا رہے تھے جو ایشیائی لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ پُرکشش بن گئے۔ تبلیغی سرگرمی اور نئے نظریات کے امتزاج کی وجہ سے اسے چین' جاپان' کوریا اور چینی ہند میں تیزی سے ترقی حاصل ہوئی۔ جب بدھ مت بیرونی تبلیغ میں کامیاب ہو رہا تھا تو اسے ہندوستان میں ہندو مت کے دوبارہ ابھرنے کی وجہ سے ایک طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان فاتحین نے وہاں بدھ مت کے آخری آثار کو بھی تہس نہس کر دیا اور آج اس کے پیروکاروں کو ڈھونڈنے کے لیے دیگر ایشیائی اقوام کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

گوتم کی پیدائش

ہندوستان میں 2600 سال قبل سلطنت مگدھ کا بول بالا تھا اور یہ سلطنت آج کل کے جنوبی بہار میں--- گنگا کے جنوب میں ندی شوما تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دارالحکومت راج گریہہ تھا۔ اس کے شمال میں طاقتور لچھویوں کا جمہوری راج تھا۔ لچھویوں کا دارالحکومت ویشالی گنگا کے شمال میں تھا۔

آج کا مشرقی بہار اس وقت انگا علاقے کے نام سے مشہور تھا۔ گنگا کے شمال اور مغربی کناروں پر کوشلوں کا راج تھا۔ اس کا پرانا دارالحکومت ایودھیا اجڑ چکا تھا اور نئے دارالحکومت شراوستی میں زندگی بڑے عروج پر تھی۔ جنوب کی طرف کاشیوں کا پرانا راج تھا جو اس وقت شراوستی کے راجاؤں کے ماتحت تھا۔ کوشل راج کے مشرق کی طرف روہنی ندی کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے دو خودمختار قومیں رہ رہی تھیں۔ ان میں ایک "شاکیہ" اور دوسری "کولی" ذات تھی۔ ان ذاتوں کی خودمختاری ان کی طاقت کی بنیاد پر نہیں بلکہ مگدھوں اور لچھویوں کے ساتھ امن و آشتی کے معاہدے کی بنیاد پر تھی۔ شاکیوں کا دارالحکومت "کپل وستو" تھا۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں' اس وقت شاکیوں پر مہاراج شدھودھن حکمرانی کر رہے تھے۔ مگدھ کی گدی مشہور شہنشاہ بمب سار اور کوشلیوں کی گدی مہاراجہ پرسین جیت کے پاس تھی۔ شاکیوں اور کولی سرداروں کا باہمی میل جول اور رشتے داری تھی۔ مہاراجہ شدھودھن نے کولی مہاراج کی دو لڑکیوں سے بیاہ کیا تھا۔

بیاہ کے کافی عرصہ بعد ان دونوں میں سے بڑی بہن حاملہ ہوئی۔ زچگی سے کچھ وقت پہلے اس وقت کے رواج کے مطابق اسے باپ کے گھر بھیجا گیا لیکن راستے میں ہی لمبنی نام کے جنگل میں اس کا بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹے کے ساتھ رانی باپ کے گھر پہنچی اور ساتویں دن مر گئی۔ اس کی موت کے بعد چھوٹی بہن نے بچے کو پالا۔ یہی بچہ بعد میں عظیم بدھ مشہور ہوا۔

اس کا نام سدھارتھ رکھا گیا' لیکن اس کے برج کا نام گوتم تھا۔ شاکیوں کا جانشین ہونے کی وجہ سے اسے شاکیہ سنہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے مہان علم و عرفان حاصل کیا

18 برس کی عمر میں اس نے یشودھرا سے بیاہ سوئمبر رواج سے کیا جو اس کی ماں ہی کے گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس خوبصورت راجکماری کے ساتھ 10 برس تک وہ سب طرح کی دنیاوی آسائشوں کا مزا لیتا رہا۔ بالآخر بیٹا پیدا ہونے کے دن اس نے گھر چھوڑ دیا اور دنیا کے دکھوں سے دور رہنے کے لیے کھوج میں نکل پڑا۔

وہ متواتر انسانی ذات کے گناہ اور دکھوں پر گہرائی اور سنجیدگی کے ساتھ سوچتا رہتا تھا۔ اس نے دولت اور دھونس کی لغویت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ قوت اور دولت سے الگ رہ کر وہ کوئی ایسی چیز حاصل کرنے کی کھوج میں تھا جو دولت اور نہ ہی قوت سے مل سکتی تھی۔ راج محل میں آسائشوں اور عیش کی زندگی میں بھی اس کے دل میں صرف انسان کے دکھ دور کرنے کی خواہش تھی اور وہ آرزو ایک زوردار اور ناگزیر تمنا بن کر اٹھی۔ اس نے ایک بیمار انسان کو دیکھا اور محسوس کیا کہ ہر ایک انسان اسی طرح بیمار ہو سکتا ہے۔ اس نے ایک سنیاسی کو دیکھا اور اسے خواہش ہوئی کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر زاہد بن جائے۔

پھر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹا پیدا ہونے کی خبر جب اسے ملی تو وہ ایک ندی کے کنارے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ خبر سنتے ہی اس نے کہا: یہ ایک اور نیا مضبوط بندھن بنا ہے' جسے اب توڑنا ہی پڑے گا۔

جس وقت راج کے جانشین کی پیدائش کی وجہ سے خوشی اور جوش و خروش کی صدا سے کپل وستو گونج رہا تھا' گوتم شہر کو لوٹا۔ وہاں چاروں طرف سے اس پر مبارک باد کی بوچھاڑ ہو گئی۔ ایک نوجوان نے اس سے کہا کہ یہ تمہارا سب سے بڑا سکھ ہے۔

اسی رات کو گوتم نے اپنی بیوی کو خواب گاہ میں جا کر دیکھا۔ خوشبودار چراغوں سے کمرا جگمگا رہا تھا۔ اس کی بیوی چاروں طرف پھولوں سے گھری ہوئی سکون کی نیند سو رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ بچے کے کومل چہرے پر تھا۔ یہ بڑے سکھ اور خوشی کا منظر تھا۔ اس کے من میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان تمام دنیاوی آسائشوں کو چھوڑنے سے پہلے ایک بار اپنے بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کرے' لیکن وہ ایک دم رک گیا کہ کہیں بچے کی ماں جاگ نہ اٹھے اور اس کی گزارشیں اس کے دل کو ہلا دیں اور اس کے مقصد میں رکاوٹ پڑے۔ یہی سوچ کر وہ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گیا۔ ایک ہی لمحے میں اس

نے اپنے اختیار' آسائش' اونچی رسموں' راجکمار بننے کے خیال' جوان بیوی اور اس کی گود میں سوئے ہوئے بچے کی طرف امڈے پیار کو تیاگ دیا۔ وہ عظیم تارک الدنیا' ایک مفلس طالب علم اور بے گھر سالک کی طرح نکل پڑا' اس کا وفادار نوکر چنن اس کے ساتھ تھا۔ گوتم نے اسے بھی واپس بھیج دیا اور اکیلا ہی راج گریہہ کی طرف چل دیا۔

راج گریہہ بڑی بڑی گھاٹیوں کے بیچ پانچ پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ بہت سے سادھو اور سنیاسی ان پہاڑیوں کی غاروں میں رہتے تھے اور وہ مراقبہ اور وہ مطالعہ کرنے کی وجہ سے بہت مشہور ہو گئے تھے۔ گوتم الارنامی سنیاسی کے پاس کچھ دن رہا اور پھر ادرک سنیاسی کے پاس رہ کر اس نے ہندو درشن شاستر (علم فلسفہ) سیکھا لیکن اس کو اطمینان نہ ہوا۔

گوتم یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا ریاضت کرنے سے شکتی دیوی (طاقت) اور علم (گیان) حاصل ہو سکتا ہے؟ اربلا کے جنگلوں میں جو موجودہ "بودھ" گیا کے نزدیک تھا' گیا اور پانچ ساتھیوں کے ساتھ چھ سال تک زبردست ریاضت کی اور بڑی تکالیف برداشت کیں۔ اس سے ہر جگہ اس کی شہرت ہوئی۔ لیکن گوتم جس چیز کی کھوج میں تھا' وہ اسے نہ ملی۔ ایک دن بہت زیادہ کمزوری کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اس کے شاگردوں نے سمجھا کہ وہ مر گیا۔ لیکن جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے سوچا کہ یہ ریاضتیں بے کار ہیں اور انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے شاگردوں نے اس پر نفرت کا اظہار کیا اور اسے چھوڑ کر بنارس چلے گئے۔

اب گوتم اکیلا نرنجرا ندی کے کنارے پر سیر کرنے لگا۔ ان دنوں ایک کسان کی لڑکی سجاتا صبح کے وقت ہر روز اسے کھانا دینے آتی تھی اور وہ مشہور بودھی درخت کے نیچے بیٹھ کر غور کرتا رہتا تھا۔ وہ بہت دیر تک خیالوں میں کھویا رہتا۔ ماضی کی زندگی کی منظر اس کے سامنے آتے رہے۔ حواس کے ہوس نے اسے للچایا۔ جو علم اس نے اب تک حاصل کیا تھا' وہ اسے بے فائدہ سا معلوم ہوا اور جو ریاضتیں اس نے کی تھیں وہ بے کار معلوم ہوئیں۔ وہ عرصہ دراز تک ان موضوعات پر سوچتا رہا۔ آخر میں اس کے سب شک دور ہوئے اور سچ کی روشنی اس کی آنکھوں کے سامنے چمکنے لگی۔ یہ وہ سچ تھا کہ جسے کسی علم اور نہ کسی ریاضت سے سیکھا جا سکتا۔ اس نے کوئی نیا عنصر جانا اور

نہ کوئی نیا علم حاصل کیا۔ اس کی رحم دلی اور اعمال نے یہ بتایا کہ پاک زندگی' پیار اور مہربانی کا جذبہ سب سے بہتر راستہ ہے۔

گوتم اپنے شاگردوں کو یہ نیا سچ بتانے کے لیے کاشی گیا۔ راستے میں اس کو اپک نام کا شخص ملا جو زندگی بھر یوگیوں کے ساتھ رہا تھا۔ اس نے گوتم کو سنجیدہ اور پرسکون دیکھ کر پوچھا: کہو تم نے کس خیال سے دنیا چھوڑی ہے' تمہارا نظریہ کیا ہے' تمہارے گرد کون ہیں؟ گوتم نے کہا' "میرا کوئی گرو نہیں۔ میں نے سب خواہشات ختم کردی ہیں۔ میں نے حواس پر فتح حاصل کی' مجھے مہان علم ملا' میں نے نروان حاصل کیا' میں دنیا میں لافانی عنصر کا پرچار کرنے کاشی جارہا ہوں۔"

شام کے وقت گوتم نے بنارس میں قدم رکھا۔ وہاں اسے اپنے پرانے شاگرد ملے اور انہیں اس نے اپنا نیا نظریہ بتلایا۔ اس نے کہا' "اے میرے شاگردو! جنہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے' انہیں یہ دو باتیں کبھی نہیں کرنی چاہئیں: 1۔ ایسی باتیں جن سے من میں بے چینی پیدا ہوتی ہو۔ 2۔ ایسی ریاضتیں جو صرف تکلیف دینے والی ہیں اور جن سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان دونوں باتوں کو چھوڑ کر بیچ کا راستہ استعمال کرو جس کو "بدھ" نے عیاں کیا ہے۔ اس سے من کو سکون' مکمل خوشی اور نروان حاصل ہوتا ہے۔"

تب اس نے دکھ' دکھ کی وجہ اور دکھوں کو ختم کرنے کے متعلق باتیں بتائیں۔ پھر اس نے اپنی مشہور 8 تعلیمات دیں جو یہ ہیں:

(1) سچا یقین (2) سچا مقصد (3) سچا بیان (4) سچا کام (5) سچی زندگی (6) سچی محنت (7) سچی حالت من (8) سچا دھیان۔

اس نے کاشی کے اگ نام کے مٹھ (خانقاہ Monastery) میں بیٹھ کر سچے راج کے اس مرکزی پہیئے کو چلا دیا۔ پانچوں شاگردوں نے اس کے دھرم کو مان لیا اور وہ اس کے سب سے پہلے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد کاشی کے مشہور سیٹھ کا بیٹا یش اس کا گرہست شاگرد ہوا۔ اس کے تین محل سردی' گرمی اور موسم برسات کے لیے الگ تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ گوتم نے اسے دیکھا۔ وہ ادھر ادھر گھوم کر ہوا خوری کر رہا تھا۔ اس نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا' "کاش! کیا دکھ اور کیسی تکلیف ہے!!"

گوتم نے اس سے کہا: اے یش! یہاں آکر بیٹھو۔ میں تمہیں سچ کا راستہ سکھاؤں

گا۔ جب لیش کے ماں باپ اور بیوی نے بھی اِس سچائی کو سنا تو وہ بھی بدھ کے مرید ہو گئے۔

کاشی میں پانچ مہینے کے اندر گوتم نے 60 شاگرد بنائے اور انھیں فقط انسان کو مکتی کا راستہ بتانے کے لیے مختلف سمتوں میں بھیج دیا اور کہا' "اے بھکشوؤ! اب تم جاؤ۔ دوسروں کے فائدے کے لیے اور دوسروں کی بھلائی کے لیے سیاحت کرو۔ اس نظریہ کا پرچار کرو جو ابتداء میں افضل ہے اور آخر میں بھی افضل ہے۔" گوتم کے ان پیروکاروں نے گرو کی مقدس ہدایت پر عمل کیا۔ گوتم خود "گیا" کو گیا اور لیش کاشی میں رہا۔ کاشیوں کے مذہب سے گیا میں بڑی بھاری ہلچل پیدا ہو گئی اور جلد ہی گوتم کے ایک ہزار مرید بن گئے۔ پھر وہ ان سب کو لے کر راج گریہہ کی طرف گیا۔

یہ مشہور شخص جو پورے بھارت میں عزت و احترام سے دیکھا جانے والا تھا جب ہاتھ میں کشکول لیے گاؤں اور راستوں میں بنا کچھ گزارش کیے نیچی نظر کیے ہوئے چپ چاپ کھڑا ہو جاتا تو لوگ کھانے کا ایک لقمہ کشکول میں ڈالتے' اور گیارہ لقمے کھانا لے کر وہ اسی طرح نظریں جھکائے اپنی جگہ کو لوٹ جاتا۔ وہ عورت اور مردوں کو برابر سمجھ کر تعلیم دیتا۔ اس زمانے میں عورتیں مردوں کی دانشورانہ سرگرمیوں میں شامل تھیں اور وہ اہم موضوعات پر رائے دینے کی حقدار مانی گئی تھیں۔

جب گوتم کی شہرت اس کے آبائی علاقے تک پہنچی تو ضعیف باپ نے اسے ایک بار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ گوتم نگر کے باہر ایک کنج میں ٹھہر گیا۔ اس کا باپ اور رشتے دار اس سے ملنے وہاں گئے اور دوسرے دن گوتم شہر کے اندر آیا۔ جب یشودھرا نے اپنے خوبصورت راجکمار مالک کو سر منڈائے' زرد کپڑے پہنے ہوئے سنیاسی کے روپ میں آتے دیکھا تو اپنے آپ کو نہ سنبھال سکی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ پھر اس نے ہوش میں آ کر جلد ہی سمجھ لیا کہ وہ اس کا شوہر اور راجکمار نہیں ہے۔ اب دونوں کے بیچ میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے بدھ کے نئے افکار کو سنا۔

یشودھرا نے بدھ سے کہا کہ وہ بھکشنیوں کی بھی ایک مذہبی جماعت قائم کرے۔ بدھ نے ایسا ہی کیا اور یشودھرا سب سے پہلی بھکشنی ہوئی۔ اس کے بعد گوتم کا بیٹا

راہول بھی بدھ مت کا پیروکار بن گیا۔ اس سے گوتم کے ضعیف باپ کو بڑا شدید دکھ ہوا اور اس نے گوتم سے شکایت کی۔ تب سے بدھ نے یہ قانون بنایا کہ کوئی بھی لڑکا ماں باپ کی اجازت کے بغیر بھکشو نہیں بنایا جائے گا۔

جب بدھ راج گریہہ لوٹ رہا تھا تب وہ ملوں کے نگر انوپیا میں ٹھہرا اور کولی شاکیہ خاندان کے بہت سے آدمیوں کو اپنا مرید بنایا۔ شاکیہ خاندان کا لڑکا انرودھ اپنی ماں کے پاس گیا اور بھکشو ہونے کی اجازت مانگی۔ اس کی ماں نے کہا' اگر شاکیوں کا راجا بھدریہ دنیا تیاگ کر بھکشو ہو جائے تو تم بھی بھکشو ہو جانا۔ تب انرودھ بھدریہ کے پاس گیا اور ان دونوں نے اسی ہفتے میں بدھ مت کو اختیار کر کے بھکشو ہونے کا ارادہ کر لیا۔

اس طرح شاکیہ' راجا' بھدریہ' انرودھ' آنند' بھرگو' کویل اور دیودت سب ایک ساتھ اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ ان کے ساتھ مشہور حجام اپالی بھی تھا۔ شہر سے باہر جا کر انہوں نے اپنے کپڑے اور زیورات اتار کر اپالی حجام کے حوالے کیے اور اسے کہا کہ اب تم گھر کو لوٹ جاؤ۔ یہ چیزیں تمہارے لیے بہت ہیں۔ لیکن اپالی اور طرح کا آدمی تھا' اس نے لوٹنے سے انکار کیا۔ یہ سب لوگ بدھ کے پاس گئے اور بھکشو بن گئے۔ ان سات آدمیوں میں سے آگے جا کر کئی ایک بہت مشہور ہوئے۔

آنند گوتم کا بہت قریبی اور پیارا مرید تھا۔ اس نے گوتم کی موت کے بعد راج گریہہ میں 500 بھکشوؤں کی ایک بہت بڑی مجلس بلائی جس میں بدھ کے سب افکار اور تمام اقوال کو پھر سے دہرایا اور مرتب کیا گیا۔ اپالی اگرچہ حجام تھا لیکن وہ بھی بڑا مشہور ہوا۔ بدھ مت کے گرنتھوں میں اس کے جملے مستند مانے جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بدھ نے جو بھکشو جماعت شروع کی تھی' اس میں ذات پات کا فرق بالکل نہیں رکھا گیا تھا۔

انرودھ دھرم پٹک (مذہبی کتاب) کا سب سے بڑا استاد ہوا۔ دیوت کچھ وقت بعد گوتم کا مخالف اور دشمن بن گیا۔ اس نے مگدھ کے راج کنور اجات شترو کو اپنے ہی باپ بمب سار کو مار ڈالنے پر اکسایا اور گوتم کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی۔

دوسرا موسم برسات بھی گوتم نے راج گریہہ میں گزارا۔ اس کے بعد وہ کوشلوں کے دارالحکومت شراوستی گیا' جہاں کے راجا پرسین جیت نے اپنا کنج اس کے ٹھہرنے کو

دیا۔ بدھ وہاں ٹھہر کر وہاں کے لوگوں کو تعلیم دیتا رہا۔ تیسرے سال بھی وہ راج گریہہ میں ہی ٹھہرا۔ چوتھے سال گنگا پار کر کے ویشالی گیا اور وہاں ایک کنج میں ٹھہرا۔ روہنی ندی کے پانی کے متعلق کولیوں اور شاکیوں میں ایک جھگڑا چل رہا تھا۔ بدھ نے اس کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد وہ پھر کپل وستو گیا اور اپنے 67 سالہ باپ کی موت کے وقت اس کی خدمت میں لگا رہا۔ باپ کی موت کے بعد ماں اور یشودھرا خود مختار ہو گئیں اور انہوں نے بدھ مذہب کو اختیار کیا۔ اگرچہ بدھ نہیں چاہتا تھا کہ عورتوں کو بھکشنی بنایا جائے لیکن اس کی ماں نے اصرار کیا اور وہ ویشالی تک اس کے ساتھ گئی۔ آنند نے اس کی ماں کی حمایت کی اور کہا' "اے مالک! جب عورت گھر کو چھوڑ دے اور بدھوں کے نظریات کو مانے' تب کیا وجہ ہے کہ وہ اس مرتبے کو حاصل نہ کر سکے جس کو مرد حاصل کرتے ہیں۔" تب بدھ نے عورتوں کو بھی بھکشو بننے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد موسم برسات گزارنے کے لیے اپنے مذہب کی ابتداء کے چھٹے سال وہ راج گریہہ واپس آیا اور بمب سار کی رانی کشیما کو بدھ مذہب میں شامل کیا۔ 11ویں سال گوتم نے مشہور عالم بھاردواج کو بودھ بنایا۔

کاشی میں بھاردواج کے 500 ہل تھے اور وہ بڑا دولت مند کسان تھا۔ ایک دن جہاں اس کے نوکر غریبوں کو کھانا بانٹ رہے تھے اس نے جا کر دیکھا کہ گوتم بھیک کے لیے کھڑا ہے۔ اس نے گوتم کو دیکھ کر کہا' "اے بھکشو! میں جوتتا اور بوتا ہوں اور جوت بو کر کھاتا ہوں۔ تجھے بھی جوتنا اور بونا چاہیے اور جوت بو کر کھانا چاہیے۔" گوتم نے کہا' "اے براہمن! میں بھی جوتتا ہوں اور بوتا ہوں اور جوت بو کر کھاتا ہوں۔" بھاردواج نے کہا' "پھر بھی ہم لوگوں کو قابل احترام گوتم مصروف دکھائی نہیں دیتا۔"

گوتم نے جواب دیا' "مذہب میرا بیج' تپسیا بارش' علم ہل' اچھا برتاؤ اور محبت بیج لادنے والی گاڑی ہے اور وہ مجھے نروان (نجات' آزادی) تک لے جاتی ہے جہاں دکھ نہیں رہتا۔"

12 ویں سال اس نے اپنی زندگی میں سب سے بڑا سفر کیا۔ وہ متھلا (متھرا) کی طرف گیا اور بنارس سے ہو کر لوٹا۔ تب اس نے اپنے 28 سال کے بیٹے راہول کو تعلیم دی۔ اس کے دو سال بعد راہول نے بھکشو مذہب اختیار کیا۔

اپنا مذہب ظاہر کرنے کے 15 ویں سال پھر وہ کپل وستو گیا جہاں اس نے اپنے چچیرے بھائی مہانام سے مذہب پر بات چیت کی۔ وہ اس کے باپ شدھودھن کے جانشین بھدرک کی جگہ شاکیوں کا راجہ ہوا تھا۔

17 ویں سال اس نے شریمتی نام کی طوائف کی موت پر ایک درس دیا۔ 18 ویں سال اس نے ایک جولاہے کو حوصلہ دیا جس کا بیٹا کسی حادثے میں مر گیا تھا۔ 19 ویں برس اس نے ایک ہرن کو بچایا اور جو شکاری اس ہرن کو مارنا چاہتا تھا اسے بودھ بنایا۔ 20ویں سال میں اس نے چلیہ ون کے مشہور ڈاکو انگولی مل کو اپنا مرید بنایا۔ اس کے بعد بدھ 21 سال تک گنگا کی گھاٹیوں میں ہی گھومتا رہا اور دکھی غریب انسانوں کے گاؤں میں جا کر انہیں تعلیم دیتا رہا۔ چھوٹے' بڑے' غریب' امیر اس کے شاگرد بنے۔ اس کی پاکیزہ زندگی' ہمدردانہ سلوک اور پاکیزہ مذہب کی بہت شہرت ہوئی اور اس کے مرید بھی محترم مانے جانے لگے۔

اس کی موت سے پہلے کے واقعات مکمل روئیداد بدھ سوتروں میں ملتی ہے۔ اپنی آخری عمر میں گوتم' جب کہ اس کی عمر کے سب ساتھی اور شاگرد مر چکے تھے' ان کے بیٹوں اور پوتوں کو پاکیزہ قوانین کی تعلیم دیتا رہا۔ اس کا سب سے قریبی شاگرد آنند اس کے ساتھ ہی تھا۔ اب بمب سار اس کے خلاف نہ تھا۔ اس کا حریص اور ظالم بیٹا اجات شترو مگدھ کی گدی پر تخت نشین تھا۔ اگرچہ اجات شترو گوتم کا عقیدت مند اور مرید نہ تھا لیکن وہ اتنے بڑے مہاتما (گوتم) کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتا تھا۔

اس وقت جب کہ گوتم گردھر کوٹ کے نزدیک رہتا تھا' پاٹلی پتر اور امبلٹکا وغیرہ گاؤں میں سیر کیا کرتا تھا۔ پاٹلی اس وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن مگدھ کا وزیر اعظم سنیت وجینیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے وہاں ایک قلعہ بنا رہا تھا۔ بعد میں مشہور موریا بادشاہ چندر گپت نے اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ گوتم نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ یہ نگر مستقبل میں بہت مشہور ہوگا۔

ایک بار اجات شترو نے گوتم کو دعوت دے کر اسے میٹھی روٹیاں کھلائی تھیں۔ وہاں سے وہ کوٹ گرام (گرام یعنی گاؤں) اور کوٹ گرام سے ناوک کو گیا اور وہاں ایک اینٹوں کی سرائے میں ٹھہرا۔ وہاں پر اس نے آنند کو وہ پر مغز تعلیم دی جس سے ہر

مرید جان سکتا ہے کہ اس نے نروان حاصل کیا ہے یا نہیں۔ اس علم کا خلاصہ یہ تھا اگر وہ من میں یہ فیصلہ کرلے کہ اسے بدھ پر یقین ہے' جماعت پر یقین ہے اور مذہب پر یقین ہے تو اس کی مکتی ہوگی۔ بدھ' مذہب اور جماعت بدھ مت کے تین خاص اعتقادات ہیں۔

گوتم ناوک سے ویشالی گیا جو گنگا کے شمالی کنارے پر طاقتور لچھویوں کا مشہور دارالحکومت تھا۔ وہاں امب پالی کے آم کے باغ میں ٹھہرا۔ امب پالی اس نگر کی ایک مشہور طوائف تھی۔ گوتم کی آمد سن کر وہ اس کے پاس گئی اور اگلے دن اپنے ہاں کھانا کھانے کی دعوت دی جو گوتم نے قبول کرلی۔ جب لچھویوں کے راجکماروں نے سنا کہ بدھ آیا ہے اور وہ امب پالکا کے باغ میں ٹھہرا ہے تب انہوں نے بہت سی خوبصورت گاڑیاں تیار کروائیں اور ان پر چڑھ کر بدھ کے پاس گئے اور اسی طرح کے زیور پہنے ہوئے تھے۔

امب پالی نے نوجوان لچھویوں کے پہئے سے پہیہ لگا کر' دھرے سے دھرا ملا کر اور جوئے سے جوا اڑا کر اپنا رتھ ہانکا۔ تب لچھوی راجکماروں نے پوچھا "اے امب پالی اس کی کیا وجہ ہے کہ تو ہمارے رتھ کے برابر ہانک رہی ہے۔" امب پالی نے جواب دیا' "اے میرے مالک! میں نے عظیم بدھ اور ان مریدوں کو کل کھانے کی دعوت دی ہے اور انہوں نے اسے قبول کرلیا ہے۔" تب انہوں نے کہا' "اے امب پالی! ہم لوگوں سے تو ایک لاکھ روپے لے لے اور یہ کھانا ہمیں کھلانے دے۔"

تب اس نے بتلایا' "اگر آپ یہ تمام ویشالی اور اس کے ماتحت راج مجھے دے دیں تو بھی میں یہ عزت و عظمت کی دعوت آپ کو نہ دوں گی۔" جب دوسرے دن گوتم اور اس کے شاگرد امب پالی کے یہاں کھانا کھانے گئے تو اس نے انہیں میٹھے چاول اور میٹھی روٹیاں کھلائیں۔ جب بدھ کھانا کھا چکے تو انہوں نے امب پالی کو درس دیا۔ بدھ کی نصیحت سن کر امب پالی نے اپنا وہ شاندار محل اور بہت سی جائیداد بدھ مذہب کے لیے وقف کردی اور خود بھکشنی ہوگئی۔

امب پالی کے باغ سے گوتم پاوا گیا۔ وہاں اپنی موت کو قریب آتے دیکھا تو آنند سے کہا' "میں بہت کمزور ہوگیا ہوں' اب میری موت کے دن نزدیک آگئے ہیں۔ اس

لیے اے آنندا تم خود اپنے لیے روشنی ہو اور اپنے محافظ ہو۔ میرے بعد تم کسی دوسرے بیرونی محافظ کی پناہ نہ لینا۔ سچائی پر مستحکم رہنا۔" گوتم نے ایک بار پھر اپنے شاگردوں کو اپنے مذہب کا جوہر بتایا اور انہیں اس پر کاربند رہنے کا حکم دیا۔

آخری بار وہ پھر ویشالی گیا اور وہاں سے بل گرام' ہست گرام' امب گرام' جمب گرام اور بھرگ گرام گیا اور وہاں سے پھرپاوا گیا۔ وہاں لوہار چیدی نے اسے کھانے کی دعوت دی اور اسے میٹھے چاول' میٹھی روٹیاں اور کچھ سوکھا سور کا گوشت کھلایا۔ گوتم نادار لوگوں کی چیزوں کا کبھی انکار نہیں کرتا تھا۔ سور کا گوشت اس کی خواہش کے منافی تھا لیکن بدھ نے اس کھانے کو بھی کھا لیا اور تبھی سے اسے اسہال کا روگ ہو گیا۔ موت کے وقت اسے بہت تکلیف ہوئی لیکن گوتم ضبط نفس رکھتا اور جانتا تھا کہ اس نے کیا کیا ہے' لہٰذا اس نے برداشت کیا۔ گوتم وہاں سے کوشی نگر پہنچا جو کپل وستو سے شمال میں تھا' اور وہاں اپنی موت کی تیاری کی۔

شام کو اس نے اپنے سب مریدوں کو اکٹھا کیا اور آرام سے سمجھایا کہ چیدی نے جو اسے کھانا دیا تھا اس کے لیے وہ قصوروار نہیں ہے۔ وہ تو اس نے پیار کے ساتھ دیا تھا۔ اس رات کو جب کہ گوتم بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا' علم فلسفہ کے عظیم پنڈت سبھدر اس سے کچھ سوال پوچھنے آیا' لیکن آنند اسے گوتم کے پاس نہیں جانے دیتا تھا۔ اسے خوف تھا کہ اب بات چیت سے اس مہاتما کو بہت تکلیف ہو گی لیکن گوتم اس متجسس کو بھی لوٹانا نہیں چاہتا تھا جو کہ کچھ جاننے کا خواہش مند تھا۔ گوتم نے اسے اپنے پاس بلایا اور بدھ مت کے بارے میں بتایا۔ سبھدر بہت خوش ہوا اور بدھ کا مرید بن گیا۔ اس کے کچھ ہی لمحے بعد اس عظیم انسان نے یہ درس دیتے ہوئے زندگی کو چھوڑ دیا' "تمام حاصل کردہ چیزوں کی تباہی و بربادی لازمی ہے۔ محنت کے ساتھ اپنی مکتی پانے کا جتن کرو۔"

کشی نگر میں وہاں کے حاکم ملوں نے گوتم کے جسم کو جلایا اور ہڈیوں کو اپنے قلعے میں حفاظت سے رکھا۔ وہاں پر 7 دن تک ناچ گانے کا جشن منایا گیا۔ مالاؤں اور خوشبوؤں سے اس کی تعظیم کی گئی۔

گوتم کی ہڈیوں کے 8 حصے کیے گئے۔ ایک حصہ مگدھ کے شہنشاہ اجات شترو نے پایا

اور اس پر راج گریہہ میں ایک عمارت بنوائی۔ ویشالی کے لچھویوں نے دوسرا حصہ پایا اور ویشالی میں اس پر ایک عمارت بنوائی گئی۔ اس طرح کپل وستو کے شاکیوں نے' الکمپا کے کولیوں نے' رام گرام کے کولیوں نے' پاوا کے ملوں نے اور کشی نگر کے ملوں اور برہمہ خاندان کے دیپک نے اس کا ایک ایک حصہ پایا اور ان سب نے عمارتیں بنوائیں۔

گوتم بدھ کے مذہبی اور فلسفیانہ نظریات

اس عظیم انسان نے 82 سال کی عمر تک جن نظریات اور طریقوں سے برہمن مذہب کے کٹرپن کو توڑا تھا' اس پر ہمیں سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔

دانشوروں کے لیے یہ کھوج اور مطالعہ کا موضوع ہے اور اس پر پوری طرح روشنی ڈالنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ یہاں ہم صرف خاص موضوعات کا تذکرہ کریں گے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس مذہب کا خلاصہ ایک طرح کی روحانی نشوونما اور تزکیہ نفس ہے۔ اس مسلک میں نظریہ اور یقین کی خوبیاں ہیں۔ اضطراب اور خواہشات کے بغیر پاکیزہ زندگی گزارنے سے انسانوں کے دکھ دور ہونے کی امید اور "نظریہ دکھ" ہی بدھ نظریہ ہے۔ یہ نظریات اس طرح ہیں:

1۔ دکھ: 2۔ دکھ کی وجہ' 3۔ دکھ کو روکنا' 4۔ دکھ روکنے کی تدبیر۔

1۔ دکھ بدھ مت میں دکھ کی اہم ترین شکل بڑھاپا بیماری اور موت ہے۔ پیدائش سے ہی یہ تینوں دکھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے پیدائش بھی دکھ میں شامل ہے۔ یہی دکھ ہے' اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ واضح ترین صداقت ہے' اس لیے ان کا نام "آریائی ست" رکھا ہے۔ بدھ نے کہا:

"بھکشوؤ! یہی دکھ ہے' یہ اولین سچائی ہے۔ پیدائش بھی دکھ' بیماری بھی دکھ' موت بھی دکھ اور موت بھی دکھ اور مرض بھی دکھ۔"

مہاتما بدھ کی دوسری بات یہ ہے کہ ان دکھوں کا کوئی سبب ضرور ہے۔ سبب نہ

ہو تا تو ان کی پیدائش ہی نہ ہو سکتی۔ چنانچہ دکھ کی وجہ بھی ایک اعلیٰ سچ ہے۔ تیسری بات ہے' دکھوں کو روکنا' یعنی نجات۔ چوتھی بات ہے' دکھوں سے چھٹکارے کے لیے راہ عمل۔ مذکورہ بالا باتوں سے واضح ہے کہ بدھ کا مذہب "نظریۂ دکھ" سے شروع ہوتا ہے۔ بدھ کے دکھ کے تجربے میں جو بیماری' پیدائش' مرض بتائے گئے ہیں' وہ آریہ نظریات کی بنیاد پر ہیں۔ آریہ چہارست نام سے بدھ نے اپنے مذہب کے 4 بنیادی نکات تخلیق کیے۔ یہ طریقہ علم یوگ' یا علاج شاستر سے لیا ہوا ہے۔

2۔ درمیانہ راستہ: بدھ کا دوسرا نظریہ "درمیانہ راستہ" ہے' یعنی کہ دو طے شدہ باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ "دنیاوی عیش و عشرت میں غرق ہو جانا" اور دوسری "کٹھن ریاضتوں سے روح کو ہلکان کر دینا۔" ان دونوں انتہائی طریقوں کو ترک کر کے نہ عیش و عشرت میں مکمل طور پر اور نہ ہی شب بیداری اور فاقوں سے روح کو تکلیف دینی چاہیے۔ معتدل رہنا ہی درمیانہ راستہ ہے۔

3۔ عارضی پن' دکھ اور بے روح ہونا: بدھ کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں نظر آنے والی چیزوں کو ناپائیدار اور "بنا روح" کہتا ہے۔ اس بارے میں اس کی تعلیمات اس طرح ہیں... بھکشو لوگوں کو مخاطب کر کے وہ کہتا ہے:

"بھکشوؤ! تم کیا سمجھتے ہو؟ روپ دائمی ہے یا فانی؟"

"مالک! وہ فانی ہے۔"

"اچھا جو فانی ہے' وہ دکھ دینے ولا ہے یا سکھ دینے والا؟"

"دکھ دینے والا!"

"اچھا جو فانی ہے اور دکھ ہے' جو فطرتاً ہی بدل جانے ولا ہے' اس کے متعلق کیا ایسا سوچنا صحیح طریقہ ہے کہ "یہ ہمارا ہے" "یہ ہم ہیں" اور "یہ ہماری روح ہے۔"

"نہیں مالک! ایسا سوچنا صحیح نہیں ہے۔"

"بھکشوؤ! روپ بے روح ہے' یعنی روپ روح نہیں ہے۔ روپ اگر روح ہوتا تو وہ دکھ کے لیے نہ ہوتا۔ لیکن اے بھکشوؤ! جس وجہ سے روپ روح نہیں ہے' اس وجہ سے وہ دکھ ہے۔ یہی عارضی پن' دکھ اور بے روح ہونے کا نظریہ ہے۔

4۔ نروان، تشنگی کی فنا: بدھ کا نظریہ ہے کہ خواہش یا تشنگی کا خیال مکمل طور پر ترک کرنے سے دکھ سے چھٹکارا ہوتا ہے اور اس تشنگی کو ختم کرنے کا نام "نروان" ہے۔ اس لیے نروان کا ایک نام "ترشنا کشیہ" (تشنگی کی فنا) اور دوسرا "انالیہ" ہے۔ "آلیہ" لفظ کا مطلب جنسی خواہش یا تشنگی ہے۔ انالیہ کہنے سے تشنگی کی فنا ہی سمجھنا چاہیے۔

ویدک ہون یگ اور ویدوں کی گواہی

بدھ نے تشدد کرنے والی ویدک قربانیوں کو ترک کیا اور ویدوں کی گواہی قبول نہیں کی۔ راجا مہاوجت کے یگ کا ذکر کرتے ہوئے بدھ نے کہا ہے:

"اے برہمنو! یگ میں گائے ہلاک نہیں ہوئی، بکرا ہلاک نہیں ہوا، بھیڑ ہلاک نہیں ہوئی، مرغ ہلاک نہیں ہوا، سور ہلاک نہیں ہوا۔ اس طرح جانداروں کا بھی قتل نہیں ہوا۔ اسی طرح لکڑی کے لیے درخت اور کش (مقدس گھاس) کو کاٹا نہیں گیا۔ اس جگہ پر غلاموں اور کام کرنے والوں کو سزا کے ذریعے ڈرایا نہیں گیا۔ یہی کیوں؟ ڈر بھی نہیں دیکھنا پڑا۔ وہ لوگ اشکبار ہو کر روتے روتے کام نہ کرتے تھے۔ جو ان کی خواہش ہوتی کرتے، جو خواہش نہ ہوتی، نہ کرتے۔ وہ یگ، گھی، تیل، مکھن اور دہی گڑ شہد کے ذریعے ہی مکمل ہوا تھا۔"

اس طرح بدھ نے ظالمانہ قربانیوں کی غیر افادیت اور غیر ظالمانہ قربانیوں کی افادیت کا ذکر کر کے بتدریج قربانی کا تذکرہ کیا ہے۔ آخر میں کہا ہے کہ غور و فکر، سادھی اور یگ (قربانی) ہی سب کی ضرورت اعلیٰ اور مفید ترین ہے۔

ناخدا پرستی

بدھ مت ناخدا پرست ہے۔ لیکن بدھ کے نظریات میں کہیں خدا کی مخالفت میں اشارہ تک نہیں ملتا۔ بدھ کے نظریہ ناخدا پرستی کا صرف یہی مطلب ہے کہ خدا کی پرستش نہ کر کے بھی نجات مل سکتی ہے۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ فلسفہ سانکھیہ کی بنیادوں سے ملتا جلتا نظریہ ہے۔

نظریۂ عمل (کرم)

نظریۂ عمل بدھ مت میں خاص اہمیت کا حامل ہے' جو یوں ہے:" عمل ہی ہماری بنیاد ہے۔ ہم عمل کا (یعنی عمل کے نتیجے کا) پھل ہیں۔ عمل ہی ہمارے جنم لینے کا سبب ہے' عمل ہی ہمارا دوست ہے' عمل ہی ہماری پناہ ہے۔ نیکی یا بدی' ہم جو عمل کریں گے' اسی کا پھل پائیں گے۔"

دوستی وغیرہ جیسے احساسات

سب جانداروں کو دوست کے برابر جاننا ہی جذبہ دوستی ہے۔ بدھ مت میں یہ جذبہ مشہور اور بہت خوبصورت ہے۔ اس کے علاوہ خوشی' غفلت اور رحم دلی وغیرہ کئی جذبات واحساسات ہیں۔ بدھ مت کا یہی نظریہ ہے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب نظریات آریہ کتابوں سے ہی ماخوذ ہیں اور حقیقت میں نظریۂ تشدد (ہنسا) کی ضد نظریہ عدم تشدد (اہنسا) سے ہی بدھ مذہب کی توسیع ہوئی۔

بدھ مت میں دکھ ختم کرنے کے آٹھ راستے یہ ہیں:

1۔ سچا اعتقاد' 2۔ سچی خواہش' 3۔ سچی بولی' 4۔ سچا برتاؤ' 5۔ زندگی گزارنے کی سچی تدبیریں' 6۔ سچی محنت' 7۔ سچا خیال' 8۔ سچا دھیان۔

زندگی کے آخری دن اس نے اپنے نظریات کو اس طرح گنوایا:

1۔ چاروں سچے دھیان' 2۔ گناہ کے خلاف 4 کوششیں' 3۔ مہاتما ہونے کے چار راستے' 4۔ پانچ مذہبی طاقتیں' 5۔ پانچ حواس' 6۔ سات طرح کی ذہانت' 7۔ آٹھ طرح کے اعلیٰ راستے۔

بدھ مت کی چار بنیادی صداقتیں جسم' علم' تفکر اور وجہ کے بارے میں ہیں۔ چاروں گناہوں کے خلاف جن کوششوں کا تذکرہ بدھ مت میں ہے' وہ گناہوں کو روکنے اور بھلائی کو بڑھانے سے متعلق ہیں۔ ان چاروں کوششوں سے یہ مطلب ہے کہ گناہ گار اپنی زندگی میں بہت بھلائی کرے اور بہت زیادہ سچا ہو۔ خواہش' مقصد' تیاری اور تحقیق مہاتما بننے کی چار شرطیں ہیں۔ انہیں مافوق البشر طاقتیں بھی کہا جاتا ہے' لیکن

گوتم کا مطمع نظر وہ طاقتیں تھیں جن کی بہت وقت تک متواتر مشق کرنے سے من جسم پر پورا اختیار حاصل کرلیتا ہے۔

علم خود شناسی کی پانچ طاقتیں یہ ہیں۔۔۔ یقین' جفا کشی' تفکر' دھیان اور عقل۔

سات طرح کی دانائی یہ ہے۔۔۔ طاقت' تفکر' دھیان' تحقیق' خوشی' آرام اور طمانیت۔

آٹھ طرح کے راستوں کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔

بدھ کا کہنا ہے کہ روح کی نشوونما سے انسان دس کے دس بندھنوں سے نجات پاتا ہے اور آخر میں اسے نروان (نجات' مکتی) حاصل ہوتا ہے۔

بدھ کہتا ہے' جس نے اپنا سفر ختم کرلیا' جس نے غم کو چھوڑ دیا' جس نے اپنے آپ کو سب طرف سے آزاد بنا لیا' جس نے اپنے سب بندھنوں کو توڑ ڈالا' اس کے لیے کوئی بھی دکھ نہیں' اس کے لیے کوئی بندھن نہیں ہے۔ وہ لوگ اپنے خیالات کو اطمینان کے ساتھ سمیٹ کر رخصت ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں سکھی نہیں رہتے۔ وہ لوگ اپنے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جو علم کے ذریعے آزاد ہو گیا' اس کے خیالات شانت ہیں۔ اس کے قول اور عمل شانت ہیں اور وہ سکون و اطمینان سے ہے۔

بدھ کا مقصد یہ ہے کہ دل کی یہ پاپی حالت' زندگی اور اس کی آسائش حاصل کرنے کی خواہش کے فنا ہونے سے ختم ہو جاتی ہے اور انسان ایسے ہو جاتا ہے کہ جیسے نیا جسم۔

نروان سے گوتم کا یہ مطلب ہے کہ وہ زندگی ہی میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا یقین تھا کہ اس نے نروان زندگی ہی میں حاصل کرلیا تھا اور وہ اس کیفیت کو نروان کہتا ہے کہ جس میں اس نے دل کی شانت حالت پائی' خواہشات اور اضطراب سے مکمل نجات حاصل کی اور معرفت کی حالت کو پالیا۔ بدھ مت میں موت کے بعد جنت و دوزخ نہیں ہے اور تری پٹک میں مسرت کی جن مخصوص کیفیات کا ذکر ہے' وہ موت کے بعد نہیں' بلکہ یہیں مکمل تیاگ کا جیون گزارنے سے مل جاتی ہیں۔

نظریۂ روح اور عمل

لیکن اب ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے نروان حاصل کر لیا ہے، ان کیلئے اس زندگی میں سوائے مذہبی زندگی گزارنے کے، مستقبل میں کیا کوئی اور نیا کام نہیں ہے؟ گوتم نے اس بارے میں مشتبہ جواب دیا ہے۔ وہ گھوم پھر کر یہی بات بتاتا ہے کہ بودھ کیلئے نروان کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ جنت اور وہی نجات ہے۔

ملوکیہ پتر نے گوتم سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کرنا چاہا اور یہ جاننے کی خواہش کی کہ کامل بدھ موت کے بعد زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ گوتم نے اسے جواب دیا: "اے ملوکیہ پتر! بھکشو ہونے کے وقت کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اگر تم میرے مرید بنو تو میں تمہیں اس بات کا جواب دوں گا؟" ملوکیہ پتر نے کہا، "یہ آپ نے نہیں کہا تھا؟" گوتم نے کہا، "تب اس سوال کے جواب کے لیے گزارش نہ کرو۔ اگر کسی کو زہریلا تیر لگ گیا ہو اور وہ یہ کہے کہ میں اپنے زخم کو تب تک اچھا نہیں ہونے دوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ مجھے مارنے والا براہمن، کشتری، ویش یا شودر ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مر جائے گا، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ موت کے بعد اس کا کیا ہوگا۔ اس لیے اے ملوکیہ پتر! جو کچھ میں نے ظاہر نہیں کیا، اسے چھپا رہنے دو اور جو کچھ میں نے ظاہر کیا ہے، اسے جانو۔"

ایک بار کوشلوں کے راجا پرسین جیت ساکیت شراوستی کے سفر میں کشیما بھکشنی سے ملے، جو اپنی عقل و معرفت کے لیے بہت مشہور تھی۔ راجا نے انتہائی احترام سے پوچھا: "اے دیوی! کیا کامل بودھ موت کے بعد زندہ رہتا ہے؟" اس نے جواب دیا، "بدھ نے یہ ظاہر نہیں کیا!"

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ گوتم نے نروان سے آگے کی دوسری باتوں کو ظاہر نہیں کیا، لیکن اس کا مقصد عیاں ہے۔ وہ انسان کو دکھوں سے بچانے کے لیے دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارنے اور بے دوش حالت میں رہنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسی کو نروان کہتا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی انسان نروان حاصل نہیں کر سکتا تو اس کا ضرور ایک اور جنم ہوگا۔ لیکن اس میں بھی ایک بہت اہم بات ہے۔ بدھ اگلے

جنم کو تو مانتا ہے لیکن روح کے نظریہ کو نہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ اگر روح ہی نہیں ہے تو پھر اگلا جنم کس کا ہوتا ہے؟ اس بارے میں عمل سے متعلق بدھ مذہب کے نظریات کچھ جواب دیتے ہیں۔ انسان کے اعمال فنا نہیں ہوسکتے اور اس کا مناسب پھل ضرور ہوتا ہے۔ جب کوئی زندہ انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کے مطابق ہی نئے انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔

بدھ مذہب کے مصنفین نے اگلے جنم کے سوال کو ایک دیئے کی لو سے تشبیہ دی ہے۔ جیسے ایک دیئے سے دوسرا دیا جلایا جاتا ہے۔ اگر کوئی بے گناہ انسان اس دنیا میں دکھ پاتا ہے تو وہ کہتا ہے' یہ میرے عمل کا پھل ہے۔ لیکن اگر روح نہیں ہے تو دکھ دینے والے انسان اور دکھ پانے والے انسان میں موازنہ کس بات کا؟ بدھ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ موازنہ تو اس میں رہتا ہے' جو انسان کے مرجانے اور جوہر کے گل جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے' یعنی اس کے ابدی اعمال' خیالات اور الفاظ میں۔

یہ تو طے ہے کہ بدھ نے اگلے جنم کو پرانے ہندو مذہب سے لے کر ایک نئے ڈھنگ سے اپنے مذہب میں شامل کیا ہے۔ اس نے اس وقت کے ہندو دیوتاؤں کو قبول کیا۔ اس نظریے کی جو خاص بات پاکیزہ زندگی تھی' اس کی بنیاد پر اس نے ان دیوتاؤں میں ردوبدل کیا۔ اس نے رگ وید کے تینوں دیوتاؤں کو مانا ہے' لیکن انہیں مختار کل نہیں مانا۔ وہ اپنشدوں کے مختار مطلق دیوتا برہما کو مانتا ہے' لیکن اس کو مختار نہیں قبول کرتا۔

نسب کے متعلق بدھ کے خیالات سب کے لیے قابل عزت ہیں۔ وہ برہمنوں کی عزت ایک بودھ بھکشو کی طرح کرتا ہے' لیکن ذہانت اور علم کے حوالے سے' نہ کہ نسب کے حوالے سے۔ وہ ذات کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔

ایک مرتبہ دو برہمن وشسٹ اور بھاردواج اس بات پر تکرار کرنے لگے کہ کوئی شخص برہمن کس بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہ اس بات کے فیصلے کے لیے گوتم کے پاس گئے۔ گوتم نے انہیں بتلایا کہ نسب کا فرق کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان کی خوبیاں اس کے عمل سے ہیں' نسب سے نہیں۔ اس نے بتلایا کہ مچھلیاں' چیونٹیاں' چوپائے' سانپ' گھوڑے' کیڑے مکوڑے' چڑیاں ان سب میں فرق ہے اور وہ اپنی اپنی خوبیوں کے

ذریعے جانے جاتے ہیں۔ انسان کی بھی ایک خوبی ہے اور وہ اس کا عمل ہے۔

اس وقت ان دونوں براہمنوں کو جو نصیحت بدھ نے دی' وہ بودھ گرنتھوں میں بڑی خوبصورتی سے اس طرح لکھی ہوئی ہے:

"جو انسان گائے رکھ کر زندگی گزر بسر کرتا ہے' وہ کسان کہلاتا ہے' براہمن نہیں۔ جو انسان دستکاری کا کام کرکے زندگی گزارتا ہے' وہ دستکار کہلاتا ہے' براہمن نہیں۔ جو انسان دوسرے کی خدمت کرکے زندگی گزارتا ہے' وہ خدمتگار ہے' براہمن نہیں۔ جو انسان چوری کرکے زندگی گزارتا ہے' وہ چور ہے' براہمن نہیں۔ جو انسان تیر کمان کی تربیت حاصل کرکے زندگی گزارتا ہے' وہ سپاہی ہے' براہمن نہیں۔ جو انسان گرہستی کے دستور کے مطابق زندگی گزارتے ہیں' وہ گرہست ہیں' براہمن نہیں۔"

ایک عالم براہمن اسلاین گوتم سے بحث کرنے آیا۔ وہ گوتم کے اس نظریہ پر اختلاف کرنے لگا کہ سب ذاتیں مساوی طور پر پاکیزہ ہیں۔ گوتم' جو ایک منطقی تھا' نے اس سے پوچھا' براہمنوں کی عورتوں کو دوسری ذات کی عورت کے برابر تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟" اسلاین نے کہا' "ہاں' ہوتی ہے۔" گوتم نے پوچھا "کیا آس پاس کے ملکوں کے لوگوں میں رنگ کا فرق نہیں ہوتا' پھر بھی ان ملکوں میں غلام مالک نہیں ہو سکتا اور مالک غلام نہیں ہو سکتا۔" اسلاین نے جواب دیا' "ہاں ہو سکتا ہے۔" گوتم نے پوچھا' "تب اگر براہمن قاتل' چور' جھوٹا' کلنک' حقیر' لالچی' باغی اور جھوٹے نظریہ کا پیروکار ہو' تو کیا وہ مرکر کسی دوسری ذات کی طرح دکھ اور تکلیف میں جنم نہیں لے گا؟" اسلاین نے یہ بھی مان لیا کہ اچھے برے اعمال کا صلہ تو انسان کو ذات کے حوالے کے بغیر ہی ملے گا۔

گوتم نے کہا' "اگر کسی گھوڑی کا کسی گدھے کے ساتھ ملاپ ہو جائے تو اسے کا بچہ ضرور خچر ہوگا' لیکن کشتریہ اور براہمن کے ملاپ سے جو اولاد ہوتی ہے' وہ اپنے ماں باپ ہی کی طرح ہوگی' اس لیے یہ ظاہر ہے کہ براہمن اور کشتریہ میں کوئی امتیاز نہیں۔" اس دلیل سے اسلاین لاجواب ہوگیا اور چپ چاپ' نظریں جھکائے ندامت کے ساتھ کچھ سوچتا رہا اور اسکے بعد گوتم کا معتقد ہوگیا۔

بودھ گرنتھوں میں اس کے درسوں کا بیان وضاحت سے کیا گیا ہے۔ وہ بتلاتا ہے:
"کہ اے شاگردو! جس طرح بڑی بڑی ندیاں' جیسے گنگا' جمنا' وغیرہ' سمندر میں پہنچتی ہیں تو اپنے پرانے نام کو چھوڑ کر صرف سمندر کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح براہمن' کشتریہ' ویش' شودر جب بھکشو ہو جاتے ہیں تو صرف بھکشو ہی رہ جاتے ہیں۔ ان میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔" بدھ نے بڑی سختی سے اس قانون کی پاسداری کی اور اپالی ایک حجام ہوتے ہوئے بھی بھکشو ہونے پر بڑا قابل ستائش اور محترم ہوا۔

تھیرگاتھا میں ایک کہانی لکھی ہوئی ہے' جس سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ مذہب ہندوستان میں نیچ ذات کے لوگوں کے لیے پناہ گاہ تھا اور لوگ ذات پات کی ناانصافیوں سے نبٹنے کے لیے بڑے جوش وولولے سے اسے اختیار کرتے تھے۔

بار بار بدھ نے یہ بتلایا ہے کہ "پاکیزہ حوصلہ وہمت' پاکیزہ زندگی اور ضبط نفس سے انسان براہمن ہو جاتا ہے۔ یہی سب سے اعلیٰ برہمہ کا مقام ہے۔ انسان اپنے گتھے ہوئے بالوں' خاندان یا جنم سے برہمہ نہیں ہو جاتا' لیکن جس میں راستی اور نیکی ہو' وہی براہمن ہے اور وہی قابل ستائش ہے۔"

ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بدھ مذہب عالم بالا کے لیے کوئی روشن انعام نہیں دیتا۔ بھلائی ہی اس کا انعام ہے۔ نیک زندگی ہی بودھوں کا آخری آدرش ہے۔ اس زمین پر نیکی اور شانتی ہی بودھوں کی جنت اور نروان ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ گوتم نے ہندوؤں کے دوبارہ جنم کے نظریات کو تبدیل کر کے کس لیے اختیار کیا۔ اگر اس زندگی میں نروان حاصل نہ ہو تو اس زندگی کے تیاگ اور اعمال کا پھل دوسرے جنموں میں نہیں ملے گا' اس لیے جب تک تعلیم پوری نہ ہو جائے' نروان حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ رگ وید میں مذکور دیوتاؤں کو بدھ نے قبول کیا۔-- وہ بتلاتا ہے کہ سب متنفس مختلف شکلوں میں بار بار جنم لے کر اس نروان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' جو سب کے لیے اہم ہے۔ لیکن اتنا ہونے پر بھی گوتم نے ہندو مذہب کے بہت سے نظریات اور رسم ورواج کو نہیں مانا۔ اس نے ذات پات کے فرق کو بالکل نکال دیا۔ ریاضت کشوں کو وہ فضول کہتا ہے' وید کے ضابطوں کو وہ بے معنی بتاتا ہے۔ ان تمام ضابطوں کی جگہ اس نے دیالو

(رحمدل) زندگی گزارنے، اضطراب اور خواہشات کو جیتنے کی راہ دکھائی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ اس دنیا کو چھوڑنا بتایا ہے۔ اس کی یہ نصیحت مان کر بدھ بھکشوؤں کا ایک کافی بڑا مذہبی فرقہ بن گیا۔ اس اعتبار بدھ مذہب کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ وہ اس دنیا ہی میں نروان حاصل کرنے کا کہتا ہے۔ وہ عالم بالا کے لیے کوئی بات نہیں کہتا۔ وہ انسانی فطرت کے سب سے زیادہ بے غرض خیالات و جذبات کو تیکھا کرتا ہے۔ وہ اپنی نیکی کو انعام سمجھتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مطمئن اور گناہ کے بغیر زندگی حاصل کرنے کے علاوہ انسان یا دیوتا میں کسی امتیاز کو نہیں جانتا، وہ نیکی اور شانتی کے علاوہ کسی نجات کو نہیں جانتا، وہ پاکیزگی کے علاوہ کسی جنت کے بارے میں نہیں بتاتا۔

اس طرح ہندو جس خیالی جنت کا خیال کرتے آئے، اسے بدھ نے یکسر نظرانداز کردیا۔ اس طور بدھ نے تاریخ عالم میں سب سے پہلے یہ عیاں کیا کہ ہر انسان اپنی زندگی میں خدا، دیوتا یا انسان کی مدد کے بغیر، خود ہی نجات حاصل کرسکتا ہے۔

اخلاق واطوار کے متعلق گوتم بدھ کے احکامات

بدھ نے جس پاکیزگی، تیاگ اور نیک چلنی کی بنیاد پر اپنے نظریات کا پرچار کیا اور جس کامیابی سے وہ عظیم گرو دنیا میں اتنی جلدی قابل ستائش بن گیا، اخلاق واطوار کے لیے اس کے احکامات کتنے عظیم تھے، اس بات پر نظر ڈالے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم ان میں سے کچھ احکامات کا تذکرہ کریں گے، جو حقیقت میں بدھ مذہب کی جان ہیں۔

گرہستوں کے بارے میں وہ کہتا ہے: "گرہستوں کا کام بھی میں تم سے کہوں گا کہ بدھ مت کا ماننے والا کس طرح خود شناسی کے لیے عمل کرے، کیونکہ بھکشوؤں کے پورے مذہب پر وہ لوگ عمل نہیں کرسکتے جو دنیاوی کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ اسے نہ کسی جاندار کو مارنا اور نہ ہی مروانا چاہیے۔ اگر دوسرے لوگ کسی جاندار کو ماریں، تو اسے اس کی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ اسے سب جانداروں کے، چاہے وہ طاقتور ہوں یا کمزور، مارنے کی مخالفت کرنا چاہیے۔ بدھ مت کے پیروکار کو وہ چیز کبھی نہیں لینی

چاہیے' جو دوسرے کی ہو اور اس کو نہ دی گئی ہو۔ ایسی چیز اسے دوسروں کو بھی نہیں لینے دینی چاہیے۔ اور جو لوگ ایسی چیز کو لیتے ہوں' ان کی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ اسے چوری کو چھوڑنا چاہیے۔ عقلمند انسان کو عیاشی کا تیاگ جلتے ہوئے کوئلے کی مانند کرنا چاہیے۔ اگر وہ نفس پر قابو نہ رکھ سکے تو دوسرے کی عورت کے ساتھ عیاشی نہیں کرنی چاہیے۔ کسی انسان کو مجلس انصاف یا کسی اور مجلس میں زیادہ نہ بولنا چاہیے۔ اسے دوسرے سے جھوٹ بلوانا چاہیے اور نہ جھوٹ بولنے والے کی تعریف کرنی چاہیے۔ اسے سب طرح سے جھوٹ کو ترک کرنا چاہیے۔ جو گرہست اس مذہب کو مانتا ہے' اسے نشہ آور چیزیں نہیں پینی چاہئیں' اور نہ دوسروں کو پلانی چاہئیں' اور جو پیتے ہیں انہیں سراہنا نہیں چاہیے۔ ایسا کرنا پاگل پن ہے۔"

یہ پانچوں احکام جو پنچ شیل کے نام سے مشہور ہیں' سب بدھ گرہستوں اور بھکشوؤں کے لیے ہیں۔ ان کا خلاصہ اس طرح ہے...

1۔ کوئی کسی جاندار کو نہ مارے' 2۔ جو چیز نہ دی گئی ہو' اسے نہ لے' 3۔ جھوٹ نہ بولنا چاہیے' 4۔ شراب یا نشے آور چیز نہیں پینی چاہیے' 5۔ بدکاری نہیں کرنی چاہیے۔

تین قانون اور دیئے گئے ہیں جو بہت ضروری مانے گئے ہیں لیکن وہ کٹر اور مذہبی گرہست کے لیے ہیں۔ وہ مختصراً یہ ہیں: 1۔ رات کو دیر سے کھانا نہیں کھانا چاہیے' 2۔ مالا نہیں پہننی چاہیے اور خوشبو نہیں لگانی چاہیے' 3۔ زمین پر سونا نہیں چاہیے۔

کٹر اور مذہبی گرہست کو ان آٹھوں احکام کی' جو کہ اشٹانگ شیل کے نام سے مشہور ہیں' تعمیل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ان آٹھوں قوانین کے علاوہ دو قانون اور بھی ہیں... ناچ' گانے اور سونے چاندی کو استعمال میں لانے پر پابندی۔ یہ دس کے دس احکامات (دس شیل) بھکشوؤں کے لیے اسی طرح ضروری ہیں' جیسے پنچ شیل گرہست کے لیے۔

اپنے ماں باپ کی عزت کرنا اور عزت دار کاروبار کرنا... اگرچہ یہ دو باتیں احکامات میں شمار نہیں ہیں لیکن سب گرہستوں کو ان کی تعمیل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

اسے عقیدت کے ساتھ اپنے ماں باپ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے اور کوئی عزت کا کاروبار کرنا چاہیے۔ گرہست مذہب کا بہت تفصیل کے ساتھ بیان مشہور سنگالوواد سوتر میں دیا گیا ہے' جسے شمالی اور جنوبی دونوں بدھ مانتے ہیں اور جس کا ترجمہ یورپ کی زبانوں میں کئی بار ہوا ہے۔ ان مذاہب سے ہندو سماج کی حالت اور ہندوؤں کی سماجی زندگی کے نصب العین کا اتنا واضح اور حقیقی علم ہوتا ہے کہ ہمیں اس کو جاننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

تعلقات کی اخلاقیات

1۔ ماں باپ اور لڑکے ماں باپ کو چاہیے کہ:۔

1۔ لڑکوں کو بدی سے بچائیں' 2۔ نیک کام کرنے کی تعلیم دیں' 3۔ انہیں دستکاری اور شاسترون (مذہبی کتابیں) کی تعلیم دلائیں' 4۔ ان کے اہل خاوند یا بیوی دیں اور 5۔ انہیں پدری اختیار دیں۔

لڑکوں کو چاہیے کہ

1۔ جنہوں نے میری پرورش کی ہے' ان کی میں پرورش کروں' 2۔ میں گرہستی کے ان دھرموں کی تعمیل کروں گا جو میرے لیے ضروری ہیں' 3۔ میں ان کی جائیداد کی حفاظت کروں گا' 4۔ میں اپنے آپ کو ان کا وارث ہونے کے لائق بناؤں گا اور 5۔ ان کی موت کے بعد میں عزت سے دھیان کروں گا۔

2۔ گرو اور مرید: مرید کو اپنے گروؤں کی عزت کرنی چاہیے:

1۔ ان کے سامنے اٹھ کر' 2۔ ان کی سیوا کرکے' 3۔ ان کے احکامات کی تعمیل کرکے' 4۔ انہیں ضروری چیزیں فراہم کرکے' 5۔ ان کے درس پر دھیان دے کر۔

گرو کو اپنے مریدوں پر اس طرح محبت دکھانی چاہیے:

1۔ انہیں سب اچھی عادتوں کا درس دے کر' 2۔ انہیں علم کی طرف راغب کرکے' 3۔ انہیں شاستر اور علم سکھا کر' 4۔ ان کے دوست اور ساتھیوں میں ان

کی تعریف کرکے۔

3۔ شوہراور بیوی خاوند کو اپنی بیوی کا اس طرح خیال کرنا چاہیے:
(1) اس کے ساتھ باعزت سلوک کرکے' (2) اس پر مہربانی کرکے' (3) اس کے ساتھ سچا رہ کر' (4) لوگوں میں اسے مان دے کر اور (5) اسے اس کے مطابق زیور اور کپڑے دے کر۔

بیوی کو اپنے خاوند پر اس طرح محبت دکھانی چاہیے:
(1) اپنے گھر کے لوگوں سے اچھا سلوک کرکے' (2) خاوند کے دوستوں اور رشتے داروں کی عزت کرکے' (3) عفیفہ یعنی محبت میں مخلص رہ کر' (4) گھر کا انتظام کفایت کے ساتھ کرکے اور (5) جو کام اسے کرنے پڑتے ہیں' ان کو سمجھداری اور لگن سے کرکے۔

4۔ دوست اور ساتھی سبھی انسانوں کو اپنے دوستوں سے اس طرح کا برتاؤ رکھنا چاہیے:
1۔ تحائف دے کر' 2۔ نرمی سے گفتگو کرکے' 3۔ ان کے فائدے مدنظر رکھ کر' 4۔ انہیں اپنے برابر سمجھ کر اور 5۔ ان کے ساتھ اپنی دولت خرچ کرکے۔

ساتھیوں کو اس کے ساتھ اس طرح محبت دکھانی چاہیے:
1۔ جب وہ بے خبر ہو تو اس کی نگرانی کرکے' 2۔ اگر وہ ناتجربہ کار ہو تو اس کی جائیداد کی حفاظت کرکے' 3۔ مصیبت کے وقت اسے پناہ دے کر' 4۔ اس کے دکھ درد بانٹ کر اور 5۔ اس کے خاندان کے ساتھ ہمدردی کرکے۔

5۔ مالک اور نوکر مالک کو اپنے نوکروں کو اس طرح سکھ دینا چاہیے:
1۔ انہیں ان کی استعداد کے مطابق کام دے کر' 2۔ اچھا کھانا اور تنخواہ دے کر' 3۔ بیماری کی حالت میں ان کے لیے جتن کرکے' 4۔ انہیں خاص اور بہتر چیزیں دے کر اور 5۔ انہیں کبھی کبھی رخصت دے کر۔

نوکروں کو اپنے مالک پر اس طرح عقیدت ظاہر کرنی چاہیے:

1- اس سے پہلے اٹھ کھڑے ہو کر' 2- اس کے سونے کے بعد سو کر' 3- جو کچھ دیا جائے' اس پر قانع رہ کر اور 4- اس کی تعریف کر کے۔

6- گرہست اور مذہبی لوگ معزز انسان بھکشوؤں اور عالم کی اس طرح خدمت کرے:

1- اپنے عمل میں محبت دکھا کر' 2- زبان و کلام میں محبت دکھا کر' 3- خیالات و احساسات میں محبت دکھا کر' 4- دل کے ساتھ آؤ بھگت کر کے اور 5- ان کی دنیاوی ضروریات کو پورا کر کے۔

ان لوگوں کو ان کے ساتھ اس طرح محبت دکھانی چاہیے:

1- گناہ روک کر' 2- نیکی کا درس دے کر' 3- ہمدردی دکھا کر' 4- مذہب کی تعلیم دے کر اور 5- اس کے خدشات و اندیشوں کو ختم کر کے اور مذہب کا رستہ بتا کر۔

اوپر بیان کردہ مناسب باتوں سے ہندوؤں کی گرہستی اور سماجی افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔ اپنے بچوں کو تعلیم' مذہبی تعلیم اور دنیاوی سہولتیں دینے کے لیے والدین کا جذبہ اشتیاق' اپنے ماں باپ کی پرورش کرنے' ان کی عزت کرنے اور موت کے بعد ان کو عزت کے ساتھ یاد کرنے اور بیٹے کی صحیح پرورش کرنے' مریدوں کا اپنے گرو کے ساتھ عاجزانہ رویہ اور گرو کی مرید کے لیے فکر اور شفقت' خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ عزت' مہربانی' مان اور محبت آمیز سلوک--- یہ وہ سب باتیں ہیں جو ہندو مذہب میں صدیوں سے چلی آئی ہیں۔ ہندو بیویوں کو اپنی گرہستی کے کاموں میں' جس کے لیے وہ سدا سے مشہور ہیں' دوستوں میں' مالک اور نوکر میں' گرہست اور مذہب میں جو ہمدردی کا جذبہ رکھنے کی نصیحت دی گئی ہے' سب کی سب وہ اعلیٰ تعلیمات ہیں جن کا ماخذ ہندو مذہب ہے۔ یہ وہ اعلیٰ روایات ہیں جنہیں ہندو مذہب نے ہزاروں سال تک یونہی قائم رہنے والا بتایا ہے۔ بدھ مت نے ان سب باتوں کو پرانے ہندو مذہب سے حاصل کیا اور مذہبی گرنتھوں میں محفوظ رکھا۔

چند مشہور تعلیمات

اب ہم فرائض کے بارے میں گوتم کی ان ہدایات کو چھوڑ کر ان احکامات اور کہاوتوں کو بیان کریں گے، جن کی وجہ سے بدھ مذہب نے دنیا میں شہرت پائی ہے۔ گوتم کا مذہب نیکی اور پریت کا مذہب ہے اور عیسیٰ مسیح کی پیدائش سے پانچ سو سال پہلے اس اعلیٰ ہندو آچاریہ (استاد، علامہ) نے یہ تعلیمات عیاں کی تھیں...

"نفرت کبھی نفرت کرنے سے ختم نہیں ہوتی۔ نفرت محبت سے ختم ہوتی ہے۔ یہی اس کی فطرت ہے۔ ہم لوگوں کو مسرور رہنا چاہیے اور ان لوگوں سے نفرت نہیں کرنی چاہیے، جو ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ جو لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں، ان کے بیچ میں ہمیں نفرت کے بغیر رہنا چاہیے۔"

"غرور کو محبت سے اور برائی کو بھلائی سے جیتنا چاہیے۔ حرص کو نرمی سے اور جھوٹ کو سچ سے جیتنا چاہیے۔"

صرف صبر اور رحم دلی ہی کی نہیں بلکہ نیکی اور بھلائی کے کاموں کی بھی تعلیم تم نے اپنے پیروکاروں کو دی۔ گناہ نہ کرنا، بھلائی کرنا، اپنے دل کو پاک کرنا، یہی بودھوں کی تعلیم ہے۔ بھلائی کرنے والا جب دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں جاتا ہے، تو وہاں اس کے اچھے اچھے کام اس کے رشتے دار اور دوستوں کی طرح استقبال کرتے ہیں۔

وہ انسان بڑا نہیں ہے جس کے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں، جس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے، بلکہ وہ بے کار کہلاتا ہے۔ وہ انسان جس میں راستی، نیکی، پیار و محبت، ضبط نفس، تقویٰ اور پاکیزگی ہے، وہی بڑا کہلانے کا اہل ہے۔

گوتم نے ماتنگ نام کے ایک چنڈال (ادنیٰ ذات کا آدمی) کی کہانی کہی ہے، جس نے اپنے اچھے اعمال کے ذریعے زبردست شہرت پائی۔ وہ دیوتاؤں کرسی پر بیٹھا اور برہما کے جہان میں چلا گیا۔ کوئی انسان نہ تو پیدائشی چنڈال ہوتا ہے اور نہ برہمن، صرف اعمال سے ہی وہ چنڈال اور برہمہ ہوتا ہے۔

سوتر نیپات کے آ گمندھ سوتر میں گوتم کشیپ برہمن سے کہتا ہے، "جاندار کو مارنا، تشدد کرنا، کاٹنا، باندھنا، چوری کرنا، جھوٹ بولنا، فریب کرنا، ظلم کرنا، گھمنڈ، بری

سوچ اور برا عمل' یہ سب ناپاک انسان کرتا ہے۔ مچھلی اور گوشت نہ کھانے سے' ننگا رہنے سے' سر منڈانے سے' گتھے ہوئے بال رکھنے سے' بھبوت لگانے سے' بھوکا رہنے سے' ہون کرنے سے' عبادت کرنے سے' بھجن گانے اور قربانی اور بھینٹ کرنے سے وہ پاکیزہ نہیں ہو سکتا۔"

سمت دھرم پد میں 423 نیک چلنی کے احکامات ہیں۔ بودھوں کی مذہبی کتابوں میں جو کہانیاں' حکایات' کہاوتیں' تشبیہات اور احکام ہیں' ان کو جمع کرنے سے ایک بڑی کتاب بن جائے۔ ان میں سے کچھ منتخب باتیں یوں ہیں:

سب انسان سزا سے ڈرتے ہیں' سب انسان موت سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ یاد رکھو' تم بھی انہی کے برابر ہو' اس لیے تشدد مت کرو اور نہ ہی دوسرے سے تشدد کراؤ۔ دوسروں کا قصور صاف نظر آتا ہے لیکن اپنا قصور نظر آنا مشکل ہے۔ انسان اپنے پڑوسی کے قصور کو منظر عام پر لاتا ہے' لیکن اپنی غلطی کو وہ اس طرح چھپاتا ہے جیسے فریب کرنے والے جواری اپنے فریب کو۔ یہ اعلیٰ تعلیم کا عروج کہلاتا ہے کہ اگر کوئی اپنے گناہوں کو گناہ کی طرح دیکھ کر ان کی اصلاح کرے اور مستقبل میں ان سے باز رہے۔ اس طرح جو انسان الگ الگ ہیں' انہیں وہ ایک کرتا ہے۔

بدھ مذہب میں عورتوں کا مقام

بدھ نے اگرچہ عورتوں کو اپنی جماعت میں جگہ دی تھی اور مردوں کی طرح عورتیں بھی بھکشنیاں بن سکتی تھیں لیکن حقیقت میں بدھ فرقے کا اصل مقصد عورتوں کو مردوں سے دور رکھنا ہی تھا کیونکہ بدھ مذہب میں تیاگ اور بیراگ کا ایک بڑا مقام ہے' حظ نفس کا نہیں۔ بدھ نے عورتوں کی مذمت تو نہیں کی لیکن ساتھ ساتھ صلاح دی کہ لوگ عورتوں کے خطرے سے بچے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو' عورتوں سے دور رہیں۔ اس کے خیال میں مثالی زندگی وہ ہے کہ عورتوں سے دور رہا جائے اور ممکن ہو تو کسی بھی حالت میں ان سے ملے بغیر زندگی گزاری جائے۔ عورتوں سے متعلق ایک بار بدھ نے اپنے خاص شاگرد آنند سے کہا تھا:

آنند نے کہا۔ "لیکن اگر انہیں دیکھنا پڑے تب؟"

بدھ ا "بہت خبردار رہو آنند۔"

پھر بھی بدھ نے اپنے عام پیروکاروں اور گرہستوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی عورتوں کو اپنا دوست سمجھو اور ان پر یقین رکھو۔ عام بھگتوں (متقیوں) کو یہ نصیحت کی کہ ماں باپ کی خدمت' بیوی اور بچوں کی صحبت اور پرسکون محنت ہی سب سے بڑی دعا ہے۔

بدھ مذہب میں جہاں میاں بیوی کے تعلق اور ان کے باہمی سلوک کے لیے بہت سے قواعد و قوانین کا ذکر کیا گیا ہے' وہاں بیوی کے لیے خاوند کے احکامات کی تعمیل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ شوہر کے لیے فرمان بہرحال ہے کہ وہ اپنی بیوی کے اعتبار کو ٹھیس نہ پہنچائے' اس کی عزت کریں اور اسے کپڑے اور زیور دیں۔ بیوی کو شوہر پرستی اور کفایت شعاری کی تعلیم دی ہے۔ عورت کو یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے گھریلو کاموں میں سمجھ داری دکھائے۔ لیکن اس کا سب سے بڑا نظریہ تو یہ ہے کہ غیر شادی شدہ زندگی ہی' زندگی کی سب سے بڑی نیکی ہے۔ ایک بار اس نے کہا کہ عقلمند انسان کو شادی شدہ زندگی سے ڈرنا چاہیے' یہ سمجھو کہ ایک آگ سے جلتی ہوئی کوئلے کی کان ہے۔ یہ بھی کہا کہ جو آدمی گھر میں رہتا ہے وہ بھلا خالص زندگی کیسے گزار سکتا ہے؟

ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ غیر شادی شدہ زندگی کو تو سب سے افضل سمجھتا ہی تھا' لیکن گرہستوں کے لیے بھی ایسے قانون بنائے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا دوست سمجھیں' ایک دوسرے کی عزت کریں اور ایک دوسرے کا یقین کریں۔ ماں کے لیے بدھ کا احترام بہت اونچا ہے۔ بودھ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح بھکشنیاں بناتے تھے اور بدھ مذہب کے مطابق عورتوں کو نروان حاصل کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مردوں کو۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ بدھ کی زندگی میں 73 عورتوں نے 107 مردوں نے نروان حاصل کر کے انسانی زندگی کی بہترین حد تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ جب بدھ مذہب کی تبلیغ ہو رہی تھی' تب عورتوں ہی نے سب سے زیادہ مالی مدد کی تھی۔ ایک اور عورت کے متعلق' جس نے بدھ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا' بدھ نے کہا۔ "ایک اعلیٰ مذہبی عورت جو بھوکوں کو کھانا دیتی ہے' وہ اسے کھانے کے ساتھ چار چیزیں

دیتی ہے: 1- زندگی کی توانائی دیتی ہے' 2- حسن عطا کرتی ہے' 3- خوشی اور 4- قوت دیتی ہے۔

بدھ نے ایک پیش گوئی یہ بھی کی تھی۔۔۔ "عورتوں کو جماعت میں شامل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ 500 سال کے اندر اندر لوگ مذہبی ضوابط کو بھول جائیں گے۔" اس نے واضح طور پر کہا تھا۔ "کسی بھی مت نظریہ یا نظم وضبط کے مطابق جہاں عورتوں کو گھریلو زندگی سے نکال کر گھر سے دور رہنے کی اجازت دے دی گئی' وہ مذہب یا مت زیادہ وقت تک نہیں ٹھہر سکتا۔" بدھ کی موت کے دو تین سو سال بعد اشوک اعظم نے بدھ مذہب کی تبلیغ کے لیے بہت بڑے کام کیے۔ اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو لنکا بھیج کر ایک جماعت قائم کی اور بھکشنیوں کا بھی ایک چھوٹا سا گروہ بنایا تھا۔ اشوک نے پاٹلی پتر میں بودھوں کی ایک مجلس کی اس وقت اس جماعت کے قانون اور ضابطوں کی تصحیح کی۔ اس مجلس میں بھکشنیاں' گرہست یا دونوں ہی شامل تھیں۔

بودھوں نے کئی مندر بنوائے۔ لنکا میں بودھوں کی ایک دیوی کا مندر ہے جس کو پشکا مندر کہتے ہیں۔ جب بدھ مذہب پھیل رہا تھا تو اس دیوی پوجا کا اثر شمال پر بہت پڑا اور یہی وجہ ہے کہ بودھ عورتوں میں رحم دلی' تیاگ' درگزر اور عزت کا جذبہ بہت بلند ہے۔ آج برما کی عورتوں میں تیاگ اور رحم کے جذبات بہت دیکھے جاتے ہیں۔ کچھ بدھ بھکشنیں بہت مشہور ہوئی ہیں جن میں شیما' اپاکنا اور وساکھا قابل ذکر ہیں۔ مہویشیا بھی ایک بڑی مشہور بودھ بھکشنی ہوئی ہے۔ ان عورتوں کا نام تیاگ' درگزر اور ریاضت کی وجہ سے امر ہوگیا ہے اور بدھ مذہب کی تبلیغ میں ان عورتوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ تبت میں بدھ مذہب کی تبلیغ دو راج کماریوں نے کی تھی۔ انہوں نے تبت کے دارالحکومت لاشا میں بہت سے مندر بنوائے اور بہت سے مٹھ (مذہبی مدرسے) قائم کیے۔

بدھ مذہب کی جماعت (سنگھ)

گوتم نے جب اپنے مذہب کو خاصا مقبول ہوتے دیکھا اور اسے یہ معلوم ہوگیا کہ

عام لوگ اس کی عزت کرنے لگے ہیں تو اس نے اپنے مذہب کو ملک کے دوسرے حصوں میں پھیلانے کے لیے ایک جماعت (سنگھ) قائم کی۔ بدھ مت کے ماننے والوں کی یہ نئی جماعت دنیا کی مذہبی تاریخ میں سب سے زیادہ مشہور اور سب جماعتوں سے اعلیٰ ہے۔ اگرچہ پہلے سادھو' درویش اور سنیاسی نیک روحوں والے تھے' روح کو پاکیزہ کرنے میں ہی لگے رہتے تھے لیکن بودھ جماعت کی یہی خصوصیت تھی' جس سے کہ آج وہ اپنے نصب العین کی چھاپ دنیا بھر کی مذہبی جماعتوں پر ڈال رہی ہے۔ اپنی روح کی بہتری کے ساتھ ساتھ دنیا کے کیچڑ میں پھنسے ہوئے انسانوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دے کر اپنے راستے پر لانا اس کا بنیادی مقصد تھا۔

بھکشو جماعت کے لیے جو قوانین بدھ نے بنائے تھے' وہ حقیقت میں قدیم ہندو مذہب کی کتابوں کے وہی قوانین تھے' جو برہمچاریوں اور سنیاسیوں کے لیے بنائے گئے تھے۔ اُپنشدوں میں' رامائن میں' مہابھارت میں' سادھو' درویشوں' مرتاضوں اور عبادت کرنے والوں کے علاوہ ان کے طور طریقے اور خیالات نیز قوانین کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہی قانون اور طور طریقے بدھ مت کی بنیاد ہیں۔

مذہبی تواریخ میں یہ سب سے پہلا واقعہ ہے کہ ایک ہندوستانی شخص' ہندوؤں کا آچاریہ (عالم' علامہ) ہندوؤں سے تعلق رکھنے والے مذہب کو ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں بھی لے گیا۔ بدھ نے اپنے سینکڑوں بھکشوؤں کو بھارت سے باہر مختلف ملکوں میں بھیج کر کروڑوں انسانوں کو بودھ بھکشو بنایا اور آس پاس کے جزیروں اور ملکوں' جیسے جاپان' لنکا' جاوا' سماٹرا سمیت دیگر ممالک میں اپنا مذہب پھیلا دیا۔

بودھ دنیا تیاگ دینے والی عورتوں اور مردوں کو کسی ذات پات کے امتیاز کے بغیر اپنی جماعت میں شامل کر لیتے تھے۔ بدھ سے پہلے شودر لوگ سنیاسی اور صحرا گزیں نہیں ہو سکتے تھے' لیکن بدھ نے ذات پات کا فرق بالکل مٹا دیا تھا۔ البتہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو بدھ جماعت میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ ایک وہ جنہیں چھوت کی بیماری ہو' دوسرے وہ جو قرض دار ہوں' تیسرے وہ جن کی عمر 15 سال سے کم ہو' چوتھے وہ جو نامرد ہوں' پانچویں وہ جو حکومتی اہلکار ہوں اور ایسے چور جو سزا یافتہ ہوں۔ جماعت میں

بھرتی ہونے سے پہلے ہر ایک شخص کو تیاگ کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد ایک رسم کی جاتی تھی جسے اُپسمپدا کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی وہ بھکشو یا بھکشنی کے رتبے کے اہل ہوتے تھے اور جماعت میں بھرتی کیے جاتے تھے۔ جب تک بدھ زندہ رہا' تب تک پرورجیا' سمپدا اور اُپسمپدا وغیرہ مذہبی رسوم اپنے ہاتھوں سے کرتا تھا۔ سب سے پہلے 5 بھکشوؤں نے تیاگ لیا تھا۔ اس کے بعد جب جماعت کی ترقی ہوئی تو بدھ نے اپنے خاص مریدوں کو مذہبی رسوم کرنے کی اجازت دے دی۔ جو عورت اور مرد اُپسمپدا قبول کرنا چاہتے تھے' ان کا سب سے پہلے سر مونڈا جاتا اور پیلا کپڑا پہننے کو دیا جاتا تھا اور پھر وہ مرد یا عورت جن کی یہ رسم کی جاتی تھی' اکڑوں بیٹھ کر کہتا تھا: "دھرم میں پناہ' بدھ میں پناہ' جماعت میں پناہ۔" بعد ازاں اُپسمپدا کا ایک نیا طریقہ نکالا گیا۔ پہلے پنڈت سے اور بعد میں آچاریہ سے اُپسمپدا کرنے کے 10 سال بعد سب طرح لائق ہونے پر آچاریہ بن سکتا تھا۔ جب کوئی شخص بھکشو کا علم حاصل کرنے کے لیے آچاریہ کے پاس آتا تو وہ اپنے کپڑے اس ڈھنگ سے پہنتا تھا کہ ایک کندھا کھلا رہے۔ وہ آچاریہ کے سامنے اس کے چرن چھو کر تین بار سلام کرتا اور کہتا' "اے بھگوان! آپ مجھے طالب علم بنائیے۔" جب آچاریہ منظور کر لیتا تو بھکشوؤں کی ایک مجلس اس کا امتحان لیتی تھی۔ اگر وہ سوالوں کا ٹھیک سے اطمینان بخش جواب دے دیتا تو اس کو درس دیا جاتا تھا۔ جب کوئی شخص تیاگ کے لیے آچاریہ کے پاس آتا تو ایک بھکشو دس بھکشوؤں کے سامنے جا کر کہتا کہ فلاں شخص بھکشو بننا چاہتا ہے۔ اگر جماعت اجازت دے دیتی تو وہ حاضر ہوتا اور ہاتھ جوڑ کر کہتا' "مجھے اس گناہ اور نیکی کی دنیا سے نجات دلائیے۔" تب ایک عالم بھکشو جماعت کی اجازت لے کر اس سے کچھ سوال پوچھتا۔ ان سوالوں کا یہ مقصد ہوتا تھا کہ وہ بھکشو ہونے کا غیر مجاز تو ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا اطمینان بخش جواب دینے پر جماعت اسے اجازت دے دیتی تھی' اور وہ آچاریہ کے پاس سب مذہبی رسومات ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جاتا تھا۔ لیکن ایک دو قسم کے شخص جماعت میں یکایک نہیں بھرتی کیے جاتے تھے۔ ایک تو وہ جو دوسرے مذہب کو چھوڑ آیا ہو۔ اسے چار مہینے تک ایسے ہی جماعت میں رکھا جاتا تھا۔ اگر وہ اس دوران جماعت کو مطمئن نہ کر سکتا تو اس کی مذہبی رسومات نہیں ادا کی جاتی تھیں۔ 15 سال سے زیادہ لیکن 20 سال کی عمر تک

ہونا ضروری تھا۔ اس بیچ میں اسے اپنے آچاریہ کی نگرانی میں رہنا پڑتا تھا۔ اس عمر میں وہ شرمن کہلاتا تھا۔ اس سے یم اور دیگر قوانین کی تعمیل کرائی جاتی تھی' جنہیں بدھ ادب میں 10 شیل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اگر پہلے کے پانچ احکام کی خلاف ورزی کوئی بھکشو کرتا ہوا پایا جاتا تو جماعت اسے باہر نکال دیتی اور اگر کوئی آخری پانچ احکام کی خلاف ورزی کرتا ہوا پایا جاتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ بھکشو بننے والے کو ان چار قوانین کی خاص طور پر تعمیل کرنی پڑتی تھی:

1۔ سب طرح کی عیاشیوں سے بچنا' 2۔ کسی پرائی چیز پر لالچی نظر نہ رکھنا' 3۔ تشدد نہ کرنا' 4۔ کسی دیوی یا غیر انسانی طاقت کا دعویٰ نہ کرنا۔

اسے بھکشو ہونے کے بعد 10 سال تک اپنے آچاریہ کی نگرانی میں رہنا پڑتا تھا۔ بھکشو اپنے استاد کی خدمت ایک خادم کی طرح کرتے تھے۔ وہ ان کے لیے کھانا وغیرہ لاتے' مکان صاف کرکے رکھتے اور ان کے کپڑے دھوتے تھے۔ آچاریہ بھی ان کا پوری طرح خیال رکھتا تھا۔ وہ انہیں اچھی طرح مذہبی کتب کا مطالعہ کراتے اور بیمار ہو جانے پر ان کی دیکھ بھال کرتے اور دوا دیتے تھے۔ جب کوئی آچاریہ مرجاتا' گرہستی میں واپس لوٹ جاتا یا دوسرے مذہب میں چلا جاتا تو بھکشوؤں کو اپنا نیا آچاریہ منتخب کرنا پڑتا تھا۔ دس سال کے بعد بھکشو جماعت کا ایک جزو بن جاتا تھا۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی بات میں جماعت کے قوانین کے مطابق اپنا رویہ اختیار کرتا تھا اور اگر اس میں ذرا بھی کمی کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔

بھکشو تین کپڑے پہن سکتے تھے جو کہ ترچیور کہلاتے تھے۔ یہ کپڑے جوگیا رنگ کے ہوتے تھے۔ ایک کپڑے کو انتر واسک کہتے تھے' جو کہ پہننے کے کام میں آتا تھا۔ دوسرا کپڑا اتراسنگ کہلاتا تھا جو کہ دوپٹے کی طرح اوڑھنے کے کام میں آتا تھا۔ تیسرا کپڑا منگاٹھی کہلاتا تھا جو کہ چھاتی کے گرد لپیٹا جاتا تھا۔ وہ ایک طرح کے لبادے کی طرح ہوتا اور کمر میں ایک رسی سے بندھا رہتا تھا۔

گرہستی بودھ بھکشوؤں میں کپڑے تقسیم کرنا نہایت نیک کام سمجھا جاتا تھا۔ ہر سردی کے موسم میں بھکشوؤں میں کپڑے بانٹے جاتے تھے۔ بھکشو تین کپڑوں کے علاوہ ایک تولیا کشکول' ایک کرودھنی اور ایک استرا رکھتے تھے اور ہر پندرھواڑے ایک

دوسرے کا سر مونڈھ دیتے۔ برسات کے موسم میں انہیں ایک ہی جگہ ٹھہرنا پڑتا تھا۔ اسے چاترماس کہتے ہیں' یعنی پنجابی اور ہندی مہینے ہاڑھ کی 12 تاریخ سے کاتک کی 12 تاریخ تک۔

بھکشو اپنی روزی خود کماتے تھے۔ ان کا روزگار بھکشا (بھیک) تھی۔ لیکن بھیک مانگتے وقت وہ خاموش رہتے تھے۔ بیماری کے وقت ہی مکھن' مسری' گڑ' شکر' تیل وغیرہ بھی کام میں لا سکتے تھے۔ جب تک بدھ زندہ رہا' تب تک ان کے حکم اور الفاظ ہی جماعت کے لیے قانون تھے' لیکن جماعت کی تعداد اس قدر بڑھ رہی تھی کہ انتظام و انصرام کرنا ایک آدمی کے لیے مشکل تھا۔

دھیرے دھیرے انتظام کی ایک مستقل ضرورت محسوس ہونے لگی۔ نروان کے وقت بھگوان بدھ نے اپنے شاگردوں سے کہا۔۔"تم یہ مت سوچنا کہ میری موت کے بعد ہمیں تعلیم دینے والا کوئی نہ رہے گا۔ جماعت کے لیے ہم نے جو قانون بنا دیے ہیں' وہی تمہارے استاد اور رہنما کا کام کریں گے۔"

بدھ مذہب میں تفریق

بدھ کی موت کے بعد سب سے بڑے عالم مہاکاشیہ نے' جو بدھ کے شاگردوں میں اعلیٰ ترین رتبے پر تھا' اس بات پر سوچنا ضروری سمجھا کہ مذہب اور گیت کا بھرپور طریقے سے مطالعہ کیا جائے۔ 499 لوگ اس کام کے لیے چنے گئے اور آنند نے اس میں شریک ہو کر 500 کی تعداد پوری کی۔ اپالی حجام ونیہ میں' اور آنند مذہبی کتابوں میں مستند مانے گئے۔

یہ مجلس راج گریہہ میں 477 سال قبل مسیح گوتم کی موت کے بعد ہوئی اور اس میں مذہب اور گیت کے مقدس پاٹھ (سبق) کو دہرایا اور پاک صاف کیا گیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ بدھ کے نظریات پر اختلاف رائے پیدا ہو تا گیا۔ بہت سے قواعد و قوانین میں فرق آ گیا۔ آخر میں گوتم کی موت کے 100 سال بعد 377 سال قبل مسیح ویشالی میں وجینوں نے 10 اختلافی موضوعات کو پیش کیا اور ان کے فیصلے کے لیے دور

دور سے بھکشوؤں کو جمع کرنے کا انتظام کیا۔ گکنڈ کے بیٹے لیش نے مغربی علاقوں کے بودھوں کو' اونتی کے بودھوں کو اور جنوبی علاقے کے سب بھکشوؤں کو پیغام بھیجا۔ لیش کو مغربی علاقوں سے بہت مدد ملی لیکن ویشالی کے مخالف بھکشوؤں نے مشرق سے مدد حاصل کرنے کا انتظام کیا۔

در حقیقت بات یہ تھی کہ یہ تفریق ویشالی کے مشرقی بودھوں میں اور گنگا کے بالائی راستے کے علاقوں کے مغربی بودھوں نیز مالوا اور جنوب کے بودھوں میں تھی۔ مشرقی مت کے حامی ویشالی کے وجین تھے جو حقیقت میں توران کی یوچی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کہا جاسکتا ہے--- یہ جھگڑا تورانی بودھوں اور ہندو بودھوں میں تھا۔ اس مجلس میں جو فیصلہ ہوا' اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی بھارت کے سمت بودھ نے مشرقی بودھوں میں شامل ہو کر اپنا ایک علیحدہ فرقہ قائم کرلیا اور اس میں چین کے لوگ' جاپان کے لوگ اور تبت کے لوگ شامل ہو گئے۔

اس مجلس میں 4 بھکشو مغرب کے اور 4 بھکشو مشرق کے منصف چنے گئے اور 10 اختلافی سوالات کو اٹھایا گیا۔ منصفین نے ان دس کے دس احکامات کو نامنظور کیا اور ویشالی کے بھکشوؤں کے موافق اپنا مت دیا لیکن چھٹے احکام کے موضوع پر مشروط اجازت دی۔ اس مجلس میں 700 بھکشو شامل کیے گئے۔ لیکن مخالف پارٹی نے منصفین کے فیصلے کو نہیں مانا۔ اگرچہ فیصلہ کرنے والے منصف لوگ بہت بزرگ' عالم' لائق اور قابل ستائش تھے لیکن بہت زیادہ لوگ ان کے مخالف ہو گئے اور شمالی بودھ جماعت مشرقی جماعت سے علیحدہ ہو گئی۔ بدھ مذہب کی دو مختلف شاخیں بن گئیں۔ ایک چین' نیپال اور تبت کے شمالی بودھ اور دوسرے لنکا' برما اور سیام کے جنوبی بودھ لوگ۔ ایک ستھور کہلاتے تھے اور دوسرے مہاساندھک' دونوں فرقوں کے نظریات میں سب سے بڑا اختلاف یہ تھا--- ستھوروں کا یہ کہنا تھا کہ بدھ ہونے کی طاقت محنت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے لیکن مہاساندھک کہتے تھے کہ ہر ایک جاندار میں وہ طاقت پیدائش ہی سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ بتدریج اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ جنوبی فرقے والوں کے گرنتھ ہین یان اور شمالی فرقے والوں کے گرنتھ مہایان کے نام سے مشہور ہوئے۔ آگے چل کر ستھوروں کا مرکز کشمیر میں رہا اور مہاساندھک فرقے والوں کا مگدھ کے

دارالحکومت میں بن گیا۔

آگے چل کر مہاسانگھک فرقے اور ستھور فرقے میں 11 اختلافات پیدا ہوئے۔ یہ سب فرقے ہین یان کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ستھور کے ترشت پوشک کشمیر کے راجا کنشک نے بدھ مذہب پر ایک بہت مجلس بلائی تھی اور بہت سے گرنتھ اکٹھے کرنے کے علاوہ نئے گرنتھ بھی لکھوائے۔ ان سب فرقوں میں سب سے اہم فرقہ سرواستو ہے۔ اس فرقے کے بہت سے گرنتھ بدھ مذہب کی تاریخ میں دستیاب ہے۔ ان لوگوں نے داخلی اور خارجی لحاظ سے تمام باتوں کے بہت سے اختلافات رفع کیے۔ ایک کا نام خالص مذہب جبکہ دوسرے کا نام غیر خالص مذہب ہے۔

درمیانی فرقہ (مدھیامک)

بدھ کی موت کے 700 سو سال بعد بودھوں میں ایک بڑا کامل انسان ہوا--- وہ ناگ ارجن کے نام سے مشہور تھا۔ وہ جنوبی بھارت کا ہی رہنے والا تھا۔ درمیانی فرقے کا یہ سب سے بڑا آچاریہ تھا۔

عالم آسری گھوش، جو پہلی صدی عیسوی میں پیدا ہوا، نے بھارت میں مہایان فرقے کی بنیاد ڈالی اور بہت سے گرنتھوں کو جمع کرکے ان کو پاک صاف کروایا۔ آسری گھوش کا شاگرد شری ناگ ارجن تھا۔ ناگ ارجن نے اس موضوع پر ایک گرنتھ لکھا ہے جس کو دوازش واکیہ شاستر کہتے ہیں۔ یہ اس فرقے کا سب سے خاص گرنتھ ہے۔

سمتپاد پر تیتیہ بودھوں کا دوسرا بڑا نظریہ ہے، تباہ و برباد چیزوں کی پیدائش۔ مطلب یہ کہ جو چیز فنا ہو جاتی ہے، وہ پیدا ہوتی ہے۔

پیدائش جھوٹ ہے کیونکہ نہ تو کوئی چیز اپنے آپ پیدا ہو سکتی ہے، نہ دونوں کے ملنے سے اور نہ کسی سبب کے بنا۔ اگر کوئی چیز ہے تو پیدائش کیسی! دوسری چیز سے پیدا ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو چیز پہلے تھی، اسی کا ظہور ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک چیز کے سہارے سے دوسری چیز ہوتی ہے تو کسی چیز کے سہارے سے کوئی بھی چیز ہو جانی چاہیے۔ کوئی چیز نہ تو اپنے آپ پیدا ہو سکتی ہے، نہ دوسری چیزوں سے پیدا ہو سکتی ہے اور نہ دونوں کے میل سے۔ وہ کسی وجہ کے بغیر بھی پیدا نہیں ہو سکتی تو سب چیزیں ایک

ہی وقت میں بن جائیں گی۔ اس لیے سمتیاد پر تیتیہ کا مطلب سراب سے ہے جو کہ ہماری التباس عقل اور حواس کا عکس ہوتے ہیں۔ علم اور مذہبی فرائض کے جتنے بھی روپ ہیں، سب جھوٹے اور فنا ہونے والے ہیں، لیکن نروان ہی ایک ایسا مذہب ہے جو فنا نہیں ہوتا۔

لیکن یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اگر دکھائی دینے والی سب چیزیں جھوٹی ہیں تو ان کا وجود بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر یہی بات ہے تو ان کے موضوع پر اظہار خیال کرنا بیکار ہے، لیکن بدھ کہتا ہے... انسانوں کی جو ضعیف الاعتقادی ہے کہ نظر آنے والی سب چیزیں حقیقت ہیں، اسی ضعیف الاعتقادی کو ختم کرنا نظریہ شیہ ہے۔ جو عقلمند انسانی عنصر کو پرکھنے کی نظر رکھتے ہیں، انہیں کوئی بھی چیز سچی یا باطل نہیں معلوم ہوتی۔ ان کے لیے حقیقت میں یہ چیزیں موجود ہی نہیں۔ وہ مذہبوں کے سچ یا جھوٹ ہونے کے سوال پر کچھ سوچ بچار نہیں کرتے۔ جو چیز دکھائی ہی نہیں دیتی اس کے وجود کا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ جو چیز نہیں ہے، وہ ماضی، مستقبل یا حال نہیں ہو سکتا۔ نہ وہ فنا ہوتی ہے، نہ پیدا۔

سمتیاد پر تیتیہ یا نظریہ شیہ کا مطلب ہے کہ سب نظر آنے والی چیزوں میں نہ روح (جوہر) ہے نہ سچائی۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ وہ پیدا ہوتی ہیں اور نہ فنا۔ نہ ان کا ظہور ہوتا ہے نہ عدم۔ وہ صرف وہم اور وجود بے بود ہے۔

اب یہ ایک بہت ہی قابل غور سوال ہے کہ اگر تبدیلی نہیں ہے اور ہزاروں اندوہ کا چکر کائنات میں نہیں ہے تو نروان، جسے سب دکھوں کا خاتمہ یا دکھوں کی فنا کہا جاتا ہے، وہ کیا ہے؟ اب درمیانی فرقے کے نظریے کے مطابق نروان سب نظر آنے والی چیزوں کے فطری خیال و جذبے کا نام ہے۔ وہ بے روگ اور نہ پیدا ہونے والی شے ہے۔ نروان سب چیزوں کا معدوم ہونا، ہونا نہ ہونا وجود بے بود سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ نظر آنے والی چیز کا ہونا بند ہو جائے۔ یہ علم بھی نہیں ہے۔ بدھ بھی ایک نظر آنے والی چیز ہے۔ جھوٹ، سراب اور خواب ہے اور اس کی تعلیمات بھی سب ایسی ہی ہیں۔

کذب انانیت کا نام التباس ہے۔ خوب غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ خیالی وجود کی تھوڑی بہت حیثیت بھی ہے۔ اگر بے علمی نہ ہوتی تو مذہبی فرائض و رسوم بھی نہ

ہوتے۔ بے علمی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مذہبی رسم و فرائض پیدا کر رہی ہے اور نہ مذہبی رسم و فرائض کے متعلق ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بے علمی سے پیدا ہوئے۔ بے علمی سے مذہبی رسم و فرائض ہوتے ہیں اور رسم و فرائض ہونے سے علم! اسی طرح سب دوسری چیزوں کو بھی سمجھنا چاہیے۔

چار عناصر اور علم کے دائمی تعلق سے انسان بنتا ہے۔ زمین کی وجہ سے جسم ٹھوس، پانی سے جسم میں چربی، آگ سے پکانا، ہوا سے سانس، آسمان سے جسم اور علم سے اس میں ذہنی یا دلی سمجھ ہے۔ ان سب کے ملاپ سے انسان بنا ہے، لیکن ان میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ان میں کوئی بھی حقیقی عنصر، وجود یا روح نہیں۔ بے علمی کی وجہ سے ہی انہیں حقیقت کہتے ہیں۔ بے علمی سے حسد اور لالچ کے رسم و رواج پیدا ہوتے ہیں۔ ان سے علم اور چار عناصر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چاروں عناصر کے ساتھ نام روپ پیدا کرتے ہیں۔ نام روپ سے شڈایتن، ان تینوں کے ملاپ سے لمس ہوتا ہے۔ لمس سے تکلیف، تکلیف سے تشنگی ہوتی ہے۔ یہ ندی کی دھارا کی طرح رواں رہتے ہیں، لیکن ان کے آخر میں کوئی عنصر یا جوہر نہیں ہوتا۔ اس لیے مذہبوں کو سچا اور نہ جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ وجود کو حقیقت یا سچائی کہہ سکتے ہیں اور نہ فنا کو حقیقت۔ اسی وجہ سے اس نظریہ کا نام "درمیانی فرقہ" پڑا ہے۔

خیال و احساس اور اس کی کمی صرف وجود کی حقیقت ہے۔ ایسے ہی سب مذہب ہیں۔ اس میں نجات کچھ نہیں اور نہ کوئی چیز ہے۔ اس نظریہ میں بھی نیک نیتی اتنی ہی بلند ہے جتنی کہ دوسرے بھارتی نظریات میں۔۔۔ شیتا کا مطلب عدم نہیں، بلکہ روزمرہ کی متواتر بدلتی حالت کا نام شیتا ہے۔

آچاریہ ناگ ارجن کی ایک مشہور تفسیر، جس میں کہ آٹھ انکار ہیں، جو درمیانی راستہ کو ثابت کرتے ہیں اور زیادہ خیالات کو ماننے سے روکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔۔۔

نہ فنا، نہ پیدائش، نہ نیستی نہ دوام، نہ یک معنی نہ ذو معنی، نہ آمد، نہ روانگی۔

درمیانی فرقہ کی نظر سے سب طرح کے انتہائی خیالات کی ان آٹھ افکاروں سے تردید کی جاسکتی ہے۔

ان افکاروں کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ درمیانی راستہ نروان کی منزل پر پہنچتا

ہے۔ نروان بہاؤ کی مثالی حالت ہے۔ یہ مثالی حالت نہ جنت میں ہے اور نہ آسائش کی قید میں۔ اس میں غم نہیں لیکن طمانیت وافر ہے۔ اس حالت کا احساس ہمیں اپنی روز مرہ زندگی میں کرنا چاہیے۔ ناگ ارجن کے نظریہ میں حواس خمسہ سے ہی جسم کی پیدائش ہوتی ہے اور ان کا اظہار اور بے ظہوری ہی دنیا ہے کیونکہ سب چیزیں نہ پیدا ہوتی ہیں اور نہ فنا' اس لیے دنیا اور نروان میں کوئی فرق ہی نہیں۔ دکھ بھری دنیا میں نروان پانا بہت مشکل ہے' ناممکن نہیں۔ اگر ہمارے من میں دکھ اور مصیبت پیدا ہوتی ہے تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ ہمارے من میں کسی طرح کی برائی ہے۔ اس لیے بدھ نے' حقیقت وجود اور لافانی حقیقت' یہ دو باتیں بتائی ہیں۔ حقیقت وجود نجات حاصل کرنے کے لیے بہت ہی ضروری ہے اور حقیقی سچائی کے بغیر نجات حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ہم ہونا یا وجود کا سہارا نہ لیں تو معرفت نہیں مل سکتی اور بنا معرفت کے نجات بھی نہیں مل سکتی۔

تتھاگت (بدھ) نہ تو حس ہے اور نہ اس سے مختلف۔ اس میں حس نہیں ہے اور نہ وہ حسیات میں ہے۔ اگر عقل کا وجود حواس خمسہ کی وجہ سے ہے تو اس میں اپنی فطرت نہیں ہو سکتی۔ جب اس میں اپنی فطرت نہیں ہے تو اس کا اثر کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن اثر میں ذاتی جوہر کچھ نہیں ہے' یا اپنے آپ رہنے کی طاقت ہے۔ فطرت اور اثر ایک دوسرے کے محتاج ہیں' آزاد نہیں۔ تتھاگت نہ شیہ ہے نہ غیر شیہ ہے اور نہ ایک ہے اور نہ دونوں۔ ان کا نام صرف وجود ہے۔ نروان کی حالت میں چار طرح کے لفظ مستقل' غیر مستقل' دونوں' ایک بھی نہیں' نہیں رہ سکتے۔ موت کے بعد عقل کا وجود ہے کہ نہیں' اس بات کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

جدید بدھ مت

اپنی پہلی صدی میں وسیع تبلیغی تحریکوں اور چین اور جاپان جیسی ایشیائی اقوام کو اپنے مذہب میں داخل کر لینے کے بعد بدھ مت کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں۔ کئی صدیوں تک کوئی بڑی تحریکیں یا تبدیلیاں سامنے نہ آئیں۔ تاہم بیسویں صدی کے

اندر اندر بدھ مت کا از سرِنو آغاز ہونے لگا۔ اس نشاۃ ثانیہ کا ایک اہم عنصر ایشیائی اقوام میں عیسائی مبلغین کی سرگرمی تھی۔ بدھ مت اور ایشیائی اقوام کو بہتر طور پر جاننے کی کوشش میں عیسائی مبلغین نے قدیم بودھی کتب کا ترجمہ کیا اور سب لوگوں کے مطالعہ کے لیے اسے سامنے لائے۔ اس کی وجہ سے اکثر بودھی اپنے ہی مذہب کا مطالعہ کرنے، ان کا از سرِنو جائزہ لینے اور دوبارہ عقائد کو پختہ کرنے کے قابل ہو گئے۔

بدھ مت کے دوبارہ زندہ ہونے میں دوسرا عنصر ایشیائی قوم پرستی کا اُبھرنا ہے۔ نوآبادیاتی نظام کے خاتمہ کے ساتھ ہی کئی ایشیائی اقوام نے اپنی قومی خودمختاری کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ بعض علاقوں میں بدھ مت ایک مرتبہ پھر تبلیغی مذہب بن گیا ہے اور مبلغین کو واپس ہندوستان بھیج چکا ہے۔ تاہم بدھ مت کے دنیا میں نئے آغاز کے ساتھ ہی بدھ مت اور تمام مذاہب کو چین اور تبت جیسے ممالک میں حکومتیں زیربار کر رہی ہیں۔

==========

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Conze, Edward, ed. *Buddhist Texts Through the Ages.* Oxford: Bruno Cassirer, 1953.

2) Gard, Richard A., ed. *Buddhism.* New York: George Braziller, 1961.

3) Humphreys, Christmas. *Buddhism.* new York: Penguin Books, 1951.

4) Snellgrove, D. L. *Buddhist Himalaya.* New York: Philosophical Library, 1957.

5) Suzuke, daisetz T. *Zen and Japanese Buddhism.* Tokyo: Charles E. Tuttle, 1958.

6) Watts, Alan. *The Way of Zen.* New York: Pantheon Books, 1957.

گیارہواں باب

سِکھ مت

"کوئی مسلم ہے نہ کوئی ہندو۔"

(نانک)

سکھ مت دنیا کے جدید ترین مذاہب میں سے ایک ہے جس کا آغاز سولہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اگرچہ بعض لوگ اسے جدید اور خودمختار مذہب قرار دیتے ہیں مگر بعض ایسے بھی ہیں جو سکھ مت کو بنیادی طور پر ہندو مت کی ایک اور اصلاحی تحریک سمجھتے ہیں۔ درحقیقت بدھ مت اور جین مت کی طرح سکھ مت بھی اپنی بنیادی الہیات اور عالمی نقطۂ نظر ہندو مت سے اخذ کرتا ہے اور ہندو مت میں خصوصی عناصر کی اصلاح چاہتا ہے۔ تاہم ہندو مت کی دیگر اصلاحی تحریکوں کے برعکس سکھ مت دنیا کے ایک اور مرکزی مذہب اسلام کے عناصر بھی شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام اور ہندو مت جیسے قطعی مختلف مذاہب کے عناصر کو ملانے کی یہ کوشش مسحور کن کہانی ہے۔

سکھ ہندوستان کے دیگر مذاہب کے مابین ہمیشہ ایک اقلیت رہے ہیں اور آج انکی آبادی صرف 60 لاکھ ہے۔ یہ لوگ مرکزی طور پر شمال مغربی ہندوستان کے پنجاب میں رہتے ہیں جو ان کا آبائی گھر ہے۔

نانک کے حالات زندگی:

دسویں صدی سے لے کر بعد تک کئی مسلمان گروہوں نے مغرب کو بنیاد بنا کر ہندوستان پر حملے کئے۔ ان حملوں کا نتیجہ آخر کار مغل حکمرانوں کے ہندوستان پر اقتدار کی صورت میں نکلا۔ کسی نہ کسی وقت میں پورے ہندوستان نے مسلمان تسلط کا سامنا کیا، مگر شمال مغربی حصہ وقتاً فوقتاً حملے کی زد میں آتا رہا۔ ادھر اسلام نے بہت سے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کیا اور مضبوط ترین بنیادیں قائم کیں۔ چونکہ بیشتر علاقوں میں اسلام اور ہندومت بنیادی طور پر اس قدر مختلف تھے، لہٰذا مسلمانوں اور ہندوؤں کا مقابلہ اکثر معاندانہ اور غضبناک ہوتا۔

تاہم ابتدائی دنوں سے ہی کچھ ایسے استاد تھے جو دونوں مذاہب کے اختلاف پر یقین نہ رکھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ کوئی ترکیب استعمال کرنی چاہیے۔ ہندومت اور اسلام کو متحد کرنے کی سعی کے لیے یاد رکھا جانے والا بہترین مصلح کبیر (1518ء-1440ء) تھا۔ کبیر پیدائشی مسلمان تھا مگر اپنے ہندو ہمسائیوں کے ساتھ عبادت کرنے لگا۔ ہندو دیوتاؤں کی پرستش کے دوران وہ یہ بھی تعلیم دیتا کہ حقیقی دیوتا صرف ایک ہے۔ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ وہ کیسے اس تعلیم کو فروغ دینے کے قابل ہوا، مگر اس نے سکھوں اور ان کے ادب پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

(کبیر سے بھی پہلے، بلکہ ریکارڈ کے مطابق سب سے پہلے، 13ویں صدی میں فرید الدین گنج شکر نے مذہبی بنیاد پر ہندو اور مسلمان کے درمیان جھگڑا ختم کرنے کی بات کی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اچھے اور نیک اعمال ہی اعلیٰ انسان کا معیار ہیں نہ کہ نمائشی اور ظاہری عقیدہ پرستی۔ سکھوں کے مذہبی صحیفہ گرنتھ میں فرید الدین کے 120 سے زائد دوہے شامل ہیں اور سکھ انہیں بھی بابا نانک جیسی ہی عزت دیتے ہیں۔ مترجم)

سکھ مت کا حقیقی بانی نانک (1538-1469ء) نامی شخص تھا جو شیخ فرید الدین کا جانشین کبیر کا معاصر تھا اور بلاشبہ ان سے متاثر تھا۔ نانک لاہور سے چالیس میل دور پنجاب کے علاقے میں ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔ علاقے کی ملی جلی کیفیت کی وجہ سے نانک کا سکول ماسٹر مسلمان تھا اور یقیناً وہ بڑا باا ثر ثابت ہوا ہوگا۔

نانک کی عکاسی ایک خیالوں میں رہنے والے شخص کے طور پر کی گئی ہے جسے روزمرہ کے کاروبار یا عملی زندگی کی کم ہی سمجھ بُوجھ تھی۔ اُن کی دلچسپیاں اور صلاحیتیں روزی کمانے سے زیادہ شاعری اور مذہب کی طرف تھیں۔ باپ نے انہیں مختلف شعبوں میں لگانے کی کوشش کی لیکن نانک بظاہر اُن سب میں ناکام رہے۔ بارہ برس کی عمر میں شادی ہوگئی۔ اس شادی سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ نانک نے آخر کار اپنی بیوی اور بیٹوں کو چھوڑا اور روزی کمانے سلطان پور چلے گئے۔ یہاں وہ نسبتاً زیادہ کامیاب کاروباری ثابت ہوئے۔

سلطان پور میں اپنے قیام کے دوران تیس برس کی عمر میں نانک نے خدا کی طرف سے اپنی زندگی کو بدلنے کا کشف حاصل کیا۔ بعض داستانوں کے مطابق جنگل میں مراقبے کے دوران خدا نے اُن سے بات کی۔ کشف میں پیغام دیا گیا تھا کہ نانک کو ایک سچے مذہب کے پیغمبر کے طور پر منتخب کر لیا گیا ہے۔ اُن کا پیغام تھا' "کوئی مسلمان ہے اور نہ کوئی ہندو۔" لہٰذا وہ ان دو مذاہب کے درمیان اتحاد کی تبلیغ کرتے ہوئے دربدر گھومنے والا سنیاسی بن گئے۔ اپنے مستقل ساتھی مردانا کے ہمراہ نانک اس نئی تعلیم کا مبلغ بن گئے۔ دونوں اسلام اور ہندومت کے بنیادی اتحاد کی تبلیغ کرتے ہوئے اگلی کئی دہائیوں تک ہندوستان میں سفر کرتے رہے۔ اپنی تعلیم پر زور دینے کے لیے نانک نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی پوشاک پہنی۔ وہ جہاں بھی گئے وہاں اپنی تعلیم قبول کرنے والے لوگوں کی برادریاں ترتیب دیں (اور ان کے پیروکار سکھ' پنجابی لفظ "مقلد" کہلانے لگے۔ لگتا ہے کہ مصنف اِس حقیقت سے واقف نہیں کہ بابا نانک کے کافی بعد ہی کہیں جا کر سکھ کہلانے والے افراد سامنے آئے' غالباً پانچویں گرو کے دور میں۔ نانک کے ابتدائی پیروکار "بھائی" کہلاتے تھے' مترجم) اپنے سفر کے دوران نانک نے مکہ میں حج ادا کیا' اگرچہ مسلمانوں کی عبادت گاہ کے لیے مناسب تعظیم ادا کرنے پر رضامند نہ ہونے کی وجہ سے وہاں مخالفت مول لی۔

کئی برس تک سفر کرنے کے بعد نانک شمالی مغربی ہندوستان میں اپنے گھر کو لوٹے۔ جہاں اُن کی تعلیمات جاری رہیں اور انہوں نے "بھائیوں" کی برادریاں قائم کیں۔ ایک سکھ روایت کے مطابق نانک کی وفات کے وقت ان کے پیروکار اپنی بنیادی

مذہبی برادریوں میں منقسم تھے۔ ہندو الاصل لوگوں نے نانک کو جلانے کا منصوبہ بنایا جبکہ مسلمانوں نے انہیں دفن کرنے کی خواہش کی۔ اس جھگڑے سے آگاہ نانک نے درخواست کی کہ ہر گروہ اُن کے پاس پھول رکھے اور جس گروہ کے پھول اگلے دن تک تازہ ہونگے وہ اُن کے جسم کا حقدار ہوگا۔ جب دونوں فریق رضامند ہو گئے اور ان کے پہلو میں پھول رکھ دیئے تو نانک نے خود کو ایک چادر میں لپیٹا اور اگلے جہان سدھار گئے۔ اگلی صبح جب چادر ہٹائی گئی تو "بھائیوں" نے دیکھا کہ دونوں فریقوں کے پھول تازہ تھے مگر نانک کا جسم غائب تھا۔ لہٰذا اس داستان کے مطابق پر امن اور محبت کرنے والے نانک نے مرتے دم تک مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔[1]

نانک کی تعلیمات:

کبیر اور دیگر کی طرح نانک نے اسلام اور ہندومت کے بہترین اجزاء کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے ہر مذہب سے وہ چیز اخذ کی جو ان کے خیال میں نہایت اہم تھی۔ اسلام سے اُنہوں نے توحید کی تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ ہندو خدا کو مختلف طریقوں میں اور بیشتر بھیسوں میں دیکھتے ہیں مگر خدا ایک ہی ہے۔ سکھ اس خدا کو "سچا نام" کہتے ہیں۔

ایک ہی خدا ہے جس کا نام سچا ہے' وہ خالق ہے' خوف
اور عداوت سے مبرا' لافانی' خود ہی وجود میں آجانے والا'
آغاز میں سچا تھا' قدیم دور میں سچا تھا۔
اے نانک' وہ اب بھی سچا ہے' وہ ہمیشہ سچا رہے گا۔ (جپ جی)

نانک نے یہ بھی تعلیم دی کہ "سچا نام" پوری کائنات کا خالق ہے' اور یہ کہ بنی نوع انسان خدا کی سب سے اعلیٰ تخلیق ہیں۔ اسی طرح نانک نے عدم تشدد کی تعلیم کو مسترد کر دیا جو بہت سے ہندوستانی مذاہب میں بہت اہم ہے۔ چونکہ لوگ بنیادی تخلیق

---

[1] ایسی ہی کہانی کبیر کی موت کے بارے میں بتائی جاتی ہے۔

ہیں لہٰذا وہ جانوروں کو مارنے اور کھانے کے لیے آزاد ہیں۔ سکھ اُن چند ہندوستانیوں میں سے ہیں جو شرعاً گوشت کھاتے ہیں۔

نانک نے ہندومت کے کئی دیگر عناصر کو اختیار کیا۔ اُنہوں نے تجسیم نو کے اصول کو قبول کیا جو بیشتر ہندوستانی مذاہب کی بنیاد ہے۔ سکھ یہ یقین کرنے لگے کہ نانک کی روح اُن گروؤں میں دوبارہ مجسم ہوئی جنہوں نے سکھ مت کے رہنماؤں کے طور پر اُن کی جانشینی کی۔ نانک نے ہندوستانی اصول کرم کی بھی تعلیم دی اور یقین کیا کہ لوگ "سچے نام سے" اس چکر سے آزادی حاصل کرنے تک کرم کی تلاش اور دوبارہ جنم کو جاری رکھتے ہیں۔

نانک نے ہندومت اور اسلام دونوں کی رواج پرستی اور رسومات کو مسترد کر دیا۔ اُنہوں نے نہایت سہل اور سادہ مذہب کی تعلیم دی جو رسوم کی حوصلہ شکنی اور ارتداد کرتا ہے۔

"یعنی خدا کے حقیقی بندے وہی ہیں جو اُسے پانے کے لیے اُسکی عبادت میں محو ہو جاتے ہیں۔ ہندو قابل تعریف ہستی کی تعریف کرتے ہیں جسکی ظاہری حالت اور صورت کا کوئی ثانی نہیں وہ مقدس ندیوں میں نہاتے ہیں۔ اور صندل کی خوشبویات وافر مقدار میں استعمال کرتے ہیں۔ جوگی خالق خدا پر غور و فکر کرتے ہیں جسے وہ ان دیکھا کہتے ہیں۔ جس کی صورت لطیف جس کا نام نُور ہے اور جو اُنکے جسموں کی شبیہہ ہے۔" (آسا کی وار، شلوک 6)

ایک روایت کے مطابق نانک کو امام کے خطبے کے دوران بلند آواز سے ہنسنے پر مسلمانوں کی عبادت سے نکال دیا گیا تھا۔ جب اُن سے مسلمانوں کی عبادت کی توہین کی وجہ دریافت کی گئی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اُنہوں نے ادراک کیا تھا کہ امام خطبہ کے دوران درحقیقت خدا کے بارے میں نہیں بلکہ اپنے گھوڑے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور پریشان تھا کہ کہیں گھوڑا کنوئیں میں نہ گر جائے۔ یہ احساس نانک کو اس قدر مضحکہ خیز لگا کہ وہ قہقہے لگانے لگے۔

نانک کے مذہب کا ایک اور عنصر اُن کی امن پسندی تھی۔ اس شخص نے اپنے تمام تر سفر کے دوران ٹھکرائے جانے کے باوجود امن پسندی کی مثال قائم کی۔ اُنہوں

نے اپنے دشمنوں کی کبھی مخالفت نہ کی اور بظاہر اپنے پیروکاروں کو اس نمونہ کی پیروی کی تعلیم دی۔ نانک کی تعلیمات کے برعکس سکھ اپنی تاریخ میں نہایت جنگجو کے طور پر پہچانے جانے لگے۔

سکھ مت کا تاریخی اِرتقاء:

نانک کی وفات پر نئی تحریک کی قیادت انگد نامی شخص نے سنبھالی جس نے 1552ء تک حکمرانی کی۔ نانک اور انگد اٹھارہویں صدی کے وسط تک سکھ مت کی قیادت کرنے والے دس گروؤں کی فہرست میں پہلے دو افراد تھے۔ عموماً لفظ گرو ہندوستانی مذاہب میں "استاد" کے ہم معنی ہے' مگر سکھوں کے لیے اس لفظ کا مطلب "راہنما" ہے۔ سکھ مت کے دس گروؤں میں سے پہلے چار نے نانک کی تعلیمات کی پیروی کی اور دشمن کے لیے امن پسندانہ رویہ اختیار کیا۔ انگد کو نیا رسم الخط ایجاد کرنے کی وجہ سے شہرت ہوئی اور اُس نے سکھ مذہبی تحریروں کو ترتیب دینا شروع کیا۔ دیگر گروؤں نے بھی اسی راستے کو اختیار کیا۔

پانچویں گرو ارجن دیو (1563-1606ء) کے آنے پر گرو کے عہدے اور مذہب میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ارجن کو سکھ مت کی مقدس کتاب گرنتھ کی تالیف کے لیے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ گروؤں کے دنوں سے ہی گرنتھ کو سکھ مت میں کافی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بنیادی طور پر یہ بھجنوں کا مجموعہ ہے جس کا ایک بڑا حصہ نانک سے لیا گیا ہے۔ گرنتھ کو تخلیق کرنے والے باقی بھجن شیخ فرید' کبیر اور دیگر گروؤں کے ہیں۔ گرنتھ 3,384 بھجنوں پر مشتمل ہے اور رگ وید سے سائز میں تین گنا بڑی ہے۔

گرنتھ کا مؤلف ہونے کے ساتھ ساتھ ارجن نے نانک اور ابتدائی گروؤں کی امن پسندی کے برعکس سکھ مت میں جارحیت پسندانہ پہلو اختیار کیا۔ نانک اور ارجن کے دور کے درمیان سکھ تحریک پھل پھول چکی تھی اور مسلمان حکمران اسے خطرناک سمجھنے لگ گئے تھے۔ مسلمان شہنشاہ نے ارجن کو حکم دیا کہ گرنتھ سے ایسے عناصر کو نکال دے جو قرآن کی تعلیمات سے متضاد ہوں۔ جب ارجن نے انکار کیا تو اُسے حوالات میں بند کر دیا گیا اور تشدد دے کر مار ڈالا گیا۔ تاہم اپنی موت سے پہلے اُس نے اپنے بیٹے

ہرگوبند کو' جسے چھٹا گرو (1645ء-1596ء) بننا تھا' ہدایت کی کہ خود کو مسلح کرے اور حفاظتی پہرے میں رکھے۔ ارجن کی نصیحت پر عمل کیا گیا اور اُس وقت سے سکھ اپنے دشمنوں کے لیے زیادہ جارحیت پسندانہ اور غم وغصے کا رویہ اختیار کرنے لگے۔

سکھوں کا آخری گرو گوبند سنگھ (1708ء-1666ء) تھا۔ اُسے لڑکپن میں ہی سکھوں کی قیادت سونپ دی گئی کیونکہ نویں گرو یعنی اُس کے باپ کو مسلمانوں نے قید اور ہلاک کر دیا تھا۔ یہ گوبند سنگھ ہی تھا جس نے کسی دوسرے گرو کی نسبت سکھوں کو اپنا دفاع کرنے اور جنگ کے لیے زیادہ منظم اور تیار کیا۔ اُس نے سکھ مت میں ہندومت کی خوفناک دیوی دُرگا کی پرستش کو متعارف کرایا۔ اُس نے گرنتھ کو سکھوں کے لیے حرف آخر بھی قرار دیا۔ چونکہ سکھ گرنتھ کے تحت زندگی گزارنے لگے لہٰذا گوبند سنگھ کی وفات کے بعد مزید گرو کی ضرورت نہ رہی۔ ہتھیاروں سے اپنی محبت کی وجہ سے اُس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے تلوار کے بپتسمہ کو مذہبی رسم کے طور پر متعارف کرایا۔ اُس نے اپنے عوام کو زیادہ مضبوط اور جنگ کے لیے تیار کرنے کے لیے ایک طبقہ شرفاء قائم کیا جس میں غیر معمولی بہترین جنگجو پیدا ہوتے رہے۔ یہ جماعت سنگھ (ببر شیر) کے طور پر پہچانی گئی۔ مندرجہ ذیل طریقوں سے اُن میں امتیاز کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے سروں اور چہروں پر کیس یعنی لمبے بال رکھتے؛ کنگھے سے اپنے بالوں کو سنوارتے؛ کچھا (جانگیا) پہنتے؛ اپنی کلائیوں میں کڑا پہنتے؛ اور کرپان (لوہے کا خنجر) سے مسلح ہوتے۔ اس جماعت کے لوگوں کو شراب' تمباکو اور کسی بھی ہیجان انگیز چیز کے استعمال کی اجازت نہ تھی۔ گوشت کھانے پر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ سنگھوں کا سلسلہ تمام ذاتوں کے لوگوں کے لیے کھلا تھا۔ تجسیم نو کے نظریہ کے ساتھ ان تمام عناصر نے سنگھوں کو زبردست جنگجو بنا دیا۔

آخری گرو گوبند سنگھ کو 1708ء میں قتل کر دیا گیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک سکھ اپنی مقدس مذہبی تحریر گرنتھ کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اور انکی تاریخ تفرقہ بازی سے بھری ہوئی ہے۔ بعض مخصوص حالات میں سکھ تشدد کا نشانہ بنتے رہے ہیں اور دیگر وقتوں میں وہ جارحیت پسند رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے آغاز میں انہوں نے پنجاب کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جب انگریزوں نے اس علاقے میں داخل ہونا چاہا تو

سکھوں نے انکے خلاف خونی جنگیں لڑیں لیکن آخر کار پسپا ہو گئے۔ جنگجوئی میں مہارت کی بناء پر انگریزوں نے ان کو سراہا اور انہیں پورے ہندوستان میں سپاہیوں اور پولیس کے طور پر استعمال کیا۔ تاہم 1947ء میں انگریز راج کے خاتمہ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی ریاستوں کی تقسیم کے ساتھ ہی سکھوں کو اپنا امتیازی مقام کھونا پڑا اور انہوں نے ایک مرتبہ پھر خود کو ہندومت اور اسلام کے درمیان متصادم علاقوں میں پایا۔

جدید سکھ مت:

اگرچہ دنیا کے بیشتر حصوں میں سکھ برادریاں موجود ہیں' البتہ جدید سکھ مرکزی طور پر ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ جدید سکھ مت کے مرکزی ڈھانچے میں تین فرقے ہیں۔ ہر فرقہ نانک کی مرکزی تعلیمات کو قبول کرتا ہے' گرنتھ کو مقدس مذہبی تحریر مانتا اور دس گروؤں کو الہام یافتہ سمجھتا ہے۔

پہلا فرقہ اُداسی کہلاتا ہے اور یہ بنیادی طور پر مقدس افراد کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ سکھ بہت سے ایسے اصولوں اور قواعد پر عمل کرتے ہیں جو ہندومت' بدھ مت اور جین مت کے مرتاضوں کے ہاں بھی نافذ العمل ہیں۔ وہ بیشتر مجرد رہتے اور بدھ بھکشوؤں کی طرح کھردرے پیلے کپڑے پہنتے یا جین جوگیوں کی طرح برہنہ پھرتے ہیں۔ ان کی زیر ملکیت واحد شئے کشکول ہے۔ عموماً وہ سرگرم مبلغین ہوتے ہیں اور دیگر عقائد رکھنے والوں کو اپنے مذہب سے متعارف کرانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اُداسیوں کو نانک پترا بھی کہتے ہیں۔ گرونانک کا سب سے بڑا بیٹا ان کا جد امجد تھا جسے گرو امرداس نے برادری سے خارج کیا تھا۔ وہ گرو گوبند کے گرنتھ کو مسترد کرتے' جبکہ گرو نانک کے آدی گرنتھ کو مانتے تھے۔

سکھوں کا دوسرا فرقہ سہج دھاری سکھ ("ست رو") ہے۔ بحیثیت سکھ اُن کی ترقی گوبند سنگھ سے پہلے بعض مواقع پر ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ جارحیت پسندی کو مسترد کرتے ہیں جو کہ زیادہ تر سکھ مت کی خصوصیت بن چکی ہے' اور ڈاڑھی منڈوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسرا فرقہ سنگھ ہیں جن کے بارے میں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

غالباً اس مذہب کے ابتدائی بانیوں کو تحریک دینے والی مفصل رسومات پر عدم اعتقاد کی وجہ سے جدید سکھ کی مذہبی زندگی سادگی کی طرف مائل ہے۔ کوئی شخص سکھ خاندان میں پیدا ہو کر نہیں بلکہ پختہ عمر میں پاہل (بپتسمہ) لینے کے ذریعہ ہی سکھوں میں شامل ہوتا ہے۔ اس رسم میں میٹھے پانی کے پیالے میں کرپان پھیری جاتی ہے اور نئے سکھ کو عقیدے کی سچائیاں اور امتناعات کی تعلیم دیتے ہوئے اُس پر اس پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ سکھ مت کی اس تعارفی تقریب کی طرح شادی اور موت سے متعلقہ رسوم بھی سادہ ہیں۔

سکھ کی روزمرہ کی رسومات میں صبح سویرے اشنان (غسل) شامل ہے جس کے بعد مخصوص بھجن گائے جاتے ہیں اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ رات کو بھجن اور دعائیں پڑھنے کی ایک اور رسم ہوتی ہے۔ سکھ اجتماعی عبادت کے لیے گوردوارے میں اکٹھے ہوتے اور ملتے ہیں۔ ان معبدوں میں عبادت کا مرکزی عنصر گرنتھ کو پڑھنا ہوتا ہے۔ اجتماعی عبادت میں گرنتھ سے دعائیں، مختلف بھجن، وعظ اور لنگر کا کھانا شامل ہے۔ سکھوں میں مذہبی پیشوا نہیں ہوتے اور برادری کا کوئی بھی فرد اجتماعی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت میں ذات پات اور جنس کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تمام فرقوں کے مرد اور عورتیں اکٹھے عبادت کرتے ہیں۔

امرتسر میں سکھ مت کا "تخت" پوری دنیا میں سکھوں کے لیے خصوصی توجہ کا مرکز ہے۔ اگرچہ سکھوں کی دنیا میں تین دیگر ایسے ہی تخت موجود ہیں مگر امرتسر میں گولڈن ٹیمپل معبد کے ساتھ یہ تخت مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ یہاں سکھ اہلکار اپنے لوگوں کی عبادت اور دیگر افعال کے حوالے سے فیصلے کرتے ہیں۔ اگرچہ نانک نے خاص طور پر ایک سچے مذہب کے لیے زیارت کو منع کیا تھا تاہم، بیشتر سکھ اپنی زندگیوں میں کم از کم ایک مرتبہ امرتسر جانا اور وہاں جانے کا منصوبہ بنانے کو پسند کرتے ہیں۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Archer, John Clark. *The Sikhs.* Princeton: Princeton University Press, 1946.

2) Frost, S. E., ed. *The Sacres Writings of the World's Great Religions.* New York: McGraw-Hill, 1972.

3) Singh, Harbans. *The Heritage of the Sikhs.* New York: Asia Publishing House, 1964.

چوتھا حصہ

چین اور جاپان کے مذاہب

کچھ ہی عرصہ پہلے تک چین اور جاپان کے مذاہب مغربی دنیا کے لئے بیگانے تھے۔ تاہم' تبلیغی سرگرمی اور جدید ذرائع نقل و حمل و مراصلاتی ٹیکنالوجی کی وجہ سے تاؤمت' کنفیوشس مت اور شنتو کی تحریریں اور روایات ہم تک پہنچتی ہیں۔ ان میں فطرت اور خاندان کی خوبصورتی کے لئے گہری اور سچی محبت نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے تاؤمت کی "تاؤ تے چنگ" بیسویں صدی کے آخر میں کالج کے طلباء میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن گئی۔ اگرچہ آج یہ مذاہب اپنے خطے میں پسپائی کا شکار نظر آتے ہیں' تاہم' وہ ہمیں بہت کچھ سکھاتے ہیں۔

بارہواں باب

چینی مذاہب

"دانا آدمی سب سے پیچھے رہنے کا انتخاب کرتا
اور یوں سب سے مقدم بن جاتا ہے"---لاؤ تزو

اکثر کہا گیا ہے کہ چینی عوام کا اپنا کوئی مقامی مذہب نہیں: بدھ مت' اسلام اور عیسائیت کی تبلیغ سے متاثر ہو کر بیشتر چینیوں نے ان مذاہب کو چینی خصوصیات کا عکس دے کر اپنا لیا' لیکن وہ کبھی بھی اپنا ذاتی مذہب تشکیل نہ دے سکے۔ اس دلیل کے مطابق چین کے مقامی مذاہب تاؤمت اور کنفیوشس مت حقیقی مذاہب نہیں بلکہ زندگی کے فلسفے اور اخلاقیات کے نظام ہیں۔ درحقیقت دنیا کے دیگر مذاہب میں پائے جانے والے عمومی عناصر تاؤمت اور کنفیوشس مت میں بہت کم ملتے ہیں۔ اپنی خالص ترین صورتوں میں وہ مذہب کی نسبت فلسفہ زیادہ ہیں۔ مذہبی عناصر چونکہ اُن میں بعد کے سالوں میں شامل کر دیئے گئے۔ لہٰذا دنیا کے مذاہب پر گفتگو کرنے والی کسی بھی تجزیے میں تاؤمت اور کنفیوشس مت دونوں قابل وضاحت ہیں۔

چینی مذاہب کا ایک اور پہلو جسے مغربی طالب علم معمہ سمجھتا ہے' ان کی خود اختلافی فطرت ہے۔ یورپی اور امریکی ایک وقت میں ایک سے زائد مذہب کی حمایت کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ عیسائی یہودی ہمسائے کے خیالات کو برداشت تو کر سکتا ہے مگر یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ "میں عیسائی ہوں اور میں یہودی بھی ہوں۔" یا "میں عیسائی ہوں اور

مسلمان بھی ہوں۔" ان مذاہب کی نوعیت ایک وقت میں ان میں سے ایک سے زائد مذاہب کو تسلیم کرنے کو ناممکن بنا دیتی ہے۔ چینی مذاہب کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ قدیم چینیوں کے لیے خود کو بدھ پرست' تاؤپرست اور کنفیوشس پرست کہنا مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ اس کا بیان اُس شہنشاہ کی داستان میں ملتا ہے جس نے ایک بدھ عالم سے دریافت کیا کہ آیا وہ بدھ پرست تھا۔ اُس محقق نے اپنی تاؤپرستانہ طرز کی ٹوپی کی طرف اشارہ کیا۔ شہنشاہ نے پوچھا کہ "تو پھر کیا تم تاؤمت سے تعلق رکھتے ہو؟" تو عالم نے اپنے کنفیوشی جوتوں کی طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا وہ کنفیوشس پرست ہے؟ تو عالم نے اپنے بدھ پرست رومال کی طرف اشارہ کر دیا۔ کسی بدھ پرست پجاری کے لیے تاؤ معبد میں جانا اور کنفیوشی تعلیمات یاد کرنا ہرگز غیر معمولی نہیں۔ وسیع پیمانے پر متنوع مذاہب کی تعلیمات کو یکجا کرنے کے لیے چینیوں کی خواہش مسلمان اور عیسائی مبلغین کے لیے وحشت انگیز رہی ہے۔

ایک اور عنصر جو جدید طلبہ کے لیے چینی مذاہب کے مطالعہ کو مشکل بناتا ہے یہ ہے کہ پچھلے پچیس برس میں حکومت چین کسی بھی مذہبی صورت کے لیے غیر جانبدار اور بعض اوقات معاندانہ رہی ہے۔ تمام تبلیغی سرگرمیاں ختم کر دی گئی ہیں اور لاؤتزو اور کنفیوشس کی تعلیمات کو جدید چین کے لیے مخالف کی حیثیت سے دبایا جا رہا ہے۔ لہٰذا ہم ایسے مذاہب کے متعلق بات کر رہے ہیں جن کے ساتھ ہمارا براہ راست تعلق 25 برس سے زیادہ نہیں اور ہمارے ذرائع بھی اتنے ہی قدیم ہیں۔

چین میں مذہب کی تاریخ بیشتر وسیع زمروں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ قدیم ترین ریکارڈ شدہ تاریخ سے لے کر گیارھویں صدی قبل مسیح میں چانگ سلطنت کے اختتام تک چینی لوگ بظاہر بنیادی طور پر کثرت پرستی کے قائل تھے جس میں اجداد کی پوجا بھی شامل تھی۔ گیارھویں صدی قبل مسیح میں چو سلطنت کے ارتقاء سے لے کر عیسائی دَور کے آغاز تک چینی تمام دیوتاؤں اور ارواح سے بلند ایک اعلیٰ قادر مطلق سے آگاہ ہو چکے تھے۔ دوسرے دَور میں بھی اخلاقیات' خصوصاً حکمرانوں کی اخلاقیات پر زور دیا گیا۔ اور یہی وہ دور تھا جس میں تاؤمت اور کنفیوشس مت کا بانی لاؤتزو پیدا ہوا۔ عیسائی دور کے آغاز سے گیارھویں صدی عیسوی تک چین میں بدھ مت اور تاؤمت

نے ترقی حاصل کی اور پہلی مرتبہ مکمل طور پر ترقی یافتہ مذہبی مسالک پائے گئے۔ مذہبی ترقی کا چوتھا عمومی دَور گیارھویں صدی سے حال تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دَور میں ہمیں ایک مستحکم تحریک نظر آتی ہے جس نے بیشتر چینی لوگوں کے لیے بدھ مت، تاؤمت اور کنفیوشس مت کو ملا دیا۔

بنیادی چینی مذہبی نظریات

چینیوں نے ابتدائی وقتوں سے ہی مخصوص مذہبی نظریات اور رواج اپنا رکھے ہیں جنہوں نے بعد میں تاؤمت اور کنفیوشس مت کے فلسفے کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ قدیم ریکارڈ ان تصورات کا دھندلا سا خاکہ پیش کرتے ہیں لیکن ہمیں چینی مذاہب کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے پہلے ان کا جائزہ لینا ہوگا۔

1۔ کثیر خداؤں اور ارواح کی معرفت:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، چینی لوگوں کا ابتدائی ترین مذہب کثیر خداؤں اور ارواح کی معرفت پر مبنی نظر آتا ہے جو کائنات پر قادر ہیں۔ بیشتر دیگر مذہبی فرقوں کی طرح قدیم چینی بظاہر کائنات کی آگہی میں کثرت پرست اور ارواح پرست تھے۔ آسمان اور زمین کے دیوتا خصوصی توجہ اور قربانی حاصل کرتے تھے۔ بہار اور خزاں میں قدیم چینی بادشاہ آسمان اور زمین کے دیوتاؤں کے لیے وافر اور قیمتی قربانیاں نذر کرتے تھے۔ ان رسومات میں سے بیشتر زمین کی زرخیزی اور فصلوں کی کثرت کے لیے ہوتی تھیں۔ کم درجہ کے اہلکار اور عام لوگ بھی ان ارواح کو قربانیاں پیش کیا کرتے تھے۔

چینی آسمانی اور زمینی دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ مقامی دیوتاؤں اور ارواح کی بیشتر اقسام سے بھی آگاہ تھے۔ عام طور پر مہربان ارواح کو "شین" کہا جاتا تھا۔ وہ زمین کی روشن اور چمکدار جگہوں پر پائی جاتیں اور انہیں سورج اور بہار سے متعلق سمجھا جاتا۔ بُری اور ضرر رساں ارواح کو "کوئی" کہا جاتا اور ان کا تعلق تاریک مقامات سے جوڑا جاتا۔ عموماً لوگ شین سے اچھے تعلقات قائم رکھنے اور کوئی سے محفوظ رہنے کی غرض سے قربانیاں اور رسوم ادا کرتے۔ عام طور پر جانوروں اور اناج کی قربانی دی

جاتی، لیکن بعض ریکارڈ ایسے ملے ہیں جن میں دیوتاؤں کو بہترین نذرانے کے طور پر انسانی قربانی دی جاتی۔ آثار یاتی تحقیقات میں دولت مند انسانوں کے مقبروں کا ذکر ملا ہے جن کے ساتھ سینکڑوں ملازمین اور بیویوں کے اجسام بھی ہیں جنہیں اپنے مالک کے ساتھ زندہ دفن کر دیا جاتا۔ ایک ریکارڈ میں کسی بادشاہ کا ذکر ہے جس کے ساتھ اُس کی تمام بیویوں کو دفن کر دیا گیا جو بچے پیدا نہ کر سکی تھیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ کیا یہ صرف مذہبی قربانی کا معاملہ ہے یا محض انتقام۔ قبل مسیح عہد میں چو سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ رواج ختم ہو گیا۔ قربان کیے گئے انسانوں کے پتلوں یا کاغذی شبیہوں کو دفن کرنے کا رواج مذہبی طور پر ایک متبادل کی حیثیت میں تشکیل دیا گیا تھا۔

2۔ ین اور یانگ:

کائنات کی حقیقی فطرت کو واضح کرنے والے اصول کی تلاش میں قدیم چینی فلسفیوں نے ین اور یانگ کے تصورات کو ترقی دی۔ کائنات کو اس کے موجودہ انداز میں چلانے والی چیز کو ان دو قوتوں کے درمیان توازن سمجھا جاتا تھا۔ ین فطرت میں ایک منفی قوت ہے۔ اسے تاریکی، ٹھنڈک نسوانیت، نمی، زمین، چاند اور سایوں میں دیکھا گیا۔ یانگ فطرت میں پائی جانے والی مثبت قوت تھی۔ اسے روشنی، نور، گرمائش، مردانگی، خشکی اور سورج میں شناخت کیا گیا۔

ین اور یانگ کی قدر کے بارے میں کوئی واضح رائے نہ دی گئی۔ کسی نے یہ نہ کہا کہ ین، یانگ سے بہتر ہے یا یانگ، ین سے۔ کسی فلسفی نے نہ کہا کہ یانگ نیکی اور ین شر ہے۔ ین اور یانگ کے درمیان باہمی ربط کائنات کا انداز عمل تھا۔ چند ایک معروضات مثلاً سورج یا زمین کو چھوڑ کر (جو واضح طور پر ین اور یانگ تھے) باقی تمام فطرت، نوع انسانی اور حتیٰ کہ واقعات ان دونوں قوتوں کا امتزاج تھے۔ جب یہ دونوں قوتیں ہم آہنگی کے ساتھ کار فرما ہوں تو زندگی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی اسے ہونا چاہیے۔

3۔ فرزندانہ سعادت مندی اور اجداد پرستی:

پوری تاریخ میں چینی لوگوں کی ایک خصوصیت خاندان کے معمر افراد کی تعظیم و

تکریم رہی ہے۔ غالباً جدید مغربی طالب علموں کے لیے چینی زندگی کا سب سے مشکل پہلو اس بڑھاپے کی تعظیم کو سمجھنا ہے۔ تاؤمت کے بانی کا نام لی پوہ یانگ تھا مگر اس کے شاگرد اُسے لاؤتزو کہتے تھے' جس کا مطلب "بوڑھا استاد" یا "بوڑھا لڑکا" ہے۔ چینیوں میں بوڑھے یا معمر کی اصطلاح بے عزتی کی علامت نہیں جیسا کہ اکثر مغربی ممالک میں ہے; بلکہ یہ احترام کی قطعی اصطلاح ہے۔ چینی صحیح معنوں میں ساٹھ برس کی عمر کو زندگی کا آغاز کہتے ہیں جب انسان تعظیم کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ تاریخی طور پر بوڑھا باپ' ماں' دادا یا دادی ہی چینی خاندان میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ بچوں کا فرض ہے کہ بڑوں کو سہارا دیں' ان کی اطاعت کریں اور ان کی وفات کے بعد مناسب تدفین کا بندوبست کریں۔ والدین کی وفات کے بعد بھی بچے پر فرض ہے کہ ان کی قبر کی حفاظت کریں' انہیں اور ان کے اعمال کو یاد رکھیں اور ان کے لیے قربانیاں کریں۔ چینی طرز زندگی کے مغربی طلباء اس عمل کو "اجداد پرستی" کا نام دیتے ہیں۔ درحقیقت ان رسومات میں ایک مذہبی پہلو ہے۔ افراد اپنے والدین کی زندگی میں اور ان کی موت کے بعد بھی ان کی عزت کرتے ہیں۔ بوڑھے لوگ زندگی کے دوران خاندان کی دانشمندی کی نمائندگی کرتے ہیں اور اپنی وفات کے بعد وہ عالم ارواح کے ساتھ اپنے تعلق کی وجہ سے اپنے خاندان کی مزید مدد کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ لہٰذا یادگیری اور قربانیوں کے ساتھ فوت شدہ اجداد کی مدد ضروری ہے۔ اپنے اجداد کو بھلا دینے والے چینیوں کی بے عزتی ہوتی ہے اور ایک دن وہ بھٹکی ہوئی روحیں بن جائیں گے۔ تاریخی طور پر چینی گھروں میں مقبرہ یا قربان گاہ ہوتی ہے جس میں خاندان کی پچھلی نسل کے نام اور بیشتر کارناموں کا ذکر ہوتا ہے اور جہاں چاول اور شراب کی چھوٹی بھینٹیں چڑھائی جاتی ہیں۔

4۔ غیب دانی:

بیشتر دیگر بنیادی مذہبی گروہوں کی طرح ابتدائی چینی یقین رکھتے تھے کہ کائنات کی اکائی بعض ذرائع سے آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشگوئی کرتی ہے۔ بعض قدیم مذاہب پرندوں کی پرواز کے انداز یا قربان کیے گئے جانور کی انتڑیوں یا استخارے کی مدد سے مستقبل کا اندازہ لگاتے' جبکہ قدیم چینی لوگ کچھوے کے خول کے نمونے یا غلے کے

ڈنٹھل میں مستقبل تلاش کرتے۔ کچھوے کے خول کو اس کی لمبی عمر کی وجہ سے کائنات کے سُروں کے ساتھ خصوصی طور پر ہم آہنگ سمجھا جاتا۔ خول کو وقفے وقفے سے گرم کیا جاتا اور اس پر ظاہر ہونے والی دراڑوں سے مستقبل کے بارے میں پیشگوئی کی جاتی۔ قدیم چینیوں میں غیب دانی غالباً "آئی چنگ" (تبدیلیوں کی کتاب) کے ارتقاء سے عروج کو پہنچی جسے کنفیوشس نے تالیف کیا اور جواب تک استعمال ہوتی ہے۔ سکوں کے پھینکنے یا کسی پودے کے ڈنٹھلوں سے مخصوص نمونے ابھر آتے۔ آئی چنگ میں پیش کردہ چونسٹھ نمونوں کو سمجھ لینے سے کہانت یا پیشگوئی کی جاتی۔

5۔ شانگ تی پر عقیدے کا ارتقاء:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ گیارھویں صدی قبل مسیح سے پہلے چینی لوگوں کی مذہبی فطرت بنیادی طور پر کثرت پرستی کی طرف مائل تھی۔ تاہم گیارھویں صدی میں بعض سیاسی واقعات نے چینیوں کے نظریات کو متاثر کیا۔ اُس صدی میں چو برادریوں نے حکمران شانگ سلطنت کے خلاف بغاوت کردی۔ صدی کے اختتام پر چُو جنگجو کامیابی سے بغاوت مکمل کر چکے تھے اور انہوں نے ایک نئی سلطنت کا آغاز کیا جس نے کئی صدیوں تک چین پر حکمرانی کی۔ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اُن میں چانگ حکمرانوں کی طرح سلطنت کو منظم کرنے کی صلاحیت نہ تھی، چُو حکمرانوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ حقیقی قیادت اخلاقیات اور مذہب پر مبنی ہے۔ انہوں نے ایک قادر مطلق خدا پر زور دیا جو انسانوں اور حکمرانوں کی قسمت کا نگران ہے۔ یہ دیوتا شانگ تی تھا جو پہلے شانگ سلطنت کا سربراہ سمجھا جاتا تھا۔ چُو حکمرانوں نے شانگ تی کو اجداد سے زیادہ اہمیت دے کر اپنی فطانت کا ثبوت دیا؛ وہ قادر مطلق تھا اور وہ شانگ سلطنت کی غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے اس کی شکست کا ذمہ دار تھا۔ شانگ تی کو خصوصاً حکمرانوں کے مابین اچھے اخلاق پر جزا دینے والا اور بد اخلاقی پر سزا دینے والا سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا حکومت نیکی پر مبنی ہونی چاہیے۔ اگرچہ شانگ تی مفصل قربانی اور رسم پر خوش ہوتا، پھر بھی وہ ابھی تک اخلاقیات کو زیادہ پسند کرتا تھا اور دنیا کی تمام تر قربانیاں برائی کو نہیں چھپا سکیں۔ ہم قدیم دستاویزی کتاب (شوچنگ) میں اخلاقیات کے بارے میں اس کا بیان

پڑھتے ہیں۔

شانگ کا دارالحکومت جرم سے بھرا ہوا تھا۔ بادشاہ کو ین کی بادشاہت کے تباہ ہونے کا قطعی افسوس نہ تھا۔ نہ ہی اُس نے اس بات کی پروا کی کہ بھلائی کی خوشبو قربانیوں میں سے اٹھ کر شانگ تی کو پکارے گی۔ اس کی بجائے لوگوں کی شکایات اور بدمست نشاط پرستیوں کو اعلیٰ ترین درجہ دیا جاتا۔ چنانچہ شانگ تی نے ین کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسے ین کی حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں کے باعث اُس سے محبت نہ رہی تھی۔ دراصل شانگ تی ظالم نہیں بلکہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم ڈھاتے ہیں۔

بادشاہ وین کی شہرت شانگ تی تک پہنچی اور اُس کی برکت پائی۔ لہٰذا شانگ تی نے ین کی سلطنت تباہ کرنے 'عوامی حمایت حاصل کرنے' اور اس کے علاقوں اور عوام کو بہتر حکومت دینے کے لیے بادشاہ وین پر اپنا عظیم حکم نچھاور کیا۔

بعض محققین بتاتے ہیں کہ اس دور میں چینی آٹھویں صدی قبل مسیح کے عقائد جیسی اخلاقیاتی وحدانیت کے ارتقاء کے بہت قریب تھے۔ تاہم قادر مطلق کو مطمئن کرنے کے ذرائع کے طور پر اخلاقیات پر اصرار حکمرانوں کے اختیار میں رہا' اور چینی تاریخ کے اس دور میں کوئی پیغمبر ابھر کر سامنے نہ آیا۔ بایں ہمہ چین کے شہنشاہوں نے ایک آنکھ آسمانوں پر رکھ کر اور ذاتی اخلاقیات اور اچھی حکومت کی فکر کے ساتھ اپنے عہدے قائم رکھے۔

جاگیرداری نظام کا انحطاط:

چُو سلطنت کے دوران چین میں ایسا ہی جاگیرداری نظام حکومت کر رہا تھا جیسا کہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں پایا جاتا تھا۔ سلطنت غلامانہ ریاستوں میں تقسیم کر دی گئی جس کے بادشاہ شہنشاہ کے ماتحت تھے۔ ریاستیں آگے مزید ضلعوں میں تقسیم ہو گئی تھیں جن پر گورنر حکومت کرتے تھے اور وہ ان بادشاہوں کے غلام تھے۔ ہر ذیلی ریاست اپنے حاکم کو مالی لحاظ سے فائدہ پہنچاتی جبکہ حاکم ریاست کی حفاظت کا ذمہ لے لیتا۔ پھر

معاشرے میں مراتب کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ معاشرے کے ارکان اپنے مرتبے اور فرائض سے آگاہ ہوتے۔ وہ اپنے سے اعلیٰ اور پست کے بارے میں بھی جانتے تھے۔

آٹھویں اور تیسری صدی ق۔م کے درمیان پانچ صدیوں میں چین میں جاگیرداری نظام ختم ہونا شروع ہو گیا۔ مالک اپنے غلاموں کو حملہ آور فوجوں سے بچانے کے قابل نہ رہے۔ اس کا نتیجہ فوجی حاکموں کی ترقی کی صورت میں نکلا جو تحفظ اور احترام مہیا کر سکتے تھے۔ ان افراتفری کے حالات میں غلام بعض اوقات جاگیردار بن گئے۔ تاجر برادری شہروں میں نمودار ہونا شروع ہوئی اور اُن کی معاشی طاقت کو محسوس کیا جانے لگا۔ قدیم دولت مند خاندانوں نے خود کو دولت اور طاقت سے عاری محسوس کیا۔ عمومی طور پر جاگیرداری نظام کا پانسہ پلٹ گیا۔ اس میں بڑے بڑے چینی مکاتب سامنے آئے جن میں سے ہر ایک قوم کو درپیش مسائل کے حل کے لیے پیش پیش تھا۔ کنفیوشس جاگیرداری نظام کی مثالی صورت کو بحیثیت بہترین حکومت کے دیکھنا چاہتا تھا؛ ضابطہ پرستوں کا جاگیرداری نظام سے کوئی تعلق نہ تھا مگر وہ مضبوط مرکزی حکومت کے خواہش مند تھے؛ تاؤ پرست کسی حکومت کے قائل ہی نہ تھے یا ہر ممکن حد تک چھوٹی حکومت کے خواہشمند تھے۔ اس بے ربط ماحول کے نتیجے میں چینی فلسفیانہ مذاہب پیدا ہوئے۔

تاؤ مت

تاؤ مت کو بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اسے اس کی تاریخ اور چینی عوام پر اس کے اثرات کے حوالے سے بیان کیا جا سکتا ہے، لیکن اسے باقاعدہ عقائد اور رسومات کے ساتھ بحیثیت مذہب واضح طور پر اجاگر نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ اسلام اور عیسائیت کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز چین کے قدیم ماضی کی دھند میں کھو گیا۔ اس کے بانی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے اور درحقیقت بعض لوگ تو اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی مقدس کتاب مذہبی تحریر سے زیادہ فلسفے کا مختصر شاعرانہ بیان ہے۔ یہ نام "تاؤ مت" اس کتاب کے عنوان "تاؤ تی چنگ" سے لیا گیا ہے اور غالباً بہترین

انداز میں اسے "راستہ" یا "فطرت کا راستہ" کے طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے۔ بظاہر اس مذہبی عنوان کے باوجود تاؤمت کے ابتدائی علماء اپنے عقائد میں محض مبہم طور پر ہی الہیات پسند تھے۔

تاہم 'عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں تاؤمت دیوتاؤں' پجاریوں' معبدوں اور قربانیوں سے آراستہ مذہب میں بدل چکا تھا۔ جدید چین میں تاؤمت بنیادی طور پر جاہلیت' اوہام پرستی اور زندگی کو لمبا کرنے کی جادوئی کوششوں پر مشتمل ہے۔ فطرت کا فلسفہ' ایک مذہب' جادوئی عملوں کا نظام--- تاؤمت یہ سب کچھ ہے۔

لاؤتزو کے حالات زندگی:

روایتی اعتبار سے لاؤتزو کو تاؤمت کا بانی سمجھا جاتا ہے جس کا دور چھٹی صدی قبل مسیح تھا' اگرچہ تاؤمت کا بنیادی فلسفہ غالباً زیادہ قدیم ہے۔ لاؤتزو کے بارے میں بہت کم معلومات موجود ہیں اور بعض محققین کو شبہ ہے کہ وہ تاریخی ہستی تھا۔ روایات کے مطابق وہ کنفیوشس سے تقریباً پچاس برس پہلے پیدا ہوا اور کنفیوشی تحریرات کے مطابق دونوں آپس میں ملے تھے۔ اُس کا اصل نام لی پوہ ینگ تھا مگر اُسے لاؤتزو ("بوڑھا استاد" یا "بوڑھا لڑکا") کا خطاب احتراماً اُس کے شاگردوں نے دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شورش انگیز دور میں جب امن وامان کی صورتحال بگڑ چکی تھی وہ چُو سلطنت کے دربار میں شاہی دستاویزات کا محافظ تھا۔ وہ اس دربار کی مصنوعی زندگی سے تھک چکا تھا لہٰذا اپنے عہدے سے دستبردار ہو گیا۔ مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ چین کی شمال مغربی سرحدوں پر پہاڑی راستے پر پہنچا جہاں اس نے ملک چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ راستے کے محافظ نے اس دانا شخص کو پہچان لیا اور اُسے ملک چھوڑنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا' تاوقتیکہ وہ اپنی دانش کا لب لباب لکھ کر دے۔ لاؤتزو نیچے بیٹھ گیا اور تاؤتے چنگ لکھی۔ کتاب مکمل کرنے پر اُسے ملک چھوڑنے کی اجازت دے دی گئی اور دوبارہ وہ کبھی نظر نہ آیا۔ اس کہانی کی حقیقت کبھی ثابت نہیں ہو سکی۔ ہم یقیناً دنیا کے دیگر مذاہب کے بانیوں کی نسبت تاؤمت کے بانی کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔

تاؤ تے چنگ

چھٹی صدی قبل مسیح میں لکھی گئی کتاب تاؤ تے چنگ کنفیوشس کی "گلدستہ تحریر" کے بعد چینی ادب میں پُراثر ترین کتاب بن چکی ہے۔ لغوی طور پر عنوان کا مطلب "قدیم راستہ اور اس کی قوت یا فضیلت" ہے۔ یہ پانچ ہزار الفاظ سے لکھی گئی چھوٹی سی کتاب ہے جو اکیاسی ابواب پر مشتمل ہے اور عموماً شاعری کی شکل میں ترجمہ کی گئی ہے۔ اس پر کم از کم ایک ہزار تبصرے ہوئے ہیں اور اسے چالیس سے زائد مرتبہ انگریزی میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ درحقیقت انجیل کے سوا یہ دنیا میں کسی بھی دوسری کتاب سے زیادہ ترجمہ کی گئی ہے۔ اس طرح یہ تمام چینی کتابوں میں سب سے زیادہ پہچانی جانے والی کتاب ہے۔

چین سے جانے کی اجازت حاصل کرنے کے انتظار میں چھٹی صدی قبل مسیح میں لاؤ تزو نے تاؤ تے چنگ تصنیف کی... یہ کچھ عرصے کے لیے محققین کے شبہ کا موضوع بنا رہا۔ اس بات پر عموماً رضامندی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کتاب کئی صدیاں پہلے لکھی گئی اور اس نے بتدریج تقریباً چوتھی صدی قبل مسیح میں موجودہ صورت اختیار کی۔ آرتھر ویلے بیان کرتا ہے کہ یہ کتاب تیسری صدی ق۔م میں کنفیوشس اور ضابطہ پرستوں کے خلاف حجت کے طور پر لکھی گئی جو جاگیرداری نظام کی ایک مثالی شکل یا کسی مضبوط مرکزی حکومت کے خواہاں تھے۔[1]

تاؤ تے چنگ کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کی تمام تر کامیابیاں خصوصاً باقاعدہ حکومت محض ایک نافہمی اور کم عقلی ہیں۔

قدیم تاؤ پرست فلسفیوں کی تعلیمات:

قدیم تاؤ پیروکاروں کے عقائد دریافت کرنا انتہائی مشکل ہے۔ قبل از عیسائیت دور کے تاؤ مت کے لیے ہمارے دو بنیادی وسائل بلاشبہ تاؤ تے چنگ اور چوتھی صدی ق۔م کے لاؤ تزو کے شاگرد' چانگ تزو کی تحریریں ہیں۔ چانگ تزو نے تاؤ مت پر

[1] "راستہ اور اس کی قوت" مصنف' آرتھر ویلے' ص 86

عبور حاصل کیا جیسا کہ قدیم معتقدین میں رواج تھا۔ اُس نے یہ مواد ایک کتاب میں اکٹھا کیا اور چینیوں کو کنفیوشس کی بجائے لاؤتزو کو بنیادی استاد قبول کرنے پر قائل کرنے کے لیے اسے استعمال کیا۔ ان کتابوں میں ملنے والی قدیم تاؤ مت کی تعلیمات مندرجہ ذیل مرکزی خیالات پر مشتمل ہیں:

1۔ کائنات کے پیچھے کار فرما بنیادی اکائی ایک پُراسرار اور ناقابل بیان قوت ہے جو تاؤ کہلاتی ہے۔ عموماً لفظ تاؤ کی وضاحت "راستہ" کے طور پر کی جاتی ہے اور اسے بہترین طور پر "کائنات کا راستہ" یا غالباً "فطرت کا راستہ" کی اصطلاحات میں سمجھا جاسکتا ہے۔ تاؤ تے چنگ مندرجہ ذیل تنبیہہ سے شروع ہوتی ہے:

جس تاؤ کی بات کی جاسکتی ہے وہ ایک غیر متغیر راستہ (تاؤ) نہیں ہے۔
جن ناموں کو شمار کیا جاسکتا ہے وہ غیر متغیر نام نہیں۔

اگر چہ یہ کتنا ہی بے نام اور ناقابل بیان کیوں نہ ہو' تاؤ پھر بھی کائنات کا وسیلہ ہے۔

تاؤ اگرچہ بے نام اور ناقابل تعین ہے لیکن یہ کائنات کا ماخذ و منبع ہے' زمین اور آسمان بے نام تاؤ میں سے ہی پیدا ہوئے:
عظیم تاؤ دس ہزار چیزوں کو خوراک اور کپڑے دیتا ہے' لیکن ان پر اختیار قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

اگرچہ تاؤ کو "راستے" کے معنوں میں بیان کیا جاتا ہے مگر اسے اکثر ایک ندی یا پانی کے متحرک جسم سے موازنہ کیا جاتا ہے جو لامحدود اور سنگدلانہ طور پر آگے بڑھتا ہے۔ جیسے پانی سخت ترین چٹانوں اور اپنے راستے میں آنے والی عمارتوں کے اوپر سے بھی گزر جاتا ہے اسی طرح تاؤ کے خلاف جدوجہد کرنا بے سُود ہے۔ لہٰذا قدیم تاؤ فلسفی یقین رکھتے تھے کہ انسانوں کی تمام تر آسائشیں اور یادگاریں جلد یا بدیر تاؤ کے ہاتھوں تباہ ہو جائیں گی۔ لوگوں کی عظیم ترین عمارتیں زمین بوس ہو جائیں گی۔ ان کا محنت سے حاصل کیا گیا علم ہیچ ہو جائے گا' ان کی دولت ختم ہو جائے گی اور یہاں کہ تیز ترین تلوار

کند ہو جائے گی۔ اس وجہ سے لوگوں کو تاؤ کے خلاف جدوجہد کرنے سے باز رہنا چاہیے' بلکہ اس کے ساتھ مکمل مل کر رہنا چاہیے اور اس سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ سچے تاؤ خاموش اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ تاؤ کو سمجھنے کی کوشش کرنے کے سوا ہر چیز سے گریز کرتے ہیں۔

2۔ زندگی عظیم ترین اثاثہ ہے۔ تاؤ پر بحیثیت تمام زندگی کے وسیلے کے ایمان لانے اور کامیابی کی بیکاری پر ان کے عقیدے کی وجہ سے قدیم تاؤ فلسفیوں نے تعلیم دی کہ زندگی بذات خود تمام اثاثوں میں سے عظیم ترین ہے; باقی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ شہرت' دولت' طاقت اور تعلیم محض فانی' فریب' آج موجود اور کل ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں۔ اگر لوگ اچھی چیزوں' طاقت یا تعلیم کے حصول میں دلچسپی نہیں لیتے تو وہ اپنی زندگی کو بھرپور کرنے کی طرف پوری توجہ دے سکتے ہیں۔ اس بات سے تاؤ زندگی کو طویل کرنے کے طریقے تلاش کرنے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آخرکار وہ زندگی کو طویل اور بھرپور کرنے کی کوشش میں مختلف جادوئی عمل لاگو کرتے ہیں۔

3۔ زندگی سادہ طرز و اطوار کا نام ہے۔ اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ زندگی تاؤ سے معرض وجود میں آئی جو آخرکار لوگوں کی تمام کامیابیوں کو تباہ کر دے گا' قدیم تاؤ پیروکاروں نے تہذیب کی تمام تر برائیوں اور منافعت سے پیٹھ پھیرلی اور ہر ممکن حد تک سادہ طرز زندگی کو اپنا لیا۔ اُن میں سے بعض بن باسی بن گئے۔ ممکن ہے کہ وہ اُسی جذبے سے متحرک ہوئے ہوں جس نے بعض ہندوؤں کو جوگی بنا دیا یا بعض قدیم عیسائیوں کو میناروں پر یا غاروں میں رہنے پر مائل کر دیا۔ ممکن ہے کہ تھورو انہی جذبات سے مغلوب ہوا ہو جب اُس نے قدیم امریکی زندگی سے منہ موڑ لیا تھا اور والڈن پونڈ (Waldon Pond) پر سادہ زندگی گزارنے کی راہ منتخب کی تھی۔ ہر عہد میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو تہذیب میں کم عقلی کو دیکھتے اور اس سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ تاؤ فلسفیوں نے شاید اس خواب کو وسیع پیمانے پر پہنچا دیا ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ تعلیم' دولت' قوت' خاندانی بندھن سب بے کار اور در حقیقت زندگی کے لیے بوجھ ہیں۔

عقل و دانائی کو دل سے نکال دو، علم کو مسترد کر دو،
اور لوگ اس سے سینکڑوں گنا فائدہ حاصل کریں گے۔
انسانی شفقت کو محو کر دو، اخلاقیات کو رد کر دو،
لوگ فرض شناس اور دردمند ہو جائیں گے۔
مہارت کو بھول جاؤ، فائدے کو رد کر دو،
چور اور ڈاکو غائب ہو جائیں گے۔
جب یہ تینوں کام ہو جائیں تو وہ زندگی کو انتہائی سادہ اور
پرسکون محسوس کریں گے:
تب انہیں ضرورت کی اشیاء دو:
ان کی نظر کے لیے سادگی مہیا کرو،
انہیں بے لوثی اور قلیل خواہشوں سے روشناس کراؤ۔[1]

مثالی انداز میں افراد کو ثقافت کی جدتوں سے کنارہ کش ہو جانا اور سادہ و خاموش زندگی بسر کرنا چاہیے۔ لفظ "معصومیت" مثالی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ زمین کے پودوں اور مخلوقات کی طرح معصوم انسان تاؤ کی تجویز کردہ حالت پر قانع ہوتے ہیں۔ ابتدائی تاؤ فلسفیوں کے مطابق مثالی ریاست میں ایک مختصر حکومت ہونی چاہیے۔ درحقیقت یہ تاؤ پیروؤں کی مسلمہ حقیقت کا مسلمہ اصول تھا کہ کم سے کم حکومت بہترین حکومت ہوتی ہے۔ لاؤتزو کو اس قول کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے "ایک عظیم قوم کی نگرانی یوں کرو جیسے تم ایک چھوٹی مچھلی پکاتے ہو"--- اسے زیادہ دیر تک نہ پکاتے رہو۔[2] ایک چھوٹا دیہات معاشرے کی مثالی اکائی ہے۔ بہترین حکمران وہ ہے جو کم سے کم حکومت کرتا اور اخلاقاً غیر موسوم ہوتا ہے۔ اگر تمام معاملات ایسے ہی ہوں، تو تمام کوششیں، جھگڑے اور جنگیں ختم ہو جائیں گی۔ تاؤمت امن پسند ہے--- امن پسندی کے ساتھ کسی اخلاقی سمجھوتے کے تحت نہیں بلکہ لڑائی کے بے کار اور بے سود ہونے کی وجہ سے

---

[1] راستہ اور اُس کی قوت، آرتھر ویلے، ص 166۔
[2] "قدیم چین کے مذاہب" مصنف ہربرٹ، اے، گائلز، ص 47۔

ہے۔ اگر ایک زیادہ بڑی اور طاقتور ریاست پُرسکون تاؤ پرست گاؤں کا علاقہ لینے کی خواہش کرے تو گاؤں کو اپنا آپ اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ کافی عرصہ بعد اس فیصلے سے کوئی دکھ نہیں ہو گا اور گاؤں انجام کار اپنی انکساری کے ساتھ بڑی ریاست کو فتح کرلے گا۔

قدیم تاؤ پرست بچے کی معصومیت کو مثال کے انداز میں دیکھتے ہیں جسے پانے کے لیے تمام انسانوں کو جدّوجہد کرنی چاہیے۔ شیر خوار کو پیچیدگیوں کا علم نہیں ہوتا؛ اور زندہ رہنے کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؛ پھر بھی بچے کی نگہداشت کی جاتی' خوراک پہنچائی جاتی اور اسے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ شیر خوار کی کمزوری اور ملائمیت تاؤمت کے لیے مثالی ہیں۔

4۔ نمود و نمائش کو رد کر دینا چاہئے۔ چونکہ تاؤ پرستوں کا مقصد فطرت کے اصول پر سادہ زندگی بسر کرنا ہے لہٰذا وہ شہرت اور نمود و نمائش کو رد کر دیتے ہیں جس کی زیادہ تر لوگ خواہش کرتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کو معاشرے میں اختلاف اور تصادم کا باعث سمجھتے ہیں۔ اگر ہر انسان تاؤ کی خواہش کے مطابق' دوسرے لوگوں سے بلند ہونے کی خواہش کو بھول کر زندگی گزارنے پر مائل ہو جائے تو زندگی ایسی ہو جیسا ارادہ کیا گیا تھا۔ اس رویے میں غرور کی ملامت بھی شامل ہے۔ یہ تاؤمت سے غالباً قدیم چینی تعلیم ہے کہ غرور تباہی کو دعوت دیتا ہے کیونکہ جو درخت اپنے ہمسائے ساتھی سے لمبا ہو جائے' اُسے لکڑہارا سب سے پہلے کاٹتا ہے۔ لہٰذا باقی سب سے ممتاز ہونے کی بجائے منکسرالمزاج' حقیر اور نامکمل ہونا بہتر ہے۔

مکمل رہنے کے لیے ٹوٹ پھوٹ جاؤ!
سیدھا ہونے کے لیے خود کو جھکا دو۔
بھرپور ہونے کے لیے اندر سے خالی ہو جاؤ'
پارہ پارہ ہو جاؤ' تاکہ تمہیں دوبارہ نیا کیا جائے۔
جن کے پاس کم ہے' شاید زیادہ حاصل کرلیں'
جن کے پاس زیادہ ہے وہ سخت مضطرب ہیں۔

لہٰذا دانش مند
یکتائے اولیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے'
اور اس کے ذریعے دنیا کی ہر چیز کو پرکھتا ہے۔
وہ خود کو ظاہر نہیں کرتا; پھر بھی وہ ہر جگہ ظاہر ہے'
وہ خود کو واضح نہیں کرتا' مگر وہ منفرد ہے'
وہ کچھ کرنے کی ڈینگ نہیں مارتا' مگر کامیاب ہوتا ہے۔
وہ اپنے کام پر غرور نہیں کرتا مگر باعث فخر ہوتا ہے۔
وہ جھگڑا نہیں کرتا'
اور اسی وجہ سے زمین پر کوئی اُس سے جھگڑا نہیں کرتا۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم قول "مکمل رہنے کیلئے ٹوٹ پھوٹ جاؤ!" بے کار الفاظ نہیں تھے; کیونکہ حقیقی تکمیل مراجعت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔[1]

غالباً نمود و نمائش' مرتبے اور دولت کے لیے تاؤ پرست کی نفرت کی بہترین مثال چوتھی صدی قبل مسیح کے تاؤ فلسفی چانگ تزو کی کہانی ہے۔ چانگ تزو اپنی دانش کی وجہ سے بے حد محترم سمجھا جاتا ہے اور چُو کے بادشاہ وِلی نے اُسے وزیر اعظم کے عہدے کی پیشکش کی تھی۔ جب ایلچی یہ پیشکش لے کر آئے' تو کہا جاتا ہے کہ چانگ نے اس طرح سے جواب دیا:

"درحقیقت تم نے مجھے بڑی دولت اور قابل فخر عہدے کی پیشکش کی ہے; مگر کیا تم نے کبھی قربانی کے بیل کی طرف نہیں دیکھا؟ جب کئی برس تک صحت مند کرنے کے بعد اُسے خوبصورت چیزوں سے سجایا اور قربان گاہ کی طرف لے جایا جاتا ہے' تو کیا وہ اپنی مرضی سے کسی لاپرواہ سُور بچے کے ساتھ اپنا مقام تبدیل نہیں کرلے گا!--- چلے جاؤ! مجھے پستی میں نہ گھسیٹو' میں ریاست کے کسی حکمران کا غلام بننے کی بجائے کیچڑ میں لت پت ہو کر خوشی حاصل کرنے کو ترجیح دوں گا۔ میں کوئی عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں

---

[1] "راستہ اور اُس کی قوت" مصنف' آرتھر ویلے' ص 177

گا۔ یوں میں اپنی دلی امنگوں کی پیروی کرنے کیلئے آزاد رہوں گا۔"[1]
تاریخ میں بادشاہ کے ردعمل کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا جس کی پیشکش کو اتنی حقارت سے ٹھکرایا گیا تھا۔

تاؤمت کی اس ابتدائی صورت میں بہت کم حصہ ایسا ہے جسے مذہب کہا جا سکے۔ تاؤ بذات خود کائنات کے پیچھے ایک مبہم اور غیر شخصی قوت ہے اور کسی بھی لحاظ سے وہ کسی دیوتا کی نسبت خود علت اول ہے۔ تاؤ تے چنگ کے ایک ترجمہ میں لفظ خدا صرف ایک[2] دفعہ آیا ہے اور اکثر تراجم میں وہ بالکل ہی غائب ہے۔ شاذ و نادر ہی آسمان' (heaven) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ تاؤ کو ایک ایسی قوت کے طور پر نہیں لیا جاتا جس کے لیے کوئی فرد پرستش یا قربانی کرے اور قدیم تاؤ پرستش کے لیے کوئی رسوم بھی نہ جانتے تھے۔ درحقیقت وہ مذہب اور اس سے متعلقہ چیزوں کو کنفیوشس مت کی تردید کے حصے کے طور پر رد کرتے آئے ہیں جو رسوم میں بلند مقام رکھتا تھا۔

قدیم تاؤ پرست حیات بعد الموت پر بھی یقین نہ رکھتے تھے۔ چوانگ تزو کی زیادہ مشہور داستانوں میں سے ایک کا تعلق اس کی بیوی کی موت کے واقعہ سے ہے۔ صدمے کے مواقع پر اس کے شاگردوں نے اُسے پرسکون کرنے کی کوشش کی مگر اُسے گاتے ہوئے پایا۔

> ہُوئی تزو نے چیخ کر کہا' "اپنی بیوی کے ساتھ رہنے اور اپنے بڑے بیٹے کو دیکھنے کے لیے بہادر انسان بنو' اور پھر اس کی لاش پر کوئی آنسو نہ بہانا--- یہ بہت برا ہو گا۔ مگر پیالے کو پیٹنا اور گانا، یقیناً یہ بہت دُور تک جا رہا ہے!" چانگ تزو نے جواب دیا' "ہرگز نہیں' بیوی کی موت پر میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تاہم جلد ہی مجھے یاد آیا کہ وہ پہلے ہی کسی صورت کے بغیر اپنی پیدائش سے پہلے ایک گزشتہ حالت میں کسی صورت کے بغیر رہ

---

[1] "چینی مذاہب" ' مصنف D.Howard Smith ص نمبر71۔

[2] "تاؤ کتنے سچے اور کھرے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کس کا ترانہ ہے۔ یہ شاید خدا کے ' سامنے پیش کیا جاتا ہو۔" "مشرق کی مقدس کتب" جلد 39' Tao-Te -Ching ص نمبر 1:4,2b,3

چکی ہے: اس غیر مشروط حالت میں مواد کو روح عنایت کر دی گئی: پھر اس مواد نے صورت اختیار کر لی: اور اگلی حالت پیدائش تھی۔ مزید تبدیلی کی وجہ سے وہ مر گئی۔ ایک حالت سے دوسری کی طرف مرحلہ وار جاتے ہوئے بہار' گرمی' خزاں اور سردی کی ترتیب کی طرح۔ اور چونکہ وہ ابدیت میں سو رہی ہے تو میرے لیے رونا اور دکھی ہونا خود کو ان فطری قوانین سے لاعلم رکھنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا میں نے ایسا نہ کیا۔[1]

اگر قدیم تاؤ پرستوں میں حیات بعد الموت کا کوئی تصور موجود تھا تو وہ بعد کی تحریروں میں نظر نہیں آتا۔ عام طور پر تاؤ پرستوں کے لیے زندگی آسمان' خدا' رسوم یا حیات بعد الموت میں دلچسپی لیے بغیر روزمرہ بنیادوں پر منحصر ہے۔

قدیم تاؤ پرستوں کے مخالف مکاتب فکر:

چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح چین میں بدنظمی کا دور تھا۔ جاگیرداری کا حکومتی ڈھانچہ منتشر ہو رہا تھا: ملک میں حملہ آور باقاعدگی سے حملے کر رہے تھے: معاشرتی نظام تغیر کی حالت میں تھا: اور اقدار کے قدیم نظام سنگین صورتحال اختیار کر رہے تھے۔ تاؤ پسند فلسفی اور نئی پیدا ہونے والی اقدار و نظام کے لیے ان کا چیلنج بلاشبہ اس دور کا حصہ تھے۔ دیگر فلسفیوں' سیاستدانوں اور اساتذہ نے زندگی اور حکومت کے بارے میں اپنے نظریات اپنائے اور قوم کا شیرازہ بکھیر دیا۔ آرتھر ویلے کے مطابق:-

> چین کا ہر دربار "سیلانی فلسفیوں" سے بھرا ہوا تھا۔ ہر ایک سراسیمہ حکمران کو فعالیت' توکل' اخلاقیات' غیر اخلاقی پن' قوت عمل' عدم مزاحمت' انفرادیت اور ریاستی بالادستی کا سبق سکھاتا۔ صرف ایک بات پر وہ متفق تھے: ہر فلسفی "حکومت کرنے کے فن" کو راز رکھنے کا مشورہ دیتا جس کے ذریعہ اجداد نے ماضی میں طاقت حاصل کی۔[2]

مزید برآں تاؤ پرستوں کے تین بنیادی مکاتب فکر تھے جو اُن دنوں نمایاں تھے۔ یہ

---

[1] ایضاً: ص نمبر 73۔

[2] "راستہ اور اس کی قوت" مصنف' آرتھر ویلے' ص 70۔

کنفیوشس پسند، ضابطہ پرست اور موہسٹ تھے۔

کنفیوشس پسند:

آئندہ صفحات میں کنفیوشس مکتبہ فکر کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ تاہم، یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس کے ارکان چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح میں حکومت کے معاملہ پر چین کے حکمرانوں کو مشورہ دینے میں تاؤ پرستوں کے مخالف تھے۔ جہاں تاؤ پرست کم سے کم حکومت کو بہترین حکومت سمجھتے تھے، کنفیوشس یقین رکھتے تھے کہ مثالی جاگیرداری نظام حکومت کی بہترین صورت ہے۔ تاؤ پرست رسمی مذہب کے قائل نہ تھے جبکہ کنفیوشس کا عقیدہ تھا کہ مذہبی رسوم لوگوں کو متحد کرنے کا کام کرتی ہیں۔ تاؤ چھوٹے پیمانے پر قائم معاشرے کو بہترین سمجھتے تھے، جبکہ کنفیوشس نے تعلیم دی کہ معاشرے کو ایک واضح ڈھانچے کی ضرورت ہے۔

ضابطہ پرست:

اس دَور میں چین کے حکمرانوں کی توجہ حاصل کرنے والا دوسرا بہت بڑا فرقہ ضابطہ پرستوں کا تھا جو کسی خاص استاد کے پیرو نہ تھے; اس کے ارکان "قانون پرست' یا حقیقت پسند" کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ انسانی فطرت اور چین کے حالات ایک ہی وقت میں مضبوط اور مستحکم قیادت چاہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانی فطرت ست اور ظالم ہوتی جا رہی تھی۔ لوگ بہت کم مزاحمت کی طرف رجوع کرتے۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو لوگ بحیثیت مجموعی معاشرے کے لیے غلط فیصلے کریں گے۔ لہٰذا حکومت کیماویلیائی اصولوں کے مطابق چلائی جانی چاہیے۔ حکومت کو اخلاقیات یا رحمدلی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ لوگوں کو محبت یا ہمدردی کی ضرورت نہیں...... انہیں خوراک اور گھر چاہئیں۔ لہٰذا حکومت کے اہلکاروں کو معاشرے کی اکثریت کی بھلائی کا سوچنا چاہیے اور ان نتائج کو حاصل کرنے کے لیے ضروری سخت اقدام اٹھانے چاہئیں۔ اگر اس سے مراد اقلیت کے لیے سختی ہے تو اسے فیصلوں پر اثرانداز نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے چیزوں کے سلسلے میں ضابطہ پرستوں کے پاس مذہب

کے لیے کوئی مقام نہ تھا۔ دیوتاؤں کے لیے قربانیوں پر خرچ کی گئی رقم اور وقت کو بہتر طور پر اچھی حکومت کے لیے خرچ کیا جا سکتا تھا۔ قدرتی طور پر ان اساتذہ کی غیر متحرک تاؤ دانشوروں کے ساتھ کم ہی مطابقت تھی۔

موہسٹ:

چوتھی اور تیسری صدی کے دوران حکومت کو متاثر کرنے والا تیسرا گروہ موہسٹ (Mohists) تھے۔ یہ استاد موتزو کے شاگرد تھے جس کا دور پانچویں صدی قبل مسیح (390-468 اندازاً) تھا۔ موتزو نے کنفیوشس پسند کے طور پر اپنے پیشے کا آغاز کیا لیکن بعد میں اپنا منفرد فلسفہ تشکیل دینے کے لیے الگ ہو گیا۔ وہ اور اُس کے شاگرد یقین رکھتے تھے کہ بہترین حکومت روایتی چینی مذاہب کی ہدایات کے تحت عمل کرتی ہے۔ ان مذاہب کے تحت لوگوں کو ایک دوسرے سے محبت کی تعلیم دی جاتی ہے: لہٰذا حکومت محبت سے عملدر آمد کرے۔ موہسٹ امن پسند تھے اور جنگ سے کتراتے تھے۔ اپنے دفاع کی ضرورت پڑنے پر وہ عمارتوں کی حصار بندی کی اجازت دے دیتے۔

اگرچہ ان میں سے ہر ممیز فلسفے کے بیشتر نمائندے تھے۔ تاہم' شک ہے کہ ضابطہ پرستوں کے سوا چین کے حاکموں پر کسی نے گہرے اثرات مرتب کیے ہوں۔ بایں ہمہ تاؤ' کنفیوشس اور موہسٹ کی تعلیمات ہزاروں برس سے عجیب اصطفائی (Eclecticism) طریقے سے چینی لوگوں کے لیے مثال بنی رہی ہیں۔

تاؤمت کی بعد کی ترقی:

تاؤ نے چنگ اور چانگ تزو کے موضوعات میں دکھائے گئے تاؤمت کا تعلق بنیادی طور پر فطرت کے پیچھے موجود بنیادی قوت تاؤ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر زندگی بسر کرنے میں ہے۔ بحیثیت خالص فلسفے کے اس کو لوگوں کی قلیل تعداد نے پسند کیا جو معاشرے اور حکومت کی پیچیدگیوں سے بیزار تھے مگر اس نے وسیع پیمانے پر مقبولیت حاصل نہ کی۔

تاہم' ابتدائی فلسفیوں کے دور کے بعد تاؤ مت نے عوام کی زبردست حمایت حاصل کی اور اسے دنیا کے بنیادی مذاہب میں وقتاً فوقتاً شامل کیا جاتا ہے۔ چند مخصوص افراد کے لیے ایک فلسفے کی بہت سوں کے لیے ایک مذہب میں درجہ بدرجہ تبدیلی ایک مسحور کن داستان ہے۔

قدیم تاؤ پرستوں کے دور کے بعد دو قسموں کے تاؤ پرست سامنے آئے۔ ایک گروہ نے لاؤتزو اور چانگ تزو کی فلسفیانہ تحریروں کی پیروی کی۔ دوسرا ابدیت کی تلاش میں تھا۔ حیات بعد الموت کے لحاظ سے نہیں جیسا کہ بیشتر مذاہب میں بتایا گیا ہے بلکہ مختلف طریقوں سے موجودہ زندگی کی غیر مختتم وسعت کے اعتبار سے فلسفیوں نے تعلیم دی ہے کہ زندگی تمام ملکیتوں میں سے عظیم ترین شے ہے' اور یہ کہ جس فرد کی زندگی موزوں طور پر تاؤ سے جڑی ہوئی ہے اُس کی عمر طویل ہو سکتی ہے۔ چینی لوگوں نے اس بات کو سراہا جو بڑھاپے اور اس سے متعلقہ سہولت اور احترام کو دیکھتے ہیں جو روایتی طور پر چینی ثقافت میں پایا جاتا ہے۔ تاؤمت کے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے دانشوروں' پجاریوں اور ساحروں نے ایسے ذرائع تلاش کرنا شروع کر دیئے جن کے ذریعہ زندگی غیر معینہ مدت تک بڑھ سکتی ہے۔ انہوں نے خصوصی غذائی قوانین سمیت ہر ممکن ذرائع تلاش کیے۔ بعض یہ یقین کرنے لگے کہ ہر قسم کی خوراک خصوصاً ٹھوس غذائیں زہریلی ہوتی ہیں' لہٰذا انہوں نے اپنے جسموں کو بہت کم مائع خوراک کا عادی بنانے کی کوشش کی۔ بعض نے دعویٰ کیا کہ آخرکار وہ محض تھوک اور ہوا پر زندہ رہنے کے قابل ہو گئے۔ دیگر نے فاقہ کشی اور سانس روکنے کی مشق کی جیسے ہندوستانی یوگی کرتے ہیں۔

زندگی کو بڑھانے کا ایک اور مشہور ذریعہ کیمیائی عمل کا استعمال تھا۔ بعض کا عقیدہ تھا کہ مُردہ گوشت کو نمک لگا کر گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ زندہ گوشت کو بعض دوسرے معدنیات مثلاً سونے سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ کوئی فرد ان تجربات میں سے کچھ کے نتائج کا اندازہ بڑھاپے میں لگا سکتا ہے۔ بایں ہمہ ابدیت کے حصول کی امید چینیوں میں کبھی ختم نہ ہوئی۔ ان تحریکوں کے راہنماؤں میں سے ایک کے بارے میں ایک معاصر نے بیان دیا:۔

اُس نے غلے سے اجتناب کیا' بڑھاپے سے فرار حاصل کیا' وہ موت
سے بچنے کا طریقہ جانتا تھا اور سیندوری رنگ کی ماہیت کو بدلا۔ جب وہ مرا
تو کہا جاتا تھا کہ وہ تبدیل ہو چکا تھا اور اس کی قبر کئی سالوں کے بعد کھولنے
پر انہیں وہاں کوئی لاش نہ ملی بلکہ صرف اُس کی ٹوپی اور لباس مل سکے۔[1]

تاؤ الکیمیا نے اپنے سحر کو کارگر بنانے کی غرض سے جلد ہی دیوتاؤں کے ساتھ تعلق قائم کر لیا جو اُس عمل میں شریک ہو سکتے تھے۔ جونہی کیمیاگروں نے چولہے پر کام کرنا شروع کیا انہوں نے آگ کے دیوتا تساؤ چن کو قربانی کی بھینٹ چڑھانا شروع کر دی۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں تساؤ چن تاؤمت کا پہلا دیوتا بن گیا۔ الوہیت یافتہ یا دیوتا بنانے کا عمل جاری رہا یہاں تک کہ تاؤمت کے کثیر دیوتا بن گئے اور اس طرح وہ فلسفہ جو شخصی دیوتاؤں کو مسترد کرتا تھا' اُس نے اپنے دیوتا بنا لیے۔

دوسری صدی عیسوی میں تاؤ تے چنگ کو چینی کلاسیک کے طور پر سرکاری سطح پر تسلیم کر لیا گیا تھا اور جلد ہی یہ تاؤ کا مقدس صحیفہ بننے کے مراحل میں تھا۔ ابدیت کی تلاش کرنے والے اس یقین تک پہنچے کہ وہ اپنے ساتھ بسنے والے انسانوں کے ساتھ اخلاق اور اچھے اعمال سے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح بیشتر مذاہب میں پایا جانے والا عنصر بتدریج تاؤمت میں آنا شروع ہو گیا۔

دوسری صدی میں ہان سلطنت چین پر کئی صدیوں تک حکومت کرنے کے بعد زوال کا شکار ہونا شروع ہو گئی۔ افراتفری کے اس عرصے میں بعض کرشماتی تاؤ راہنما سامنے آئے۔ ان میں سے کئی لوگوں نے نہ صرف ابدیت کی تلاش میں زندگی بسر کی بلکہ پیروکاروں کی بڑی فوجوں کو جمع بھی کیا اور انتہائی غیر تاؤ انداز میں جنگ میں حصہ لیا۔ ان لوگوں نے عقائدانہ شفاء' لافانیت کی تلاش اور دیوتاؤں' اخلاقیات معبدوں' پروہتوں' رسوم وغیرہ کے دیگر مذہبی لوازمات کے ساتھ جو تنظیم سازی کی اُس کے ذریعہ تاؤمت تیسری صدی عیسوی کی ابتداء میں چینی عوام کے مذاہب میں سے ایک بن گیا۔

---

[1] "چینی مذاہب" مصنف' Smith' ص100۔

ہندوستان اور چین کے مابین قدیم عرصے سے تعلقات قائم تھے اور چونکہ بدھ مت اشوک کے زیر نگرانی ایک تبلیغی مذہب بن چکا تھا' اس لیے بلاشبہ تیسری صدی قبل مسیح میں بدھ پروہتوں اور تاجروں کی کافی تعداد موجود تھی۔ تاہم چینیوں کے بدھ مت کے ساتھ ابتدائی تعلقات اس کی تھیرواد شاخ سے تھے۔ قرین قیاس ہے کہ بدھ مت کا یہ نسخہ' جس میں راہبانہ زندگی کے ذریعہ انفرادی نجات پر زور دیا گیا ہے' چینیوں کے لیے بہت زیادہ ہندوستانی تھا' لہٰذا اس نے چین میں بہت کم ترقی حاصل کی۔ آنے والے سالوں میں وہاں مہایان بدھ مت نے اپنی مفصل رسوم' کیثیر دیو تاؤں' دوزخ و جنت اور روایتی مذہبی ذرائع سے نجات کے عقیدے کے ساتھ بہت زیادہ ترقی حاصل کی۔ وہاں روایتی بودھی دھرم جیسے افسانوی مبلغ بھی آئے جو مہایان بدھ مت کے پانچویں صدی کے نظریۂ دھیان کو بھی ہندوستان سے چین لے کر آئے۔ بیشتر ایشیائی اقوام کی طرح چین میں بدھ کی تعلیمات کے اس انداز نے عوام کو بے حد متاثر کیا۔

چوتھی صدی عیسوی میں مہایان بدھ مت ایسی قوت تھی جس سے تاؤ پرست نبٹ رہے تھے۔ بظاہر دونوں مذاہب کے درمیان کوئی اختلاف نظر نہ آتا تھا۔ تاؤ پرستوں نے بدھ پروہتوں کو چینی زبان میں اپنی کتب ترجمہ کرنے میں مدد دی اور بدھ پرستوں نے اپنے نظریات کو واضح کرنے کے لیے تاؤ اصطلاحات استعمال کیں۔ جب بدھ مت چینی لوگوں میں مقبول ہو تا گیا تو تاؤ پرست اسے خطرہ سمجھنے لگے۔ دونوں فریقین کے مابین مختلف حکمرانوں کو متاثر کرنے اور صوبوں پر اختیار حاصل کرنے کے لیے شدید کوششیں شروع ہوگئیں۔ ہر مذہب انتہائی غیر اخلاقی طور پر ایک دوسرے کے لیے غضبناک ہوگیا اور ایذاء رسانی عام ہوگئی۔ نویں صدی میں شہنشاہ ووتسونگ' جو تاؤ پروہتوں سے بے حد متاثر تھا' نے کافی سارے معبدوں کو تباہ کرتے ہوئے بدھ پرستوں کو وسیع پیمانے پر ایذاء رسانی کی۔ دیگر اوقات میں بدھ پرستوں نے تاؤ کے خلاف امتیاز برتنے پر حکمرانوں کو اپنے تحت کر لیا۔

بدھ پرستوں اور تاؤ پرستوں کے درمیان جدوجہد ایذاء رسانی کی نسبت اتفاق و محبت سے تکمیل کو پہنچی۔ ہر مذہب دوسرے سے استفادہ کرتا رہا تاوقتیکہ دونوں چینی لوگوں کے عمومی مذہب کے طور پر کنفیوشس کی تعلیمات کے ساتھ مل گئے۔ تاؤ مت

نے مہایان سے جنت اور دوزخ کے تصورات کے ساتھ حیات بعد الموت اور روز حشر کی تعلیمات بہت حد تک حاصل کیں۔ بدھ پرستوں نے بودھی بودستو کے طور پر ملک کے بہادروں اور مقامی دیوتاؤں کو قبول کرنے کا روایتی انداز اپنایا اور تاؤ پرستوں نے اس دلیل کے ساتھ اس کا جواب دینے کی کوشش کی کہ لاؤتزو اور دیگر زمین کے ارتقاء سے پہلے تخلیق کیے گئے۔ لہٰذا وہ بدھ سے اعلیٰ ہیں۔ آخر کار تاؤ پرستوں نے اکثریت کی تقلید کی۔ چھٹی صدی عیسوی میں تاؤ پرست بدھ مت کا خانقاہی انداز اختیار کر چکے تھے۔ اُن کے پروہت اب خانقاہ میں رہ سکتے تھے اور بعض صورتوں میں انہیں مجرد رہنے کا حکم تھا۔ جو عورتیں کنواری رہنا چاہتیں ان کے لیے رباط راہبات (راہباؤں کی خانقاہیں) بنائی جاتیں۔ دسویں صدی میں تاؤمت صورت پذیر ہو چکا تھا اور اگلی دس صدیوں میں یہ بہت کم تبدیل ہوا۔

تاؤمت نے مذہبی لحاظ سے بھرپور ترقی کی اور طویل العمری کے سحر انگیز ذرائع پر زور دینے کے روایتی اعتبار سے اس نے بیسویں صدی تک چین کے عام لوگوں پر اپنی گرفت قائم رکھی۔ چین کے طبقہ امراء اور صاحب فکر لوگوں نے تاؤ تے چنگ اور تاؤمت کے دیگر فلسفیانہ کلاسکس کا مطالعہ جاری رکھا' مگر وہ مذہب کو محض جاہل لوگوں کے لیے سمجھتے تھے۔ تاہم' چین میں مختلف انقلابات کے ساتھ ہی بیسویں صدی میں تاؤمت کی سرکاری حمایت ختم ہو گئی۔ موجودہ چینی حکومت اسے توہم پرستانہ سمجھتی ہے اور اس کی حوصلہ شکنی کرتی ہے' جیسے یہ مذہب کی تمام صورتوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

کنفیوشس مت

چونکہ کنفیوشس مت کو عموماً دنیا کے بنیادی مذاہب میں سے ایک سمجھا جاتا ہے لہٰذا اسے چین کے مذاہب پر لکھے گئے عمومی باب کے حصہ کے طور پر شامل کرنے سے بہتر ہے کہ اسے ایک الگ باب میں بیان کیا جائے۔ تاہم' کنفیوشس مت کا تاؤمت کی طرح آغاز اور ارتقاء چینی لوگوں کے مجموعی فلسفے میں پیچیدہ طور پر باہم رچا ہوا ہے۔

لہٰذا کنفیوشس مت کو تاؤ مت اور چینی مذہبی فکر سے الگ باب میں رکھنا اسے غیر حقیقی صورتحال میں پیش کرنے کے مترادف ہوگا۔

ہم تاؤ مت کی طرح کنفیوشس مت پر بحث کا آغاز اس سوال سے کرتے ہیں کہ کیا یہ ایک حقیقی مذہب ہے؟ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جن کا اصرار ہے کہ کنفیوشس اور اس کے شاگردوں کی تعلیمات ہرگز مذہب نہیں ہیں' اور یہ کہ کنفیوشس غالباً ملحد تھا جو دیوتاؤں کی پرستش کو بے سود سمجھتا تھا اور جس کا بنیادی مسئلہ انسانی معاشرے کی نوعیت تھی۔ اگر کنفیوشس مت واقعی مذہب ہے تو یہ بہت مختلف قسم کا مذہب ہے۔ اس میں پیشوائی نہیں ہے۔ اس کی مقدس تحریروں کو کبھی بھی دیوتاؤں کی طرف سے الہام نہیں سمجھا گیا' جیسا کہ وید اور قرآن کے ساتھ معاملہ ہے۔ یہ ریاضت اور راہبانیت کو ناپسند کرتا ہے اور حیات بعد الموت پر یقین نہیں کرتا۔ ان تمام غیرمذہبی پہلوؤں کی بجائے کنفیوشس کی تاریخ میں کچھ عقائدانہ ترقی بھی ہوئی' اور اس کے فلسفے نے چینی کردار پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ لہٰذا کنفیوشس مت ممکنہ مذہب کے طور پر شناخت کیے جانے کا حقدار ہے۔

کنفیوشس کے حالاتِ زندگی:

مغرب میں کنفیوشس کے حوالے سے پہچانے جانے والا شخص دراصل کنگ تھا۔ جب وہ مشہور استاد بن گیا تو اس کے شاگردوں نے اُسے کنگ گرو (کنگ فوتسو) کا خطاب دیا۔ جب اس کی تعلیمات مغربی مبلغین اور دانشوروں تک پہنچیں تو نام لاطینی صورت اختیار کر کے کنفیوشس بن گیا۔

کنفیوشس چھٹی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ تاہم' چینی لوگوں پر اُس کے اور اُس کے شاگردوں کے اثرات کی وجہ سے اس سے متعلق سوانحی مواد وسیع اور قابل بھروسہ ہے۔ یہ چھٹی صدی کے ہی لاؤتزو کی زندگی سے نمایاں طور پر مختلف ہے' لیکن جس کے متعلق ہمارے پاس کوئی علم نہیں۔ کنفیوشس کے بارے میں قدیم ترین اور نہایت مدلل مواد' کنفیوشس کی تعلیمات کا مجموعہ یعنی اس کے "گلدستہ تحریر" ہیں جنہیں اس کی وفات کے بعد تقریباً ستر برس بعد ترتیب دیا گیا۔ کنفیوشی ادب میں

سوانحی تحریروں کے ساتھ کنفیوشس کا ذکر معاصر تاؤ اور موسٹ تحریروں میں ملتا ہے۔ کوئی شخص کنفیوشس کے تاریخی استناد پر شبہ نہیں کرتا۔

کنفیوشس 551ق-م میں لُو (جدید شان تونگ) کی ریاست میں پیدا ہوا۔ وہ ایک شاہی خاندان کا فرد تھا جو انتشار کے دور میں چین کی جاگیرداری ریاستوں کے زوال میں اپنی دولت اور اختیار کھو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کا باپ مضبوط اور بھاری بھر کم جسامت کا مالک جنگجو تھا جو کنفیوشس کے پیدا ہونے پر ستر برس کا تھا۔ باپ بچے کی پیدائش سے کچھ ہی عرصہ قبل مرگیا اور کنفیوشس نے اپنی بیوہ ماں کے ساتھ غربت میں پرورش پائی۔ اگرچہ اس کی ماں کو زندہ رہنے کے لیے سخت جدوجہد کرنا پڑتی مگر وہ اپنے بیٹے کو تعلیم مہیا کرنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ لہٰذا کنفیوشس کو گاؤں کے استاد کے پاس پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ سوانح عمری بیانِ کرتی ہے کہ وہ ایسے مضامین پڑھا کرتا تھا جو اُس کے دَور میں چینی طلباء کی روایتی خوراک تھی یعنی شاعری' چین کی تاریخ' موسیقی' شکار' ماہی گیری اور تیراندازی۔ وہ نوجوانی میں معاشرے کی داخلی کارکردگی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا: خصوصاً اچھی حکومت کے آئین مرتب کرنے میں۔ باقی تمام زندگی کے لیے اُس کا یہی بنیادی نظریہ تھا۔

اپنی عمر کی آخری دہائیوں میں اُس نے حکومت میں ایک معمولی عہدہ قبول کرلیا' جہاں اُس نے حکومتی انداز و عمل کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ اُس نے شادی کی اور ایک بیٹے کا باپ بنا مگر شادی طلاق پر ختم ہوگئی۔ اس سے علاوہ ہم کنفیوشس کی بیوی یا خاندان کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ تاہم' اب بھی ایسے چینی موجود ہیں جو کنفیوشس کے خلف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چوبیس پچیس برس کی عمر میں اس کی ماں فوت ہوگئی اور فرمانبردار بیٹے کی حیثیت سے کنفیوشس نے تین برس تک اُس کا سوگ منایا۔

بیس برس کی عمر کے بعد کنفیوشس نے استاد کے طور پر پیشے کا باقاعدہ آغاز کرلیا۔ اُس کی ایک عالم کی حیثیت سے مقبولیت نے اُسے خود کو نوجوانوں کا استاد ثابت کرنے میں مدد دی۔ آنے والے سالوں میں اس کی شہرت بہت پھیلی اور اُس نے بہت سے طلباء کی توجہ حاصل کی۔ وہ اُس کے گھر میں رہتے اور سفروں میں اس کے ساتھ جاتے۔

اُس نے انہیں تاریخ، اچھی حکومت کے اصول اور غیب دانی کا علم دیا۔[1]

داستان بیان کرتی ہے کہ پچاس برس کی عمر میں کنفیوشس حتمی طور پر اپنے کچھ اصول عملی طور پر استعمال کرنے کے قابل ہوگیا جب اُسے وزیراعظم کے عہدے پر لُو کے رئیس کی حکومت میں شامل ہونے کی درخواست کی گئی۔ ان داستانوں کے مطابق کنفیوشس کی حکومت مثالی تھی۔ اس کے عہد میں ریاست کو اتنی اچھی قیادت ملی کہ جرم کی شرح نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ لوگوں نے اپنے گھروں کو تالا لگانا بند کر دیا اور گلی میں گرا ہوا بٹوہ کئی دنوں تک جوں کا توں پڑا رہتا۔ تاہم، کنفیوشس کے مخالفین اس کی کامیابی سے حسد کرنے لگے اور اس کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ نتیجتاً پچپن برس کی عمر میں اُسے حکومت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

اپنی زندگی کے اگلے بارہ برس کے دوران کنفیوشس کے پاس کوئی عہدہ نہ تھا۔ وہ اپنے چند قابل اعتماد شاگردوں کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتا رہا۔ بعض اوقات لوگ اُسے قبول کر لیتے اور اُس کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرتے۔ دیگر اوقات میں اُسے اور اُس کے دوستوں کو طنز کیا جاتا اور جیل میں بند کر دیا جاتا۔ آخر کار جب وہ سڑسٹھ برس کا تھا تو اُسے اے (Ai) کے رئیس کے مشیر کا عہدہ دیا گیا۔ اگرچہ یہ عہدہ پہلے سے ہرگز اہم نہ تھا، مگر اس سے کم از کم کنفیوشس کو اپنے اور اپنے شاگردوں کے لیے گھر مل گیا۔

زندگی کے باقی سال اُس نے تعلیم دینے اور قدیم چینی کتب کی تالیف کرنے میں گزار دیئے۔ اُستاد 479 ق۔م میں مرگیا اور شاگردوں نے وسیع پیمانے پر اُس کا سوگ منایا۔ ایک روایت کے مطابق اُس کے انتہائی قابل اعتماد و فرمانبردار شاگرد نے اس کی قبر کے ساتھ ایک جھونپڑا بنایا اور تین سال تک کنفیوشس کا سوگ منانے کے لیے وہاں ٹھہرا۔

---

[1] غیب دانی کی مرکزی صورت جو کنفیوشس نے پڑھائی، وہ غالباً کلاسیک 'آئی چنگ' تھی۔ 'I Ching' کے موجودہ تراجم کے بارے میں یقین سے کہا جاتا ہے کہ اُنہیں کنفیوشس نے ایڈٹ کیا تھا۔

کنفیوشس کی تعلیمات:

مذہب کے حوالے سے کنفیوشس کا رویہ بڑی بحث کا مرکز بنا رہا ہے: ایک طرف اُسے دنیا کے ایک بڑے مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے' اور دوسری طرف بعض لوگ اُسے ملحد نہیں تو لا ادری (agnostic) ضرور سمجھتے ہیں۔ مذہب پر کنفیوشس کی تعلیمات کے بارے میں حقیقت غالباً دو انتہاؤں کے درمیان کہیں واقع ہے۔ اپنے ہمعصروں کی نسبت سے وہ فکری دائرے کے کہیں درمیان میں ہے' جبکہ مذاہب کی افادیت سے منکر لاؤتزو اُس کے بائیں طرف اور اُجین کے قدیم مذاہب کی جانب رجعت کا حامی ماؤتزو دائیں طرف ہے۔

کنفیوشس اس بات پر یقین کرتا نظر آتا ہے کہ خدا وجود رکھتا ہے اور عبادت و رسوم لوگوں کو یکجا کرنے کے لیے اہمیت کی حامل ہیں' جبکہ ان کا موازنہ ایک غیر جانبدار سماجی نظام سے کیا جائے تو یہ چیزیں کم اہم ہو جاتی ہیں۔ جب روحوں کی پرستش فرد کے مناسب سماجی فرائض میں مداخلت کرتی ہے تو پرستش کی اہمیت ثانوی (Secondary) ہونی چاہیے۔ اُس کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظریاتی طور پر فرد کو روحوں کی عزت کرنی چاہیے' لیکن انہیں فاصلے پر رکھنا چاہیے۔[1] پھر بھی کنفیوشس ملحد یا غیر مذہبی نہ تھا' ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ وہ کبھی کوئی مذہب شروع کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ قطعی لحاظ سے کنفیوشس مت کو مذہب نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ اخلاقیات' نظریۂ حکومت' شخصی اور سماجی مقاصد کا سیٹ ہے جس نے تقریباً پچیس صدیوں تک چینیوں کو بہت زیادہ متاثر کیا۔

کنفیوشس کی تعلیمات مخصوص مرکزی موضوعات کے گرد گھومتی ہیں۔ ان موضوعات میں سے ایک کی نمائندگی لفظ "لی" (Li) کرتا ہے۔ لی کو مختلف طرح سے مثلاً "معقولیت"' "رسوم"' "تقاریب" اور "شائستگی" ترجمہ کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر اس کا مطلب سخت قیمتی پتھر یشب میں پایا جانے والا نمونہ یا لکڑی کا ذرہ ہو سکتا ہے۔ اس لفظ کا مطلب "ارادے کے مطابق زندگی کا راستہ" ہو سکتا ہے اور بلاشبہ اس میں مذہبی

---

[1] "گلدستہ تحریر" 6:20۔

اور معاشرتی تعبیر بھی پائی جاتی ہے۔ جب معاشرہ لی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو یہ ہموار چلتا ہے۔ مرد اور عورتیں اپنے بزرگوں اور اعلیٰ لوگوں کی عزت کرتے ہیں۔ مناسب رسوم اور تقاریب منائی جاتی ہیں۔ ہر چیز اور ہر فرد اپنی موزوں جگہ پر ہوتا ہے۔ جب جاگیرداری حکومت کی ایک مثالی صورت تشکیل پا جائے تو فطری طور پر "لی" کے اصول کی زیادہ بہتر پیروی کی جاتی ہے۔ ایسی ریاست میں تمام لوگ اپنے سے برتر اور کمتر کو جانتے ہیں اور نفیس و مہذب انداز میں کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جسے کنفیوشس ہموار معاشرے کے لیے ضروری سمجھتا تھا۔ مزید یہ کہ کنفیوشس کو یقین تھا کہ چین اُس کے دور میں اس لیے افراتفری کی حالت میں تھا کیونکہ لوگ لی کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا بھول گئے تھے۔

کنفیوشس کلاسیک میں سے "لی چی" مندرجہ ذیل گفتگو ریکارڈ کرتی ہے جس کا بنیادی موضوع لی ہے:

رئیس اے (Ai) نے کنفیوشس سے پوچھا، "عظیم لی کیا ہے؟ آخر لی میں ایسی کون سی بات ہے جو تم اسے اتنی اہمیت دیتے ہو؟"

کنفیوشس نے جواب دیا، "آپ کا عاجز غلام واقعی "لی" کو سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔"

رئیس اے نے کہا، "مگر تم مسلسل اس کے بارے میں بات کرتے ہو۔"

کنفیوشس: "جو کچھ میں نے سیکھا ہے اس کے مطابق لوگوں کے پاس زندگی گزارنے کے تمام تر ذرائع میں سے لی عظیم ترین ہے۔ لی کے بغیر ہم کائنات کی ارواح کی پرستش کا مناسب طریقہ نہیں جان پاتے؛ یا بادشاہ اور وزراء، حکمران اور محکوم، اور بڑے اور چھوٹوں کے مناسب مرتبے کا اندازہ کیسے لگایا جائے؛ یا جنسوں کے مابین اخلاقی تعلقات قائم کرنے کے لیے؛ والدین اور بچوں، اور بھائیوں کے درمیان تعلقات؛ یا خاندان میں تعلقات کے مختلف درجات میں امتیاز کرنے کے لیے مناسب طریقے کا علم۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مہذب انسان لی کو اعلیٰ مقام و تعظیم بخشتا ہے۔[1]

---

[1] "لی چی" (Li Chi) باب 27

کنفیوشس کے مطابق زندگی میں پانچ بنیادی تعلقات ہیں۔ اگر پورے معاشرے میں ان تعلقات میں لی کو شامل ہو تو معاشرتی نظام مثالی ہوگا۔ یہ پانچ تعلقات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ باپ کا بیٹے کے ساتھ تعلق۔ باپ کے اندر شفقت اور بیٹے میں فرزندانہ احترام پایا جانا چاہیے۔
2۔ بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کے ساتھ۔ بڑے بھائی میں شرافت اور چھوٹے میں انکساری ہونی چاہیے۔
3۔ شوہر کا بیوی کے ساتھ۔ شوہر کو راست باز اور بیوی کو اطاعت شعار ہونا چاہیے۔
4۔ بڑوں کا چھوٹوں کے ساتھ۔ بڑوں کو غور و خوض کرنا جبکہ چھوٹوں کو ادب کرنا چاہیے۔
5۔ حاکم کا رعایا کے ساتھ۔ حکمرانوں میں خیراندیشی اور عوام میں وفاداری ہونی چاہیے۔

کنفیوشس مت کے نظریات میں لی کا اصول اعلیٰ انسان کا اپنے معاشرے میں دیگر لوگوں کے لیے ایک بیرونی تاثر تھا۔ کنفیوشی نظریات کا اندرونی تاثر جین (jen) کہلاتا تھا۔ جین کو "محبت" "اچھائی" اور "انسانیت" کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ کنفیوشس کے مطابق طبقہ امراء کے رشی ہی جین کو پا سکتے تھے مگر یہ ایک ایسی خصوصیت تھی جسے تمام انسانوں کو حاصل کرنے کی خواہش کرنی چاہیے۔ اس خوبی کو کئی مرتبہ کنفیوشس کی گلدستہ تحریر میں پیش کیا گیا ہے۔

> آگ اور پانی کی نسبت جین لوگوں کے لیے زیادہ اہم ہے۔ میں نے لوگوں کو پانی یا آگ سے مرتے دیکھا ہے مگر میں نے کبھی کسی شخص کو جین کی پیروی کرنے سے مرتے نہیں دیکھا۔[1]

جین استرداد ذات اور موزونیت (li) کی طرف مراجعت ہے۔ کیونکہ استرداد ذات اور موزونیت کی طرف مراجعت سے دنیا جین (jen) کی

---

[1] "گلدستہ تحریر" 15:34

طرف رجوع کرے گی۔[1]

لہٰذا کنفیوشس نے تعلیم دی کہ لوگوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنا اور روزمرہ زندگی میں ایک دوسرے کا احترام اور لحاظ کرنا چاہیے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی طرح بہت دور تک نہ گیا اور حکم دیا کہ لوگوں کو برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا چاہیے اور نہ ہی اُس نے یہ حکم دیا کہ "جو سلوک تم دوسروں کی طرف سے اپنے لیے پسند کرو پس تم بھی ان سے وہی سلوک کرو"...[2] بلکہ کنفیوشس نے تعلیم دی کہ بہترین معاشرہ تبھی تشکیل پا سکتا ہے جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر آمادہ ہوں۔

> تزوکنگ نے پوچھا: "کیا کوئی ایک بھی ایسا لفظ ہے جسے ضابطہ حیات کے لیے اصول کے طور پر استعمال کیا جائے؟"
>
> کنفیوشس نے کہا: "غالباً لفظ "باہمی تعاون" دوسرے کے ساتھ ویسا سلوک ہرگز نہ کرو جو تم خود نہیں چاہتے کہ لوگ تمہارے ساتھ ویسا سلوک کریں۔"[3]
>
> (کنفیوشس "باہم تعاون" کے اصول کو شو (Shu) کا نام دیتا ہے۔)

اگر کسی فرد میں لی اور جین کے اصول موجود اور کارفرما ہوں تو نتیجہ کنفیوشس کے مقصد یعنی اعلیٰ انسان کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ بظاہر کنفیوشس فطری بھلائی یا کم از کم انسان کی قدرتی تکمیل میں یقین رکھتا تھا' اگرچہ یہ بات اس کی تعلیمات میں اتنی واضح نہیں جتنی اُس کے شاگرد مینئیس کے کام میں۔ یہ تعلیم کنفیوشس کو باقی فلسفوں مثلاً عیسائیت سے بالکل جدا رکھتی ہے جو لوگوں کی فطری حالت کو برائی سمجھتے ہیں اور نجات کے لیے غیبی مداخلت کے ضرور تمند ہوتے ہیں۔ بدیہی طور پر کنفیوشس یقین رکھتا تھا کہ موزوں حالات میں لوگوں کے لیے ممکن ہے کہ وہ اچھائی کو حاصل کریں اور آخر کار برتر انسان کے رتبے کو پالیں۔

---

[1] ایضاً۔ '12:1

[2] "متی"۔ 7:12

[3] "گلدستہ تحری"۔ 15:23

اچھائی کو حاصل کرنے کے لیے لازمی حالات میں سے ایک اچھی حکومت تھی۔ کنفیوشس کا عقیدہ تھا کہ برے قوانین کے ساتھ ایک بری حکومت لوگوں کی برائی کا سبب بنتی ہے اور اچھی قیادت میں پرورش پانے والی نسل رعایا کی اکثر اخلاقی برائیوں کو ٹھیک کر سکتی ہے۔ حکمران طبقوں کی قائم کردہ اچھی مثال لوگوں کی حقیقی اخلاقیات کو سامنے لاتی ہے۔ انسانیت کی فطری اخلاقیات کی وجہ سے کنفیوشس کو یقین تھا کہ لوگوں کو اچھے کردار کا مالک بنانے کے لیے جزا یا سزا کی ضرورت نہ تھی۔ اچھا کردار بذات خود ایک انعام ہے۔ لہٰذا کنفیوشس کا دیوتاؤں کے بارے میں جو بھی عقیدہ تھا، مگر اُس نے کبھی جنت یا دوزخ میں جزا یا برے کاموں کی سزا کے لیے حیات بعد الموت کی بات نہیں کی۔ موزوں حالات کے تحت لوگ اُس حالت میں ڈھل جاتے ہیں جسے کنفیوشس "اعلیٰ انسان" کہتا ہے۔

کنفیوشس مت کا ارتقاء:

جب کنفیوشس 479ق-م میں فوت ہوا تو اُس کے معتقدین کی تعداد بہت کم تھی۔ خلاف توقع وہ بحیثیت حکمران کامیاب نہ ہو سکا تھا اور اس کی تعلیمات کو وسیع حمایت حاصل نہ ہوئی تھی۔ نہ ہی چین کے حکمرانوں نے اُس کے ابتدائی شاگردوں کے لیے اپنے در کھولے۔ تاہم اگلے پانچ سو سال میں کنفیوشس کے شاگردوں نے چین کے حکمرانوں کی تربیت اور مشاورت میں اس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ اُس کی تعلیمات چینی ثقافت کا لازمی جزو بن گئیں۔

کنفیوشس کی وفات کے بعد اُس کے تقریباً ستر شاگرد سلطنت میں پھیل گئے۔ بعض نے حکمرانوں کے مشیر کی حیثیت سے عہدے حاصل کیے جبکہ دیگر نے اپنے مکاتب فکر شروع کر دیئے۔ وہ کم از کم دو وجوہ کی بناء پر ان کوششوں میں زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اول وہاں مخالف مکاتب فکر تاؤمت' ضابطہ پرست اور موہسٹ موجود تھے جو اپنی بات پر کان دھرنے والے تمام سرکاری افسروں کو اچھی حکومت کی کنجی فراہم کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ کنفیوشس کے شاگردوں نے دوسری تعلیم یہ دی کہ حکومت کی بہترین شکل مثالی جاگیرداری نظام ہے' اور وہ یہ تعلیم چین میں جاگیرداری

معاشرے کے زوال کے وقت دے رہے تھے۔ بایں ہمہ شاگرد چند ایسے لوگوں تک پہنچ گئے جنہوں نے ان کی تعلیم اور مشورے کو توجہ سے سنا اور کنفیوشس کی تعلیم جاری رہی۔ چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح میں ہر دور کے لیے نہایت اعلیٰ پائے کے دو کنفیوشس پرست مینیئس اور ہیون سامنے آئے جنہوں نے کنفیوشس کی تعلیمات کو بے حد شہرت و مقبولیت دی۔

چینی فکر میں کنفیوشس کے بعد چین کا واحد دانشور کنفیوشس کا آخری دنوں کا شاگرد مینیئس ہے۔[1] مینیئس کنفیوشس کی وفات سے تقریباً ایک سو سال بعد پیدا ہوا اور 289-372ق-م زندہ رہا۔ ہم اُس کی زندگی کی بیشتر تفاصیل کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے مگر بیشتر قدیم داستانوں کی طرح اُس کے گرد بھی داستانوں کا ہجوم ہے۔ مینیئس کے بارے میں بیشتر رواجی علم اُس کے اور کنفیوشس کے مابین مماثلت ظاہر کرتا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ کنفیوشس کی طرح مینیئس ایک غریب بیوہ کا اکلوتا بیٹا تھا جس نے اپنے بیٹے کو پالنے اور اُسے تعلیم دینے کے لیے سخت محنت کی۔ کنفیوشس کی مانند ہی وہ استاد بنا اور سیاسی مشیر کی حیثیت سے عہدے کی تلاش کی۔ اپنے استاد ہی کی طرح کسی نے اُس کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا ہوا آوارہ پھرتا رہا۔ زیادہ مستند روایت سے پتا چلتا ہے کہ مینیئس نے کنفیوشس کے پوتے تزوسزو (Tzu, Ssu) کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اپنے دور کے بعض چینی حکمرانوں کا غیر موثر مشیر بنا۔

مینیئس کی تعلیمات کو "مینیئس کی کتاب" (The Book of Mencius) میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اور دیگر کتب سے اُس کے بحیثیت کنفیوشی عالم کے کارناموں سے متعلق علم حاصل ہو سکتا ہے۔ کنفیوشس کی طرح مینیئس بھی مذہب میں زیادہ دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ اس کی تحریروں میں بہت کم دیوتاؤں کا ذکر ملتا ہے اور لوگوں کو رواجی چینی دیوتاؤں کی پرستش کی طرف لوٹ آنے پر ہرگز اصرار نہیں کیا

---

[1] اُس کا اصل نام مینگ اور ذاتی نام "کاؤ" تھا مگر مغربی دانشوروں نے اُس کے نام کو چینی زبان میں مینیئس کر دیا۔

گیا۔ مینسیئس کی مرکزی اخلاقی حالت انسان کی فطری اچھائی کے بارے میں کنفیوشس کی تعلیمات کا نفاذ نو تھا۔ اگرچہ یہ تعلیم کنفیوشس کے ہاں زیادہ واضح نہیں، مگر مینسیئس کی فکر میں یہ بے حد نمایاں ہے۔ موخرالذکر نے زور دیا کہ انسانی فطرت بنیادی طور پر اچھی ہے۔ اُس نے مشاہدہ کیا کہ تمام لوگ اچھے اعمال نہیں کرتے مگر ایسا اُن کے ماحول کی وجہ سے ہے۔ موزوں اور سازگار ماحول مہیا کرنے سے ممکن ہے کہ تمام لوگ نیک ہو جائیں۔ فطری بات ہے کہ ایک کنفیوشس پرست کے لیے بہترین ماحول وہ ہے جو ایسی پدری جاگیرداری پر مبنی حکومت میں موجود ہوتا ہے جو لوگوں کی فلاح کے لیے کام کرتی ہے۔ اس طرح اُس نے جاگیردار جابر حاکم اور دانشور بادشاہ کے درمیان امتیاز قائم کیا۔

> جو طاقت کو استعمال کرتا اور نیکی کا دکھاوا کرتا ہے وہ پا (pa) یعنی جابر (tyrant) ہے۔ نیک اعمال کے ذریعہ انسانوں سے ہمدردی کرنے والا بادشاہ ہے--- جب کوئی زبردستی لوگوں کو مطیع بناتا ہے تو وہ دل سے اطاعت نہیں کرتے بلکہ صرف اس لیے کہ ان کی طاقت ناکافی ہوتی ہے۔ جب کوئی نیکی کے ذریعہ مطیع بناتا ہے تو وہ دل و جان سے اطاعت کرتے اور خوش ہوتے ہیں۔[1]

چونکہ جنگ نے انصاف اور باعزت حالات کی ممکنات کو ختم کر دیا جن کے تحت انسانی نیکی ترقی کر سکتی تھی، لہٰذا مینسیئس جنگ کے خلاف تھا۔ دوسری طرف چونکہ لوگ کسی بھی ریاست میں سب سے اہم حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے مینسیئس کا خیال تھا کہ اگر حکومت استبدادی ہو تو لوگوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے۔ مینسیئس نے بیشتر حوالوں سے کنفیوشس کی تعلیمات کو نمایاں کیا، اور دیگر طریقوں سے کنفیوشسی قانون میں اپنے نمایاں تصورات کو شامل کیا۔

دوسرا مشہور کنفیوشسی مبلغ ہیون تزو تھا جس کا تعلق مینسیئس کے بعد کے دور (298-238 ق-م) سے تھا۔ مینسیئس کو کنفیوشس کا راسخ العقیدہ مفسر اور ہیون تزو کو

---

[1] کتاب مینسیئس، 4.2a۔

منحرف العقیدہ مفسر سمجھا جاتا ہے: تاہم' ہیون تزو نے اپنے دور میں وسیع اثرات مرتب کیے۔ بعض مستند افراد اُسے ہان سلطنت (Han Dynasty' 206 ق-م تا 220 عیسوی--) کے دوران کنفیوشس مت کے ارتقاء کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ وہ چاؤ (Chao) کا مقامی اور قابل احترام محقق و عالم تھا۔ اپنے آخری سالوں میں اُس نے لان لنگ (Ian-Ling) کے شہر میں بحیثیت مجسٹریٹ خدمات سرانجام دیں۔ اِن بین حقائق کے علاوہ ہم اُس کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔

ہیون تزو کو کنفیوشسی نظریات میں دو بنیادی اضافوں کی وجہ سے شہرت ملی۔ اول یہ کہ وہ خود کنفیوشس سے زیادہ اختراع کے طور پر رسوم (لی) کی افادیت پر یقین رکھتا تھا جو لوگوں کو متحد کرتی اور تعلیم دیتی تھیں۔

> رسوم کی اصل کیا ہے! میں کہتا ہوں کہ انسان خواہشات لے کر پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ خواہش کردہ چیز حاصل نہیں کر پاتا تو اس کی جستجو کر سکتا ہے۔ اگر اُس کی جستجو کی کوئی حدود و قیود نہ ہوں تو وہ دوسروں کے ساتھ جھگڑ سکتا ہے۔ جھگڑا بد نظمی تک لے جاتا ہے اور بد نظمی بربادی پر منتج ہوتی ہے۔ چونکہ قدیم بادشاہ اس قسم کی بد نظمی سے نفرت کرتے ہیں اس لیے انہوں نے انسانی خواہشات کی افزائش اور انسان کے مطالبات پورے کرنے کے لیے رسوم اور اخلاقی قوانین قائم کیے۔ انہوں نے اس بات کو ممکن بنایا کہ انسانی خواہشات مادی وسائل کو تباہ نہ کریں اور مادی وسائل خواہشات کا گلا نہ دبائیں۔ خواہشات اور مادی وسائل دونوں ایک دوسرے کو قائم رکھتے اور یوں ترقی پاتے ہیں۔ اس طرح رسوم کا آغاز ہوا۔..[1]

ہیون تزو کا دوسرا اور زیادہ مشہور کارنامہ اس کی انسانیت کی بنیادی خیر و بھلائی کی تردید ہے۔ مینسیئس کی تعلیمات کے برعکس ہیون تزو نے انسان کے بنیادی طور پر شر ہونے پر بحث کی۔ اُس کا یقین تھا کہ نیکی صرف مناسب تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] "ہیون تزو" باب 19۔

لہٰذا معاشرے کی بقا کے لیے تربیت' قوانین اور پابندی ضروری ہیں۔ اِس بات نے رسوم کو زیادہ اہم بنا دیا ہے کیونکہ رسوم کے ذریعہ ہی لوگ موزوں زندگی بسر کرنے کی تربیت پاتے ہیں۔ اس تعلیم میں ہیون تزو کا یہ عقیدہ بھی شامل ہو گیا کہ آسمان کی ارواح بنیادی طور پر غیر شخصی قوتیں تھیں۔ اسی بناء پر ہیون تزو تمام ابتدائی کنفیوشسی دانشوروں میں سب سے زیادہ غیر مذہبی نظر آتا ہے۔

ہان سلطنت (Han Dynasty) کے اُبھرنے سے چینی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہ افراتفری اور سیاسی نشیب و فراز کا دور تھا۔ ہان حکمرانوں کو اقتدار سنبھالنے کے بعد بہت زیادہ تعداد میں منتظمین اور مشیروں کی ضرورت تھی۔ سیاسی نظریہ سازوں کی اس مانگ نے کئی دانشوروں کو اپنی طرف کھینچا جو کنفیوشس کے شاگردوں سے تربیت یافتہ تھے۔ کنفیوشس پرستوں کا مقام 136 ق-م میں مزید مستحکم ہوا جب انہیں چینی نوجوانوں کی تعلیم کا فریضہ سونپا گیا' خصوصاً اُن نوجوانوں کی تربیت جنہیں آخرکار حکومت سنبھالنا تھی۔ اُس وقت سے لے کر 1905 عیسوی تک کنفیوشس کی تعلیمات کو چینی تعلیم میں شامل رکھا گیا ہے۔ اُستاد کنگ خود کوئی ایسا نظام قائم نہ کر سکا تھا جس میں اُس کا فلسفہ چین کے مستقبل پر اثرانداز ہوتا۔

کنفیوشس مت کی چین کی بڑھتی ہوئی تعلیمی نظریے کے طور پر ترقی سے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہان سلطنت میں کنفیوشس کا اپنا ایک مسلک بھی ترقی پا گیا۔ لو (Lu) کی ریاست کے حاکم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے کنفیوشس کی موت کے بعد اُس کا سوگ منایا اور اُس کے لیے مقبرہ تعمیر کیا۔ تاہم' ہان حکمرانوں کی آمد اور کنفیوشسی دانشوروں کے بڑھنے کے ساتھ اُس کی تعظیم ڈرامائی انداز میں بڑھ گئی۔ 195ق-م میں پہلے ہان شہنشاہ نے کنفیوشس کی قبر پر حاضری دی اور ایک سؤر' بھیڑ اور بیل کو اُس کی بھینٹ چڑھایا۔ پچاس برس بعد کنفوشس کے لیے ایک معبد اُس کے مقامی قصبے میں تعمیر کیا گیا۔ 8 قبل مسیح میں اُس کے وارثوں کو خطاب اور زمین دی گئی۔ بعد از موت خطابات سے نوازنے کا عمل خود کنفیوشس سے شروع ہوا' اور اُسے ڈیوک (Duke) کا خطاب دیا گیا۔ رفتہ رفتہ پورے چین میں معبدوں اور تقاریب کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ چھٹی صدی عیسوی میں چین میں ہر کشنری میں کنفیوشس کا

معبد قائم تھا اور بعض لوگ اسے دیوتا سمجھ کر وہاں آتے۔ تاہم، کنفیوشس کے حوالے سے کبھی کوئی عوامی مذہب ترقی نہ پایا۔ اُسے عموماً سرپرست بزرگ یا چینی عالم کا اجداد سمجھا جاتا تھا اور اُسے کسی اجداد کی طرح بھی یاد کیا جاتا اور اُس کی تعظیم کی جاتی۔ کنفیوشسی مسلک کی نشوونما 1503ء میں ہوئی جب کنفیوشس کی شبیہیں معبدوں سے مٹا دی گئیں اور ان کی جگہ پر اُس کی تعلیمات کی حامل لکڑی کی تختیاں رکھ دی گئیں۔ مزید برآں تمام خطابات ختم کر دیئے گئے اور اُسے "گروکنگ' قدیم دور کا مکمل استاد" سمجھا جانے لگا۔ 1906ء میں کینفوشسی مسلک کو کسی حد تک اصل شان و شوکت تک واپس لانے کی کوشش کی گئی، مگر عوامی جمہوریہ چین کی پیدائش کے ساتھ ہی "عظیم قربانیوں" کے ساتھ ساتھ کنفیوشس کو دی جانے والی قربانیاں بھی ترک کر دی گئیں۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Giles, Herbert A. *Religions of Ancient China*. Freeport, N.Y.: Books for Libraries Press, 1969.

2) Smith, D. Howard. *Chinese Religions*. New York: Holt, Rinehart and Winston, 1968.

3) Thompson, Laurence G. *The Chinese Way in Religion*. Encino, Calif.: Dickenson Publishing Company, 1973.

4) Waley, Arthur. *The Way and its Power*. London: George Allen and Unwin, 1956.

5) Yang, Y. C. *China's Religious Heritage*. New York: Abingdon-Cokesbury Press, 1943.

تیرھواں باب

شِنتومت

خدا کو خود سے دور نہ سمجھو بلکہ اُسے اپنے دل میں تلاش کرو' کیونکہ دل خدا کا مسکن ہے۔ آسمان میں تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا اور انسان کو اپنے پڑوسی سے محبت کرنا سکھانے والا وہی ہے' اس لیے اس بارے میں شک نہ کرو کہ آسمان دل کی اچھائی کو پسند اور اس کے متضاد کو ناپسند کرتا ہے۔ آسمان اور اپنے اجداد کی تکریم و تحریم "بزرگوں کی راہ" کی اساس ہے۔ (میورو کیوسو)

جاپانیوں کا ایک ڈھیلے ڈھالے طور پر منظم مقامی مذہب شنتو اپنے اندر عقائد اور وظائف کی گوناں گونی لیے ہوئے ہے۔ درحقیقت یہ تنوع اس قدر وسیع ہے کہ شنتو کو ہندومت والے انداز میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا ہم اس کے دائرے میں آنے والے شعبوں کی ایک فہرست بنا سکتے ہیں۔ شنتو بنیادی طور پر جاپانی جذبہ حب الوطنی کی ایک ولولہ انگیز مذہبی صورت ہے۔ اس کی اسطوریات جاپان کی صورت گری کو باقی تمام جگہوں کی نسبت برتر بیان کرتی ہے۔ اس کے مقبرے جاپانی تاریخ کے عظیم سورماؤں اور واقعات کی یادگار ہیں۔ تاریخی طور پر جاپانی لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ اُن کے شہنشاہ باقاعدہ طور پر سورج دیوتا کے اخلاف تھے۔ مبصرین نے اکثر جاپانی شنتو

کا موازنہ واشنگٹن کے مقبرے، گیٹس برگ یا الاموکی زیارت پر جانے والے امریکیوں کے ساتھ کیا ہے۔ غالباً قریب ترین موزانہ امریکی قصبات اور دیہات میں یادگاری دن کے موقع کے ساتھ ہو گا جب عام لوگ جنگی شہداء کی قبر پر جاتے، قوم کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور بہار یہ شام کی خوبصورتی میں قومی تاریخ کے عظیم واقعات کو یاد کرتے ہیں۔[1]

مزید یہ کہ شنتو جاپانیوں کے زمین کی خوبصورتی خصوصاً پہاڑوں کے لیے عقیدت مندانہ رویے کو ظاہر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں ارواح پرستی اور اجداد پرستی کے مختلف پہلو شامل ہوں جیسا کہ عام لوگ کیا کرتے ہیں۔ مزید بر آں یہ پورے جاپان میں لاتعداد مقبروں میں ہونے والی مذہبی سرگرمی کا احاطہ کرتا ہے۔۔۔ جسے 1945ء سے پہلے حکومت کا مالی تعاون حاصل تھا۔۔۔ مقبروں اور جاپانی گھروں میں ہونے والی سادہ رسوم، بنیادی شنتو سے ترقی پانے والے اعلیٰ منظم اور سرگرم مذہبی فرقے جنہوں نے بنیادی شنتو میں سے ترقی پائی ہے۔ لہٰذا شنتو کی اصطلاح کو مختلف جاپانی مذہبی اور قومی رسومات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی تک یہ لفظ باقاعدہ طور پر اختراع نہ کیا گیا تھا۔ اسے بدھ مت، تاؤ مت اور کنفیوشس مت کے دور میں چین اور کوریا سے آنے والے نئے مذاہب سے مقامی جاپانی مذاہب کو امتیاز کرنے کے لیے رائج کیا گیا۔ لفظ "شنتو" درحقیقت چینی الفاظ "شن (Shen) اور تاؤ (Tao) سے لیا گیا ہے۔" جسے عموماً "دیوتاؤں کی راہ" کے حوالے سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس مقامی مذہب کو بیان کرنے والی جس اصطلاح کو ترجیح دی جاتی ہے وہ کامی نو مچی (Kami–no–michi) ہے، اس کو بھی "دیوتاؤں کی راہ" کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] یادگاری دن کی امریکی شنتو کے طور پر تفصیل کے لیے دیکھیے: "امریکی زندگی، خواب اور حقیقت" مصنف (W.Lloyd Warner) (شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس 1953) صفحہ 12–1

شنتو کی تاریخ

شنتو' 300 عیسوی سے قبل:

اسطوریاتی روایت کے مطابق پہلے جاپانی شہنشاہ کی تخت نشینی ساتویں صدی قبل مسیح میں ہوئی مگر بیشتر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ جاپان کی اصل تاریخ تیسری صدی عیسوی سے قبل شروع نہیں ہوتی۔ اس مرحلے پر جاپانی لوگ دیگر اقوام سے آگاہ ہوئے اور انہوں نے تاریخی ریکارڈ سنبھالنے شروع کیے۔ لہٰذا جاپان کی ثقافت تمام ایشیائی اقوام سے جدید ہے۔ اس دور سے پہلے جاپانیوں کی کسی قطعی پرستش کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مت کی آمد سے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ جاپانیوں نے مقامی مذہب کو چینی اور کوریائی لوگوں کے لائے گئے مذاہب سے ممتاز کرنے کے لیے کامی نو مچی کے زیر عنوان اپنی مختلف اسطوریات اور رسومات اکٹھی کیں۔ اس سے پہلے غالباً جاپانی پرستش ڈھیلے ڈھالے ڈھانچے اور مختلف رسومات کے وسیع مجموعے پر مشتمل تھی۔ یہ اسطوریات لاتعداد دیوتاؤں' دیویوں' اجداد پرستی اور ارواح پرستی کی بیشتر قسموں کی اجازت دیتی تھی۔ مختلف کامی کی پرستش کے لیے تمام جاپانی جزیروں پر مقبرے قائم قائم کیے گئے اور اجداد و کامی کی پرستش کے لیے الگ الگ معبد قائم کیے گئے۔ اماتیراسو اور سوسانو غالباً سب سے مقبول دیوتا تھے اور وہ اپنے لیے بنائے گئے معبدوں اور ذاتی گھروں میں اپنے حصے سے زیادہ توجہ وصول کرتے تھے۔ ان بہت عمومی بیانات کے علاوہ جاپانی عبادت کے قبل از تاریخ دور کے حوالے سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔

شنتو پر چینی اثرات:

اپنی تاریخ کے آغاز میں جاپان چینی اور کوریائی تاجروں اور پروہتوں کے لیے دلچسپی کا مرکز بن گیا۔ یہ لوگ چین کی قدیم ثقافت کا ایک بڑا حصہ بشمول اس کے فنون' زبان اور حروف تہجی کے اپنے ساتھ لائے اور بلاشبہ اس کے مختلف مذاہب اور

اخلاقیاتی نظام بھی۔ چوتھی صدی عیسوی کے بعد جاپانی بدھ مت' تاؤ مت اور کنفیوشس مت کے زیر اثر آ گئے۔ ان سب نے جاپانی تہذیب پر قطعی اثرات مرتب کیے۔ کوجیکی (Kojiki) جاپان میں چینی ثقافت کی آمد کو ریکارڈ کرتا ہے۔

پندرہویں شہنشاہ' ملکہ جنگو کے بیٹے اوجن کے عہد حکومت میں کچھ پناہ گزینوں نے سِلا (Silla) کو عبور کیا' نیز پیکچے کے بادشاہ نے ایک گھوڑا اور ایک گھوڑی بطور خراج پیش کیا جنہیں گرو آچیکی کے ہمراہ بھیجا گیا (آچیکی منشیوں کے قبیلے کا جد امجد بنا)۔ اُس نے خراج میں ایک تلوار اور ایک بڑا آئینہ بھی پیش کیا۔ تب شہنشاہ نے پیکچے کو حکم دیا کہ وہ اپنے ملک میں سے ایک دانا آدمی کو بھی بطور خراج بھیجے' جس پر گرو وانیکی نامی شخص کو دس جلدوں پر مشتمل کنفیوشس کی "گلدستہ تحریر" اور ایک جلد میں ""Thousand character classic" کل گیارہ جلدیں بھیجیں۔ پیکچے نے دو دستکار' ایک کوریائی لوہار اور چینی جولاہا بھی پیش کیے۔ تب وہاں "ہاتا" قبیلے کے سرداروں کا جد امجد آیا جو شراب کشید کرنے کا فن جانتا تھا اس کا نام نیہو تھا اور وہ سوسوکوری و دیگر ناموں سے بھی بلایا جاتا تھا۔ اس سوسوکاری نے کچھ شراب کشید کر کے شہنشاہ کو پیش کی جس نے اسے بہت پسند کیا۔ (Kojiki' باب 104)

آنے والے سالوں میں چین اور جاپان کے درمیان تعلقات وسعت اختیار کر گئے۔ اس دور سے پہلے جاپانیوں کے پاس تحریری زبان نہ تھی۔ انہوں نے بعد میں چینی رسم الخط اور چینی ثقافت کے دیگر عناصر کو اپنا لیا۔ اس دور میں جاپان پر جاگیرداری نظام اقتدار سنبھالے ہوئے تھا' لہٰذا کنفیوشسی اخلاقیات کا خیر مقدم کیا گیا۔ اجداد پرستی جاپان میں پہلے ہی رائج تھی لہٰذا فرزندانہ احترام پر زور دینے والے کنفیوشسی اور تاؤ عناصر کو جاپان میں فوراً قبول کر لیا گیا۔ چینی فنون' خصوصاً بدھ رسومات سے متعلقہ فنون کو بھی اختیار کیا گیا۔ الختصر' چوتھی اور آٹھویں صدیوں کا درمیانی دور جاپان میں ڈرامائی تبدیلیوں کا دور تھا۔

بدھ مت کی چین اور کوریا سے آمد جاپان کی مذہبی روایات کے ارتقاء میں نہایت

اہم ہے۔ جاپانی تاریخ کے مطابق 522 عیسوی میں پہلی مرتبہ چین سے مہایان بدھ مت متعارف ہوا۔ اُس سال جاپان کے شہنشاہ کو بدھ کی شبیہہ اور بدھ تحریروں کی کئی جلدوں کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اگرچہ بادشاہ بہت خوش تھا مگر اُس کے مشیروں نے اُسے تنبیہہ کی کہ ایک بیرونی دیوتا کا تعارف شاید مقامی کامیوں کو ناراض کرنے کا باعث بنے۔ شنتو کے کثرت پرستانہ رویے کی روشنی میں یوں دکھائی دیتا ہے کہ ان کی تنبیہہ نظریاتی اساس سے زیادہ بیرونی ثقافت کے خوف اور بے اعتباری پر مبنی تھی۔ بدھ کے تعارف کے کچھ ہی عرصہ بعد جاپان میں ایک خطرناک وباء پھوٹ پڑی۔ اس خوف سے کہ یہ کسی ناراض کامی کی وجہ سے ہے' بادشاہ کو مجسمہ نہر میں پھینکنا پڑا اور بدھ کے لیے تعمیر کردہ معبد جلا دیا گیا جس کے نتیجے میں مملک بیماری ختم ہو گئی۔

تاہم بدھ مت کو اتنی آسانی سے جاپان سے ختم نہ کیا جاسکا۔ آنے والی نسلوں میں بدھ کے دیگر مجسموں کو عبادات' رسومات اور بودھی سحر کے ساتھ متعارف کرایا گیا۔ چھٹی صدی کے اختتام پر مہایان بدھ مت جاپان میں اپنے قدم جما چکا تھا۔

بدھ مت کی طرف جاپانی رد عمل چاروں سمتوں میں تھا۔ اول مقامی جاپانی مذہب کو نئے بیرونی مذہب سے الگ کرنے کے لیے شنتو یا "کامی نو مچی" کے نام کا تعارف ہوا۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں' یہ غالباً پہلا موقع تھا جب جاپانیوں نے درحقیقت اپنی مقامی عبادت کو بطور منفرد مذہب کے خیال کرنا شروع کیا۔

دوسرا رد عمل شنتو کے جاپانی حمایتیوں کے لیے تھا جو شنتو کو بدھ مت کے متعدد بدھوں اور بودھستوؤں کو تسلیم کرنے پر زور دیتا ہے مگر انہیں ہندوستان اور چینی لوگوں کے لیے کامی کی پیشگوئی بھی سمجھتا ہے۔ بدھ پرستوں کو بلاشبہ فکر کی اس سمت کو موڑنا اور کامیوں کو بدھ اور بودھستو کی جاپانی پیشگوئی کے طور پر تسلیم کرنا پڑا۔

بدھ مت کے لیے تیسرا رد عمل شنتو اور بدھ مت کے درمیان مفاہمت تھی' جس نے چھٹی اور نویں صدی کے درمیان جاپان میں ترقی پائی اور اسے "Ryobu" یعنی "دو پہلو" شنتو کا نام دیا۔

رفتہ رفتہ مختلف شنتو کامی اور بدھ دیوتاؤں کے مابین شناخت قائم ہوئی۔ آہستہ آہستہ دونوں مذاہب کے درمیان کھڑی دیواریں ختم ہو گئیں۔ شنتو عبادت گاہوں میں

بدھ پروہتوں کی خدمات بھی شامل ہوگئیں۔ ان معبدوں میں ہونے والی رسوم دونوں مذاہب کے درمیان تھوڑی ہی مختلف تھیں۔ بدھ تعمیراتی عناصر شنتو معبدوں میں شامل کردیئے گئے۔ بالعموم جاپانی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہونا شروع ہوگئی۔ روز مرہ زندگی کے امور شنتو مذہب کا میدان بن گئے جبکہ حیات بعد الموت سے متعلقہ میدان بدھ پرستوں کے حصے آیا۔

اس طرح جاپانی روایتی شہری کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ شنتو پرست پیدا ہوتا اور بدھ پرست ہوکر مرتا۔ دس صدیوں تک شنتو اور بدھ مت جاپان میں لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

بدھ مت کے لیے چوتھا جاپانی ردعمل بدھ مت کی بعض جداگانہ جاپانی صورتوں کا ارتقاء تھا۔ مہایان بدھ مت بے حد لچکدار مذہب ہے جو بیشتر انحرافات کی اجازت دیتا ہے۔ یہ کسی حد تک درست ہے کہ اسے بدھ مت کے مذہب کی واحد شاخ کی بجائے مذاہب کا مجموعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ بدھ مت کے جاپان میں داخلے کے چند صدیوں بعد ہی بودھی نظریئے میں نئی تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں۔ بدھ مت نے مراقبے (دھیان) پر مذہبی سچائی کی بصیرت کے ذریعے کے طور زور دیا۔ چینی بدھ پرستوں نے اسے بدھ دھرم کے تبلیغی کام کی مدد سے آگے پھیلایا اور اسے چہ آں کا نام دیا' مگر ریاضت پسند بدھ مت کو زین (Zen) کے زیر عنوان اس کے عروج تک پہنچانا جاپانی لوگوں کا ہی کام تھا۔ اس طرح جاپانیوں نے بدھ مت کی دیگر اقسام مثلاً خالص زمین (Pure land) اور نیچی رن (Nichiren) کو ترقی دی۔ یہ اور بدھ مت کی دیگر اقسام جاپان میں اس قدر مقبول ہوگئیں کہ اگرچہ شنتو ان کے ساتھ گھل مل گیا' مگر اسے جاپانی لوگوں کے لیے ایک باقاعدہ اور مذہب کی حیثیت سے تقریباً بھلایا جاچکا تھا۔

شنتو کی حیات نو:

آٹھویں صدی سے بعد شنتو اور بدھ مت ایک دوسرے میں ایک قدر ردغم ہوگئے کہ شنتو تقریباً ختم ہوچکا تھا۔ باایں ہمہ اکثر ایسے مصلح سامنے آئے جنہوں نے جاپان کے مقامی مذہب کو دوبارہ زندہ کرنے کی خواہش کی۔ چودہویں صدی سے پہلے تک بیشتر

دانشوروں نے شنتو کی طاقت کو سامنے لانے اور لوگوں میں اس کی ممتاز حیثیت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ تاہم سترہویں صدی اور ٹوکوگاوا عہد 1600ء تا 1867ء تک شنتو اپنا وہ مقام حاصل نہ کر سکا جس کی اُسے ضرورت تھی۔

یہ وہ دور تھا جس میں جاپانی لوگ سخت ذہن فوجی قائدین کے زیر اثر یکجا تھے جو قوم کو بیرونی اثرات سے الگ رکھنے کے خواہشمند تھے۔ چونکہ بدھ مت اور عیسائیت جیسے مذاہب بیرونی پیداوار تھے لہٰذا انہیں ایک طرف پھینک دیا گیا؛ شنتو کو جاپان کا مقامی مذہب ہونے کی وجہ سے قوی حکومت کی طرف سے نئی قوت اور مدد ملی۔ کنفیوشس مت کا جاپانی ڈھنگ واحد بیرونی نظام تھا جس کو اس دور میں تعاون حاصل رہا کیونکہ کنفیوشسی اخلاقیات ٹوکوگاوا (Tokogawa) حکمرانوں کی فوجی قیادت کی معاون تھیں۔

ٹوکوگاوا دور حکومت کے دوران جاپانی طرز زندگی کا سب سے نمایاں پہلو جاگیردار نائٹ (Knights) تھے جنہیں ساموررائی (Samurai) کہا جاتا تھا۔ جاپان کی پوری تاریخ میں جنگجو خود کو حکمرانوں کے پہریدار کی حیثیت سے بھاڑے پر دیتے، مگر ٹوکوگاوا کے دور میں ساموررائی کو مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا اور اس کے لیے ضابطہ قانون بنایا گیا۔ سترہویں صدی میں حکومت نے کنفیوشس مت کا مخوشی مکتبہ فکر طبقہ امراء کے لیے راسخ العقیدہ نمونے کے طور پر قائم کیا۔ اس مکتب کے راہنماؤں میں سے ایک یاماگا سوکو (1685ء۔1622ء) تھا جس نے شنتو اور کنفیوشس مت کو ملانے کی بات کی تاکہ جنگجو ضابطہ 'بوشیدو (Bushido) یعنی "جنگ کرنے والے نائٹ کی راہ" کو بنا سکے۔ جاپانی جاگیردار نائٹ کے لیے قائم کردہ معیاری طرز عمل ایسا ہی تھا جیسا کہ ماسوائے رومانوی محبت کی کسی بھی صورت کے بغیر قرون وسطیٰ کے یورپ کے مثالی عیسائی نائٹ کے لیے تھا۔ عموماً بوشیدو کو مندرجہ ذیل شقوں میں مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے۔

1۔ ساموررائی جاگیردارنہ نظام حسب مراتب میں اپنے آقا سے وفادار رہنے کا پابند تھا۔ اس وفاداری کی حدود کو جاپانی ادب کی ایک مشہور ترین کہانی "سنتالیس رونن کا قصہ" میں بیان کیا گیا۔ نہایت مختصراً بتایا گیا ہے کہ 1702ء میں کسی سرکاری افسر نے ایک حکمران کی توہین کی۔ اُس نے تلوار کھینچی اور افسر کو زخمی کردیا۔ اپنی حرکت کی وجہ سے اُسے خودکشی کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی

جائیداد حکومت نے ضبط کر لی۔ اُس کی ملازمت میں سینتالیس ساموراِئی تھے جو اپنے آقا کی موت سے لے کر بعد تک سرکاری طور پر رونن (مالک کے بغیر ملازم) کہلائے گئے۔ ان نائٹس نے اپنے آقا کے خلاف کیے گئے ظلم و بے انصافی کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ کسی بھی شک و شبہ سے بچنے کے لیے وہ منتشر ہو گئے اور عوام کے ساتھ گھل مل گئے جیسے اُن کا اپنے آقا سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ جب اُن کے دشمنوں کا پہرہ ختم ہوا تو وہ اکٹھے ہوئے' اپنے مالک کی توہین کرنے والے شخص کے قلعے پر حملہ کیا اور اُسے مار دیا۔ پھر انہوں نے خاموشی سے اپنے لیے خودکشی کی سزا کا انتظار کیا۔ اس طرح سینتالیس رونن وفاداری کی اعلیٰ مثال بن گئے جو ساموراِئی اپنے ملکوں کے لیے رکھتے تھے۔

2۔ ساموراِئی میں زندگی' میدان جنگ اور اپنے مالک کے لیے زندگی لٹا دینے کی نہایت جرات مندانہ آمادگی ہونی چاہیے۔

3۔ سب سے بڑھ کر ساموراِئی کو باعزت شخص ہونا چاہیے۔ وہ بے عزتی پر موت کو ترجیح دیتا ہے اور اپنی زندگی کو ختم کرنے کی توقع رکھتا ہے بجائے اس کے کہ اسے کسی ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے جس میں اُس کی تذلیل ہو۔

4۔ سچے کنفیوشی ہونے کے ناطے ساموراِئی سے توقع کی جاتی ہے کہ اپنے مالک اور اپنے سے اعلیٰ مرتبے پر فائز لوگوں کے ساتھ مشفقانہ رویہ اختیار کرے۔ تاہم یہ شرافت اور نرمی معاشرے کے ہر فرد کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔ ایسے ساموراِئی کی کہانیاں موجود ہیں جنہوں نے جنگ کا کوئی موقع نہ ملنے پر اپنے مزارعوں پر تلواریں تان لینا بجا اور جائز خیال کیا۔ ایک ایسے ہی شخص کی قدیم داستان موجود ہے جس نے اپنی تلوار سے کسان پر سات مرتبہ حملہ کیا اور جب تک کہ کسان آٹھ ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر گر نہ پڑا اُس نے اُسے نہ چھوڑا۔ یہ کہانی ساموراِئی تعلیمات میں ملتی ہے۔

5۔ کسانوں کی طرف اپنے رویے کے برعکس ساموراِئی سے ہر لحاظ سے شرافت کی توقع کی جاتی ہے۔ اُس کو اچھے کام کرنے والا' غلط کو صحیح اور بے انصافی کے شکار لوگوں کو انصاف مہیا کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ جاپان کی مشہور فلم

"The Seven Samurai" غالباً اس قسم کے انصاف کی اچھی مثال ہے۔

ذلت سے پہلے سامورائی کی خودکشی کے لیے رضامندی اور خودکشی کی طرف جاپانی لوگوں کے مجموعی رویے نے مغربی لوگوں کو بڑے عرصے تک حیرت میں مبتلا رکھا۔ بیشتر یورپی مذہبی روایات خودکشی کے خلاف تعلیم دیتی ہیں مگر جاپان میں خودکشی کی ذلت سے بچنے' زندگی میں برے حالات سے فرار پانے' احتجاج کرنے اور جنگ عظیم دوم میں دشمن کے بحری جنگی جہازوں کو تباہ کرنے کی انتہائی پُراثر ذرائع کے طور پر حوصلہ افزائی کی جاتی رہی ہے۔ غالباً دنیا کی تاریخ میں کسی ثقافت نے خودکشی کی طرف ایسا رویہ نہیں اپنایا۔

بوشیدو میں جنگجو خود کو بہت آہستہ' درد بھرے انداز "Seppuku" میں مارتا ہے (مغربی لوگ اس کے لیے "Harakiri"[1] کی اصطلاح کو ترجیح دیتے ہیں جس کا مطلب ہے "پیٹ کے بل رینگنا۔" اس میں پیٹ کی آنتیں باہر نکال کر خودکشی کی جاتی ہے۔ مناسب وقت پر جنگجو سے اپنے پیٹ کو اس طرح کھولنے کی توقع کی جاتی ہے کہ اُس کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ اس طرح وہ انتہائی آہستہ اور درد بھرے انداز میں مرتا۔ حال ہی میں یہ طریقہ مروج ہوگیا ہے کہ خودکشی کرنے والے کا ایک دوست قریب ہی کھڑا رہتا ہے اور چیر پھاڑ کا عمل مکمل ہونے کے بعد وہ سر کو تن سے جدا کرتا ہے۔ اس قسم کی موت جنگجو بہادروں اور اعلیٰ مقام کے افراد کے لیے مخصوص تھی۔ عورتوں اور کسانوں کو Seppuku کی اجازت نہ تھی اور ان سے توقع کی جاتی کہ اپنا گلا گھونٹ کر جلدی سے خودکشی کرلیں۔ اے بی مٹفورڈ' انیسویں صدی میں جاپان کی انگریز قونصلیٹ کا سیکرٹری' کو خودکشی کی رسم دیکھنے کی اجازت دی گئی اور اُس نے واقعہ کو مندرجہ ذیل طریقے سے ریکارڈ کیا:۔

> وہ بدبخت شخص' بزن کے بادشاہ کا اہلکار' تکی زین زابورو تھا جس نے فروری 1868ء میں ہیوگو کی غیر ملکی آبادی پر حملے کا حکم دیا۔

---

[1] آپ کو یہ اصطلاح مسخ شدہ انداز میں ہیری کیری "Harry karry" کی صورت میں سنائی دے گی۔

یہ تقریب، جس کا حکم خود میکاڈو نے دیا تھا' ہیوگو کے مقام پر ساتسوما فوج کے ہیڈ کوارٹر "سیفو کو جی" کے معبد میں رات کو ساڑھے دس بجے ہوئی۔ ہر غیر ملکی سفیر کو نظارہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ ہم سب سات غیر ملکی تھے۔ تشویش ناک تجسس کے چند منٹوں کے وقفے کے بعد ایک بارعب' بتیس سالہ سورما تکی زین زابورو تقریباتی لباس میں ہال میں داخل ہوا۔ اُس نے پٹ سن کے پر لگا رکھے تھے جو خاص موقع پر پہنے جاتے تھے۔ اُس کے ہمراہ ایک "کائی شاکو (Kaishaku) اور تین افسران تھے جنھوں نے جمباؤری یا جنگی لباس پہن رکھے تھے۔ یاد رہے کہ لفظ کائی شاکو انگریزی زبان کے لفظ (جلاد) Executioner کا ہم معنی نہیں ہے۔ یہ عہدہ ایک جینٹلمین کا ہے: متعدد صورتوں میں مجرم کا کوئی دوست یا رشتہ دار یہ فریضہ سرانجام دیتا ہے اور اُن کے درمیان تعلق مجرم اور جلاد کی بجائے اول اور دوم درجے کا ہوتا ہے۔ اس مثال میں کائی شاکو تاکی زین زابورو کا شاگرد تھا اور اسے موخرالذکر کے دوستوں نے اکثریتی رائے سے اُس کی ماہرانہ تلوار بازی کی بنیاد پر چُنا تھا۔

تاکی زین زابورو کائی شاکو کو اپنے دائیں طرف رکھ کر آہستہ آہستہ جاپانی گواہوں کی جانب بڑھا' اور دو اُن کے سامنے جھکے' پھر غیر ملکیوں کے نزدیک آکر انھوں نے ہمیں بھی اس طریقہ سے آداب کیا... شاید کچھ زیادہ احترام کے ساتھ: ہر دو صورتوں میں سلام کا روایتی انداز میں جواب دیا گیا۔ مجرم دھیرے دھیرے اور عظمت و وقار کے ساتھ اونچے چبوترے پر چڑھا' بلند قربان گاہ کے سامنے دو مرتبہ جھکا اور پھر اُس کی جانب پشت کرکے اُونی قالین پر بیٹھ گیا۔ جبکہ کائی شاکو اُس کے بائیں طرف جھکا ہوا تھا۔ تب تین منتظم افسروں میں سے ایک آگے آیا جس نے معبدوں میں بھینٹوں کے لیے استعمال ہونے والی قسم کا ایک سٹینڈ اُٹھار کھا تھا: اُس سٹینڈ پر جاپانیوں کی چھوٹی تلوار (واکی زاشی) کاغذ میں لپٹی ہوئی رکھی گئی جس کی لمبائی ساڑھے نو انچ اور نوک و دھار اُسترے سے تیز تھی۔ اُس نے جھک

کر یہ تلوار مجرم کو پکڑا دی: مجرم نے اسے احترام کے ساتھ وصول کیا' دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے سر تک بلند کیا اور پھر اپنے سامنے رکھ دیا۔

ایک اور رسم بندگی کے بعد تاکی زین زابورو نے جذبات و تذبذب سے عاری آواز (جس کی توقع ایسے شخص سے نہیں کی جا سکتی جو ایک دردناک اعتراف کرنے والا ہو) میں بے تاثر چہرے کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ بولے: "صرف اور صرف میں نے بلا اجازت کوبے (Kobe) میں غیر ملکیوں کو مارنے کا حکم دیا' اور اُس وقت بھی جب انہوں نے بچ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ اس جرم کے باعث میں خود کو آنتیں کھنچوانے کی سزا دیتا ہوں' اور یہاں موجود لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس عمل کے گواہ بن کر میری عزت افزائی کریں۔"

اُس نے ایک مرتبہ پھر جھک کر اپنا بالائی کپڑا نیچے گرنے دیا اور کمر تک ننگا ہی رہا۔ اُس نے روایت کے مطابق' احتیاط کے ساتھ اپنی آستینوں کو گھٹنوں تلے دبالیا تاکہ وہ آگے نہ گر جائیں۔ اُس نے جانتے بوجھتے ہوئے' غیر متزلزل ہاتھوں کے ساتھ اپنے سامنے پڑی تلوار اُٹھائی اور اُسے شوق و محبت سے دیکھا: لمحہ بھر کے لیے یوں لگا جیسے وہ آخری مرتبہ اپنی سوچوں کو مجتمع کر رہا: اور پھر بائیں پہلو میں کمر سے نیچے تلوار گھونپی' اُسے دائیں پہلو تک لایا اور تب اسے زخم کے اندر ہی موڑ کر تھوڑا سا اوپر کی طرف لایا۔ اس کراہت انگیز حد تک خوفناک آپریشن کے دوران اُس کے چہرے کی ایک رگ تک نہ پھڑکی۔ جب اُس نے تلوار کو باہر کھینچا تو آگے کو جھک کر گردن باہر کو نکالی: پہلی مرتبہ اُس کے چہرے پر درد کے آثار نظر آئے' لیکن اُس نے کوئی آواز نہ نکالی۔ ایک طرف جھک کر کھڑا ہوا کائی شاکو اُس کی ہر حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اُچھل کر سیدھا ہوا اور اپنی تلوار کو ایک لمحے کے لیے ہوا میں تولا اور پھر ایک ہی زوردار وار سے مجرم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

موت کا سکوت طاری رہا' جسے صرف ہمارے سامنے پڑے بے

حرکت ڈھیر سے نکلنے والے خون کے مخفی شور نے ہی توڑا۔ یہ بے حرکت
ڈھیر لمحہ بھر پہلے ایک بہادر اور شجاع انسان تھا۔ یہ منظر ہیبت انگیز تھا۔[1]

ذاتی وقار یا جاپانی قوم کی بھلائی کی خاطر جنگجوؤں کی ایک اس قدر خوفناک موت مرنے پر رضامندی شاید زندگی کے تقدس اور خودکشی کی برائیوں کی تعلیم کے عادی مغربی شخص کو تو بے تک لگے گی' لیکن شنتو پرست کی اپنی قوم اور اس کی سورمائی شخصیات سے محبت و عقیدت اور کنفیوشسی احساس تفاخر میں سپوکو کو نہایت مذہبی رسم سمجھا جاتا ہے۔

جدید دور:

ٹوکوگاوا عہد کے دوران جاپان نے ہر صورت میں غیر ملکی اثرات سے گریز کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس نے بیرونی تجارت' سیاحت اور ہر قسم کے غیر ملکی مذہب پر اپنے دروازے بند کر دیئے۔ اس دور میں جاپان نے صرف اپنے مقامی وسائل پر بھروسہ کرنے کی کوشش کی۔ دریں اثناء باقی کی دنیا' خاص طور پر مغربی دنیا نے صنعتی دور میں قدم رکھا۔ 1853ء میں اُس وقت جاپان جدید دنیا کے ساتھ اچانک مقابلے کا شکار ہوا جب امریکی بحریہ کا کموڈور پیری ٹوکیو خلیج میں آیا اور کہا کہ جاپانی بندرگاہیں کھولی جائیں اور امریکہ و جاپان کے درمیان تجارتی تعلقات شروع کیے جائیں۔ 1854ء میں پیری مزید جہاز' فوجی دستے اور توپخانہ لے کر دوبارہ آیا ور جاپانی حکمرانوں کو غیر ملکیوں پر اپنے دروازے کھولنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ تب سے ہی جاپان صنعت کاری کے میدان میں باقی دنیا کے ساتھ دوڑ میں شریک ہے۔ جدیدیت کی جانب دوڑ نے یقیناً جاپان کے مذاہب پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

نئے جاپان میں مذہب کے کردار کے متعلق گڑبڑ کے ایک دور کے بعد 1889ء کے آئین میں فیصلہ کیا گیا کہ قوم متعدد مغربی اقوام کی مثال پر عمل کرتے ہوئے اپنا ایک ریاستی حمایت یافتہ مذہب رکھے گی لیکن دیگر تمام مذاہب کو بھی تبلیغ و ترویج کی پوری

---

[1] اے بی مٹفورڈ کی "ٹیلز آف اولڈ جاپان" جلد اول' صفحہ 36–231۔

آزادی حاصل ہوگی۔ جاپان میں ریاست کا حمایت یافتہ شنتو موجود تھا جو بنیادی طور پر مخصوص زیارت گاہوں میں وطن پرستانہ رسوم پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ جو بھی چاہتا علیحدہ شنتو فرقے بنا سکتا تھا۔ نیز شنتو کو سادہ گھریلو زیارت گاہوں کے آس پاس ہر گھر میں لے جایا جاسکتا تھا۔ شنتو کی ان شکلوں کے علاوہ کسی بھی دوسرے مذہب' بدھ مت' عیسائیت وغیرہ کو جاپان میں موجود رہنے کی آزادی تھی۔ تاہم' صرف ریاستی زیارت گاہوں میں وطن پرستانہ رسومات کو ہی حکومت جاپان کی جانب سے مالی امداد ملتی تھی۔

شنتو کی تین صورتیں

1۔ ریاستی شنتو

ریاست نے 1889ء کے آئین پر عمل کرتے ہوئے ملک بھر میں تقریباً 1,10,000 شنتو زیارت گاہوں اور وہاں فرائض سرانجام دینے والے تقریباً 16,000 پادریوں کی کفالت کا ذمہ لیا۔ شنتو کی یہ قسم "جنجا" (یعنی زیارت گاہ) کے طور پر مشہور ہوئی تاکہ اسے زیادہ مذہبی قسم "سکوہا" (یعنی فرقہ وارانہ) سے ممتاز کیا جاسکے۔

ریاست کی جانب سے امداد یافتہ ہر زیارت گاہ کسی مقامی دیوتا' ہیرو یا واقعے سے منسوب تھی; آئسے (Ise) کے مقام پر عظیم شاہی زیارت گاہ جاپان کی دیوی اماتیراسو سے منسوب تھی۔ زائر ایک مخصوص جاپانی محرابی راستے (torii) کے ذریعہ زیارت گاہ تک آتا جو شنتو کے ساتھ اس قدر ناقابل علیحدگی طور پر منسلک تھا کہ ساری دنیا میں اس کی علامت بن گیا۔

مخصوص قسم کی اہم زیارت گاہ دو عمارات پر مشتمل ہوتی ہے--- ایک اندرونی اور ایک بیرونی۔ زیارت گاہ دونوں کو غیر روغن شدہ لکڑی سے تعمیر کیا جاتا ہے' اور لازمی ہے کہ اسے ہر بیس سال بعد مسمار کرکے نئے سرے سے بنایا جائے۔ اندرونی زیارت گاہ میں متعلقہ دیوتا یا یادگاری واقعہ کے حوالے سے اہمیت کی حامل اشیاء رکھی ہوتی ہیں۔ مثلاً' عظیم شاہی زیارت گاہ میں مقدس اشیاء ایک آئینہ' تلوار اور منکوں کی مالا جو سب کی سب اماتیراسو کی اسطورہ میں اہم ہیں۔ مخصوص مواقع یا چھٹی کے دنوں

میں یہ متبرکات عام نمائش کے لیے رکھی جاتی ہیں۔

بیرونی زیارت گاہ میں داخل ہونے والا زائر متعلقہ دیوتا یا واقعہ کی اہمیت پر غور و خوض کرتا' معتدل سی بھینٹ چڑھاتا اور شاید مختصر عبادت بھی کرتا ہے۔ کسی کے لیے زیارت گاہ میں آنا فرض نہیں' لیکن یہ ایک غیر تحریری مفروضہ ہے کہ ہر محب وطن جاپانی اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ آئسے والی زیارت گاہ میں حاضری دینے کی کوشش ضرور کرے گا۔

ریاستی شنتو کے قیام کا مقصد جاپان کی قوم کے لیے حب الوطنی اور وفاداری پیدا کرنا تھا۔ جاپانی حکومت نے 1889ء کے آئین کے تحت ریاستی زیارت گاہوں میں تعینات اور ریاست کی جانب سے امداد یافتہ پادریوں کو کسی بھی مذہبی فرض مثلاً جنازہ کی ادائیگی سے منع کر دیا۔ آئین 1889ء ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا تھا: "ابتدائے آفرینش سے مسلسل چلے آ رہے شہنشاہوں کی نسل ہی سلطنت جاپان پر حکومت کرے گی..... شہنشاہ مقدس ہے اور اُس کی حکم عدولی نہیں کی جا سکتی۔"[1] آئین نے عسکری رہنماؤں کو بھی پارلیمنٹ کی بجائے شہنشاہ کے سامنے جوابدہ قرار دیا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں جاپان نے جن جنگوں میں حصہ لیا اُن میں ریاستی شنتو عسکری رہنماؤں کی حمایت کا ایک آلہ بن گیا۔ یہ خاص طور پر دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپانی کوششوں کا حمایتی تھا۔ شنتو جاپانی عسکریت پسندی کا اس قدر ناقابل علیحدگی جز بن گیا تھا کہ امریکی قابض فوجوں نے دسمبر 1945ء میں شنتو کے لیے ریاستی حمایت کے خاتمہ کی ہدایت کرنا ضروری محسوس کیا۔ جنوری 1946ء میں قابض فوجوں نے شہنشاہ کو اپنے الوہی نہ ہونے کا بیان جاری کرنے کا حکم دیا۔

جاپانی حکومت کی حمایت یافتہ زیارت گاہیں 1945ء سے اب تک مسلسل موجود ہیں لیکن اب اُن کا انتظام عام شہریوں کی معاونت سے چلتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے فوراً بعد ان زیارت گاہوں میں حاضری بہت کم ہو گئی اور متعدد کا استعمال بند ہو گیا۔ تاہم' بعد کے برسوں میں وہ دوبارہ توجہ حاصل کرنے لگیں۔

---

[1] "The way of Japan" by Floyd Ross PP138, 139

2۔ فرقہ وارانہ شنتو

میجی دور کی ترقیوں کے ساتھ، خصوصاً جب حکومت نے شنتو کو مذہب کی بجائے ایک ادارے کا مقام دیا جو حب الوطنی کو فروغ دیتا ہے، تو شنتو اپنی شناخت الگ سے تسلیم کرانے اور جاپان میں دیگر مذاہب کی طرح اپنی منزل خود تلاش کرنے پر مجبور ہو گیا۔ (ان مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار سے زیادہ ہے; تاہم کسی بھی مذہب کے متعلق اعداد و شمار ہمیشہ مشتبہ رہے ہیں اور جاپان میں خصوصاً یہ صورتحال ہے جہاں ایک اچھے حالات والا شخص بیک وقت بدھ پرست، کنفیوشی اور شنتو کا رکن ہو سکتا ہے۔)

شنتو کے تیرہ مرکزی فرقوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول وہ فرقے جو بنیادی طور پر پتھر کی پوجا پر زور دیتے ہیں۔ جاپان کے خوبصورت اور شاندار پہاڑ ہمیشہ یہاں کے لوگوں کے لیے باعث احترام رہے ہیں۔ بعض مقامات پر موسمی عبادت کے دوران لوگوں میں فطرت کی پرستش اور ریاضت کے امتزاج کے طور پر پہاڑوں پر چڑھنے کی رسم فروغ پا گئی۔ بعض لوگوں نے چوٹیوں تک چڑھنے کے لیے انتھک کوششیں کیں جبکہ دیگر نے عارضی طور پر ریاضت کے مقصد کے لیے پہاڑوں پر ڈیرے ڈالے۔ آن ٹیک (Ontake) اور فوجی (Fuji) کے پہاڑ ان مقاصد کے لیے پسندیدہ تھے۔ میجی (Meji) عہد کے دوران فطرت پرستی اور ریاضت کے لیے وقف تین گروہ شنتو فرقے بن گئے۔

دوسرا گروہ شامن ازم اور جاپانی کسانوں کی غیب دانی کی بنیادی رسوم سے ترقی پایا۔ جدید جاپان میں ان فرقوں کی بنیادی اپیل اُن کا ایمان درست رکھنے کا وعدہ ہے۔ ایسے فرقوں کا نمائندہ تینری کیو (Tenri-kyo) "الوہی استدلال کی تعلیم" ہے۔ تینری کیو کی بنیادیں انیسویں صدی میں ناکایاما کی (1798ء-1887ء) نامی ایک کسان عورت نے رکھی۔ اکیالیس برس کی عمر میں اس عورت کو محسوس ہوا کہ وہ الوہی استدلال کے کامی کی قید میں ہے۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ایک سنگین بیماری سے معجزانہ طور پر ٹھیک ہوئی تھی اور اس نے اس تجربے کے نتیجے میں دوسروں کو تعلیم دینا شروع کر دی۔ اُس

کا مذہب اُن باتوں پر زور دیتا تھا جو جاپانی کسانوں کے بنیادی مذہب مثلاً شامن ازم، مرتاضانہ رقص اور روحانی شفاء کا ہمیشہ سے حصہ رہی ہیں۔ آج یہ فرقہ بہبود عامہ کی رضاکارانہ مدد اور بلاشبہ روحانی شفاء پر زور دیتا ہے۔ اپنی روحانی شفا کی تعلیمات اور ایک عورت کے ذریعہ قائم کیے جانے کی وجہ سے تینری کیو کو اکثر "جاپان کی عیسائی سائنس" کہا جاتا ہے مگر ان دو عمومی عناصر کے علاوہ دونوں مذاہب بمشکل ہی ایک جیسے ہیں۔

فرقہ وارانہ شنتو کی تیسری قسم میں وہ فرقے شامل ہیں جنہیں کم یا زیادہ خالص شنتو کے دائرے میں رکھا جاتا ہے۔ جب جاپان کے حکمرانوں نے میجی عہد میں شنتو کے مزاروں پر قبضہ کر لیا اور اعلان کیا کہ یہ مذہب نہیں ہے تو اس نے شنتو کی مذہبی روایات، اسطوریات اور اس کی رسوم کے بنیادی مقام کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ان مذہبی عناصر کو قائم رکھنے کے لیے تین مرکزی فرقوں کو وسعت دی گئی۔ ان فرقوں نے قدیم دور سے جاپان کی ابتداء کی اسطورہ کو دوبارہ زندہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ شنتو کے لیے ایک مذہبی اور اخلاقی اور اسی طرح سیاسی پہلو تھا۔ انہوں نے فاقہ کشی، ضبط تنفس، سرد پانی میں نہانے، اور ہندومت کے یوگا مسلک سے ملتی جلتی بیشتر دیگر اختراعات کی سچائی پر زور دیا۔ آج لگتا ہے کہ یہ فرقے جاپانی عوام میں اپنی جڑیں کھو رہے ہیں، جبکہ تینری کیو جیسے گروہ ابھرتے نظر آتے ہیں۔

3۔ گھریلو شنتو

ریاست کی منظم صورتوں اور فرقہ وارانہ شنتو کے علاوہ ایک اور بنیادی صورت بھی موجود ہے۔ یہ بیشتر جاپانی گھروں میں مقام پانے والی نہایت سادہ اور شنتو کی عام صورت ہے۔ گھریلو شنتو کی بنیادی اکائی یا علامت کامی دانہ (Kami-dana "شیلف پر خداؤں کے نام کندہ کرانا") ہیں جو بیشتر جاپانی گھروں، بالخصوص دیہاتی علاقوں میں ملتی ہیں۔ کامی دانہ، خواہ پیچیدہ ہو یا سادہ، خاندان سے متعلقہ مذہبی علامت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں عموماً خاندان کے اجداد کے نام شامل ہوتے ہیں کیونکہ گھریلو مذہب کا ایک حصہ فرزندانہ سعادت ہے۔ کامی دانہ میں دیوتاؤں کے مجسمے شامل ہو سکتے ہیں جو

خاندان کے ساتھ ہمدردیا انتہائی قابل احترام ہوتے ہیں۔ جاپانی معماروں کے گھروں اور دوکانوں میں مختلف دیوتاؤں کی شبیہیں موجود ہیں اور جاپانی ادب اُن ماہر کارکنوں کی بیشتر کہانیوں پر مشتمل ہے جنہوں نے ایک ان دیکھے دیوتا کی زیر نگرانی شاہکار تخلیق کیے۔ روایتی کامی دانہ میں ایسی چیزیں شامل ہیں جو عظیم معبدوں مثلاً آئسے (Ise) کے معبد سے خریدی گئی ہوں۔ خاندان کی نظر میں کوئی بھی مقدس چیز دیوتا کے شیات پر عزت پانے کی حقدار ہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک گھر میں کامی دانہ ایک شخص کے اُترے ہوئے جوتوں پر مشتمل تھا جس نے مصیبت کے وقت اُس گھر کی مدد کی تھی۔ ان جوتوں کو دوست کی بھلائی کی علامت سمجھا جاتا یا یہ جوتے مانا یا کامی پر مشتمل تھے جو اچھے اعمال پر ابھارتے ہیں۔ بہرحال وہ احترام کا مقام حاصل کر گئے۔[1]

جاپانی گھر میں کامی دانہ پر پرستش بہت سادہ کام ہے۔ پھولوں' لالٹین' اگر بتی' خوراک اور مشروب کے نذرانے اس قربان گاہ کے آگے ہر روز پیش کیے جاتے۔ ایک سادہ روزمرہ کی عبادت جس میں پرستش کرنے والے کا اپنے ہاتھ دھونا' نذرانہ پیش کرنا' اپنے ہاتھوں کو ارواح کے ساتھ گفتگو کی علامت کے طور پر بجانا اور مختصر دعا پڑھنا یہاں بھی ہوتا ہے۔ چھٹیوں' شادیوں یا برسیوں کے خصوصی مواقع پر زیادہ مفصل تقاریب کامی دانہ پر منعقد ہوتی ہیں۔ تاہم جنازے جیسے خصوصی مذہبی موقع پر شنتو دیوتاؤں یا پجاریوں کی بجائے جاپانی عوام بدھ پروہتوں سے رجوع کرتے۔ جاپان کی خصوصی مذہبی فرقہ واریت میں شنتو اس زندگی جبکہ بدھ مت حیات بعدالموت کے لیے ہے۔ لہٰذا کامی دانہ کے ساتھ بیشتر جاپانی گھروں میں "بوتسودان"---بودھی گھریلو قربان گاہ بھی ہوتی ہے جہاں دیوتاؤں کے لیے پرستش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں' جاپان کا مقامی مذہب شنتو بہت سے لوگوں کے لیے بہت کچھ ہے۔ بعض جاپانیوں کے لیے یہ اسطوریات اور رسوم کا ایک مجموعہ ہے جو انہیں

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ امریکی زندگی میں جاپانی کامی دانہ کی قریب ترین مماثلت گاڑی کی ڈیش بورڈ ہے۔ جہاں بہت سے معاملات میں اچھی قسمت کا وعدہ کرنے یا اچھی یادوں کو واپس لانے والی چیزوں کو رکھا جاتا ہے۔

اپنی قوم کی خصوصی اساس یاد دلاتا ہے۔ انہیں قومی چھٹیوں یا قومی معبدوں کی زیارت کے موقع پر یہ اسطوریات اور رسوم یاد دلائی جاتی ہیں۔ یہ مذہب باقاعدہ پرستش اور مستقبل کی زندگی سے متعلق ہونے کی حیثیت میں بدھ مت سے ملتا جلتا ہے۔ خصوصی شنتو فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے شنتو روحانی شفاء، ریاضت یا تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔ جاپان کے بیشتر دیہاتی گھرانوں کے لیے شنتو روزمرہ کی عبادت ہے جو کامی دانہ پر گھروں میں کی جاتی ہے اور اس میں اجداد پرستی اور ارواح پرستی کے عناصر بھی شامل ہیں۔

مزید مطالعہ کے لیے:

1) Anesaki, Masaharu. *Religious Life of the Japanese People.* Tokyo: The Society for International Cultural Relations., 1961.

2) de Barry, William T., ed. *Sources of Japanese Tradition.* New York Columbia University Press, 1958

3) Earhart, H. Byron, *Japanese Religion: Unity and Diversity.* Encino, Calif, Dickenson Publishing Co. 1969.

4) Kitagawa, Joseph M. *Religion in Japanese History.* New York: Columbia University Press, 1966.

5) Ross, Floyd Hiatt. *Shinto, the Way of Japan.* Boston: Beacon Press, 1965.

اہم واقعات کی زمانی ترتیب

2000–1750ق-م	بائبلی اجداد
1200ق-م	خروج
700–600ق-م	زرتشت کا دور
599–527ق-م	مہاویر (جین مت کا بانی)
560–480ق-م	سدھارتھ گوتم (بدھ مت کا بانی)
551–479ق-م	کنفیوشس (کنفیوشس مت کا بانی)
600–500ق-م	لاؤ تزو (تاؤ مت کا بانی)
372–289ق-م	مینیئس
400–300ق-م	چوانگ تزو کا دور
297ق-م	شہنشاہ اشوک کا بدھ مذہب قبول کرنا
298–238ق-م	ہسون تزو
165ق-م	میکابیائی بغاوت
6ق-م یا 26عیسوی	مسیح ناصری
64عیسوی	حواری پال

70ء	رومنوں کے ہاتھوں یروشلم اور معبد کی تباہی
354ء—430ء	ہپو کا آگسٹائن
480ء	بودھی دھرم کی چین میں تبلیغ
522ء	بدھ مت کا جاپان میں داخلہ
570ء—632ء	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد
661ء—750ء	خلافت بنو امیہ
788ء—838ء	شنکر آچاریہ
750ء—1258ء	خلافت عباسیہ
1100ء—1200ء	رامانج کا دور
1135ء—1204ء	میمونائیڈز
1095ء—1291ء	صلیبی جنگیں
1225ء—1274ء	ٹامس آکوئینس
1200ء—1300ء	مادھو اور نمبرن کا دور
1440ء—1518ء	بھگت کبیر
1469ء—1538ء	گرو نانک
1483ء—1546ء	مارٹن لوتھر
1491ء—1556ء	لویولا
1492ء	یہودیوں کی سپین سے بے دخلی
1509ء—1564ء	جان کیلون
1546ء	ٹرینٹ کی کونسل
1500ء—1700ء	سلطنت مغلیہ
1563ء—1606ء	گرو ارجن
1600ء—1867ء	ٹوکوگاوا عہد حکومت

رام موہن رائے	1772ء–1833ء
انگلینڈ میں پہلے سنڈے سکول کا قیام	1780ء
بہاء اللہ	1817ء–1892ء
سوامی ویویکانند	1863ء–1902ء
موہن داس گاندھی	1869ء–1948ء
فلسطین اور ہندوستان کی تقسیم، پاکستان اور اسرائیل کا قیام	1947ء
ویٹیکن کونسل دوم	1962–65ء

افکار شاہ ولی اللہ
پنجاب کے صوفی دانشور
مسلم فکر کا ارتقاء
اسلامی تاریخ کے اہم موڑ
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
ہندو دھرم
گرونانک
مہا بھارت
داستان
D&C BY: (ANGLES)
KHAWAJA AFZAL
نگارشات